نگار

نیاز فتحپوری

قواعد رسالہ نگار

۱ - رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے شایع ہوتا ہے
۲ - رسالہ نہ پہونچنے کی صورت مین بیس تاریخ سے پہلے دفتر کو اطلاع ہونی چاہیے ورنہ رسالہ مفت روانہ کیا جایگا
۳ - خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیے جنپر نمبر خریداری نہین ہوتا ایسے خطوط ضائع کردیے جاتے ہین
۴ - جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا ار کا ٹکٹ آنا ضروری ہے
۵ - مضامین صاف اور خوشخط آنے چاہیئن -
۶ - سالانہ قیمت پانچ روپیہ، ششماہی تین روپیہ - بیرون ہند سات روپیہ سالانہ -

نگار

نرخنامہ اجرت اشتہارات

تعداد صفحہ	ایک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
بارہ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۴۰ روپیہ
چھ مرتبہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ	۲۵ روپیہ

(۱) اجرت ہر حال مین پیشگی آنا ضروری ہے (۲) جو صاحبان تین ماہ سے زائد اشتہار دین گے ان کو بیس فیصدی کمیشن دیا جایگا (۳) میعاد اشتہار کے اندر دو مہینے قبل اطلاع دینے پر مضمون بدل سکتا ہے

تعداد صفحہ	ایک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
تین مرتبہ	۳۵ روپیہ	۲۴ روپیہ	۱۴ روپیہ
ایک مرتبہ	بارہ روپیہ	۹ روپیہ	۶ روپیہ

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

چوتھائی قیمت پیشگی آنی لازم ہے - جواب کیلیے ٹکٹ آنا ضروری ہے

مرزا غالب

اردوے معلی ۱۲ر
عود ہندی عہ ر
دیوان غالب ۱۰ر
مکمل دیوان صہ ر

مولانا نذیر احمد

حمائل مترجم للعہ ر
الحقوق والفرائض ۱۰ر

بنات النعش ۹ر
مراۃ العروس ۱۰ر
توبتہ النصوح ۱۲ر
موعظہ حسنہ ۱۲ر
رویاے صادقہ ۱۲ر
ایامیٰ ۱۲ر
فسانہ مبتلا ۱۲ر
ابن الوقت ۱۲ر
مصائب غدر ۱۲ر

مولانا شبلی

سیرۃ النبی جلد اول للعہ
" دوم للعہ
" سوم للعہ
الفاروق ۲ر
سیرۃ النعمان عہ ر
الغزالی ۱۲ر
المامون عہ ر
سوانح مولانا روم ۱۲ر
سفرنامہ مصر و شام ۱۲ر
علم الکلام ۱۲ر
الکلام ۲ر
رسائل شبلی عہ ر
مقالات شبلی عہ ر
شعر العجم جلد اول ۱۰ر
" دوم ۱۲ر
" سوم ۱۲ر
" چہارم ۱۰ر
" پنجم ۱۲ر
موازنہ انیس و دبیر ۱۰ر
مضامین عالمگیر ۸ر
آغاز اسلام ۸ر
کلیات فارسی ۱۲ر
کلام شبلی اردو ۸ر

امیر مینائی

امیر اللغات للعہ ر
صنمخانہ عشق للعہ ر
مراۃ الغیب عہ ر

محامد خاتم النبیین ۸ر
ضیاے سخن عہ ر
مکاتیب امیر مینائی ۱۲ر

رتن ناتھ سرشار

فسانہ آزاد للعہ ر
سیر کہسار ۱۰ر
خدائی فوجدار ۱۲ر
جام سرشار ۲ر
الف لیلیٰ بطرز ناول صہ ر

نگار

نیاز فتحپوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد (۱۵) شمارہ (۱)

فہرست مضامین جنوری سنہ ۱۹۲۹ء

فہرست مضامین		۲
انتساب (نظم)	نیاز	۳
خارجی حالات کا اثر جنین پر	نیاز	۴
ولادت و ہجرت نبوی کی صحیح تاریخ	نیاز	۹
غزل (اردو)	نیاز	۱۶
ستی (افسانہ)	نیاز	۱۷
غزل (فارسی)	نیاز	۳۲
نظام شمسی میں آفتاب کی اہمیت	ابوالمحاسن محمود علی	۳۳
قلوبطرہ	نیاز	۵۱
غزل	مانی جائسی	۵۵
گیسو	نیاز	۵۶
مجرم علوم جدیدہ کی نظر میں	نیاز	۵۷
بہار کی دیوی (نظم)	نیاز	۶۳
لالہ رخ کے دو افسانے	ل-احمد	۶۵
علوم اسلامی پر ایک مورخانہ نظر	نیاز	۸۱
علم ہیئت میں حرارت کی اہمیت	نیاز	۹۱
رموز انقلاب	نیاز	۹۵
ایک مصلح بت تراش (افسانہ)	نیاز	۹۶
جنگل کی شاہزادی (نظم)	جوش ملیح آبادی	۱۰۱
ایک مایوس کی تمنا (نظم)	مخمور اکبر آبادی	۱۰۳
انقلاب امریکہ پر اک نظر	نیاز	۱۰۵
غزل	شوکت علیخاں فانی بی-اے	۱۱۷
ناسزا جوانی (نظم)	جوش ملیح آبادی	۱۱۸
غزل (فارسی)	نیاز	۱۲۰
حرکت کے کرشمے کائنات میں	نیاز	۱۲۱
غزل (فارسی)	نیاز	۱۴۴
استفسار و جواب	نیاز	۱۴۵
معلومات	نیاز	۱۵۴/۱۶۰

انتساب

اک نازنیں رشکِ قمر کشتی میں محوِ خواب ہے
پرتو ہے جس کے سطحِ آب اک چادرِ سیماب ہے

کشتی ہے رُوے آب پر اور اس میں حسنِ صبح زا
ہے برگِ نیلوفر پہ اک یا قطرۂ شبنم پڑا

کشتی تموج میں ہے یا مضطر ہے چشمِ نیم وا
کشتی میں ہے اک برق وش ہو آنکھ میں جیسے ضیا

یہ حُسنِ سیمیں اور یہ رنگینیِ کیفِ شباب
بت ساز نے بلّور کے پیکر میں بھر دی ہی شراب

اک حسن کے پیکر میں یہ مصروفِ راحت ہی شباب
نقشِ جوانی میں ہے یا اک حُسنِ کامل محوِ خواب

ابرو میں پورا خم لئے صیدِ زبوں کے واسطے
رخسار میں بجلی لئے صبر و سکوں کے واسطے

آویزہ اس کے کان کا عارض پہ ہے ٹھیرا ہوا
دُرجِ صدف سے یا کوئی موتی ڈھلک کر رہ گیا

چوٹی ہے یا دو ناگنیں باہم دگر مالوف ہیں
یہ لب ہیں یا دو پنکھڑی اک پھول کی ملفوف ہیں

آنکھیں ہیں بند اس پر بھی ہے یہ راز اُن کا برملا
اندر رہی اندر سحر ہے سانچے میں اُن کے ڈھل رہا

اک ہاتھ نیچے سر کے ہے اور دوسرا سینہ پہ ہے
بادل میں ہے اک جوے شیر اور ایک آئینہ پہ ہے

گردن ہے شانہ تک کھلی، سینہ کمر تک بیحجاب
کیا جانئے منظور ہے فطرت کو اب کیا انقلاب

کشتی جو ساحل سے لگی تو ہوگئی بیدار وہ
اور اس طرح دیکھا مجھے گویا کہ ہے بیزار وہ

کہنے لگی "تو کون ہے کیا اس فضا میں تیرا کام؟"
بولا میں "تجھ سے رکھتا ہے اک گونہ نسبت یہ غلام"

"جلوہ ہے تو میں ہوں نگہ، تو برق ہی خرمن ہوں میں"
"تو پھول ہے بلبل ہوں میں گوہر ہے تو دامن ہوں میں"

"تو حُسن ہے میں عشق ہوں، تو آگ ہی میں ہوں گداز"
"تو بادشہ میں ہوں گدا، تو ناز ہے میں ہوں نیاز"

یہ سُن کے وہ ہنسنے لگی اور پھول برسانے لگی
پھر مجھکو یہ سب دے گئی جب لوٹ کر جانے لگی

ان خندہ ہاے حُسن کی کرتا ہوں قائم یادگار
یعنی انھیں پھولوں کا ہے چھوٹا سا گلدستہ نگار

نیاز

خارجی حالات کا اثر جنین پر

اور

مخلوقاتِ عالم میں تبدیلی کا امکان

توریت میں آیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے راحل سے شادی کرنے کے لئے اُن کے باپ لابن کی بکریاں چرائی تھیں جس سے لابن کی بکریوں میں بہت کچھ اضافہ ہوا اور وہ بڑا دولتمند بن گیا۔ جب حضرت یعقوبؑ اپنا مقصود حاصل کرکے واپس جانے لگے، تو لابن نے اجازت نہ دی کیونکہ انھوں نے نہایت محنت اور اخلاص سے کام کیا تھا۔ جب حضرت یعقوب نے دیکھا کہ لابن رہنے پر اصرار کرتا ہے تو انھوں نے کہا کہ میں اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ جس قدر ابلق بکریاں پیدا ہوں وہ سب میرے حصہ کی ہونگی۔ لابن اس شرط پر راضی ہوگیا کیونکہ اس قسم کی بکریاں عموماً نادر الوجود ہوتی ہیں، خاص کر اس زمانہ میں تو یہ بہت کم پیدا ہوتی تھیں۔ یعقوب نے پھر لابن کی بکریاں چرانی شروع کیں اور انھوں نے چنار اور بادام کی لکڑیاں لے کر جابجا سے انکا پوست نکال دیا تاکہ سفیدی اور سیاہی مل کر وہ ابلق ہو جائیں پھر وہ لکڑیاں ایسے موقع پر رکھدیں جہاں صبح شام بکریاں پانی پینے آیا کرتی تھیں۔ ان لکڑیوں میں دیکھ کر بکریوں میں یہ اثر پیدا ہوا کہ وہ ابلق رنگ کے بچے زیادہ دینے لگیں۔ حضرت یعقوبؑ زیادہ تر قوی بکریوں کو ان لکڑیوں کے پاس لایا کرتے تھے۔ تاکہ موٹی تازی بکریوں کے بچے اُن کے حصے میں آئیں۔ اس ترکیب سے حضرت یعقوب کو بڑا فائدہ ہوا اور وہ بڑے دولتمند بن گئے۔

علمائے علم الحیوان میں ہمیشہ سے یہ مسئلہ زیر بحث چلا آیا ہے کہ کیا خارجی حالات اور کیفیات سے جنین بھی متاثر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مذکورۂ بالا واقعہ سے حضرت یعقوب نے اس نظریہ کو صحیح ثابت کر دیا۔

اس نظریہ کو علمی اصطلاح میں TELEGON کہتے ہیں اس کی صحت میں علما نے بڑا اختلاف کیا اور آخر میں یہی رائے قرار پائی ہے کہ یہ نظریہ ٹھیک نہیں، لیکن جدید انکشافات ثابت کر رہے ہیں کہ وہ وقت دور نہیں جب انسان زندہ مخلوقات کے رنگ اور دیگر صفات میں جس طرح چاہے تبدیلی پیدا کر دے۔ اس زمانہ میں ماہرین فن نے ایسے عجیب و غریب تجربے کئے ہیں، جس سے نظریہ مذکورہ کی صحت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

آج کل اس مسئلہ پر بحث ہو رہی ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں، جن کی وجہ سے چیتے کے جسم پر سیاہ داغ ہوتے ہیں، کیا انسان کے لئے ممکن ہے کہ بلا داغ چیتا پیدا کر سکے۔ اگر ان اسباب و علل کا انسان کو پوری طرح علم ہو جائے تو وہ بھی حضرت یعقوب کی طرح جنین

کی صفات وکیفیات بدل سکتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ عجیب تر امور اس کے دست قدرت میں آسکتے ہیں۔

اگر حیوان کی کسی نوع میں سے خاص صفات اور امتیازات کے جانور منتخب کرکے اُن کا سلسلۂ تناسل عام نوع سے علحدہ قائم کیا جائے" تو اس میں شک نہیں کہ رفتہ رفتہ وہ صفات وخصوصیات اس مخصوص نسل کی صفات لازمہ ہو جاتے ہیں اور جدید نسل عام نوع سے ممتاز ہوکر ایک مستقل نوع بن جاتی ہے۔ مثلاً ابتدا میں مسابقت (گھوڑ دوڑ) کے لئے ایک گھوڑا یا چند گھوڑے منتخب کئے گئے، جن میں وہ صفات خصوصیت کے ساتھ زیادہ پائی جاتی تھیں جو گھوڑے کی سرعت رفتار کے لئے موزوں ہیں، پھر ان ہی منتخب گھوڑوں میں سے (جب ان کی نسل کچھ زیادہ ہوئی، اور انتخاب کیا گیا) اسی طرح یہ انتخابات ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں کی نسل عام گھوڑوں سے بالکل علحدہ ہو گئی اور وہ صفات وخصوصیات جو پہلے وجہ انتخاب تھے، اس جدید نسل کے صفات لازمہ بن گئے۔ اس قسم کا انتخاب علمائے حیوان کی اصطلاح میں "انتخاب صناعی" کہلاتا ہے۔ ایک طبعی انتخاب بھی ہوتا ہے، جس کا عمل فطری طریقہ پر نباتات اور حیوانات میں جاری رہتا ہے چونکہ طبیعت کا اقتضاء یہ ہے کہ انواع حیوان ونباتات ہمیشہ ترقی کرتے رہیں اور مدارج ارتقا کو برابر طے کرتے چلے جائیں، اس لئے طبیعت ایک دائمی انتخاب واصلاح کا سلسلہ جاری رکھتی ہے، جس کی بنا پر ہر آنے والی نسل گزشتہ نسل سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے، لیکن یہ ارتقائی رفتار اس قدر آہستہ ہوتی ہے کہ سینکڑوں نسلوں کے بعد ایک معمولی سا فرق پڑ جاتا ہے۔

بہرحال انسان جس ذریعہ سے کام لیتا ہے وہ انتخاب صناعی ہے جو حیوانات ونباتات کے بعض صفات کو بدل سکتا ہے۔ لیکن جو مسئلہ اس وقت زیر بحث ہے اگر اس میں کامیابی ہوگئی تو وہ انتخاب صناعی سے بہت زیادہ اہم اور مفید ثابت ہوگا، کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک ہی نسل کے صفات وخصوصیات میں تبدیلی پیدا کردی جائے، جو انتخاب صناعی کے ذریعہ سے کئی نسلوں کے بعد پیدا ہوسکتی ہے۔

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس قسم کے دو حیوان یا نباتات نہیں پائے جاسکتے، جن کے درمیان پوری پوری مشابہت ہو، اگرچہ ہمیں بادی النظر میں فرق نہ معلوم ہو لیکن حقیقتاً دونوں کے درمیان کچھ نہ کچھ مابہ الامتیاز ضرور ہوتا ہے۔

ایک گلہ جس میں بہت سی بھیڑیں ہوں، ہم اس کے بعض افراد میں فرق نہیں کرسکتے۔ لیکن گلہ بان جسے ایک طویل تجربہ کے بعد بھیڑوں کی خصوصیات اور خاص امتیازات کا علم ہو گیا ہے، آسانی سے فرق کرسکتا ہے اکثر پرندے ایسے ہیں جن کے افراد میں انسان ہرگز فرق نہیں کرسکتا، لیکن اُن کے جوڑے آپس میں ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہیں اور کبھی انھیں غلطی نہیں ہوتی، ظاہر ہے کہ اُن کی شناخت کسی نہ کسی خصوصیت وامتیاز کی بنا پر ہوگی جس کا ادراک انسانی تمیز سے بالاتر ہے۔

بعض اوقات یہ خصوصیات نہایت صاف اور واضح ہوتی ہیں اور ایسی صورت میں ان خصوصیات اور امتیازات کی بنا پر انتخاب کرکے ایک جدا نسل قائم کی جاسکتی ہے، جسے انتخاب صناعی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت یہ مسئلہ پیش نظر ہے کہ ان خصوصیات کے اسباب دریافت کرکے اُن سے کام لیا جائے اور ایک ہی نسل میں حسب خواہش تبدیلی پیدا ہوسکے، عالم "حیوانات" اس عمل میں طبیعت کی اقتدا کرنی چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کیا وجہ ہے بعض مویشی بغیر سینگ کے پیدا ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس کے والدین بڑے بڑے سینگ

رکھتے ہیں، ضرور اس کا کوئی پوشیدہ سبب ہوگا، کیا میں اس سبب کو دریافت کرکے اس سے کام لے سکتا ہوں جس طرح طبیعت کام لیتی ہے۔

نظریۂ تبدیل صفات کب سے انسان کے ذہن میں آیا؟

اس سوال کا جواب دینے کے لیے چاہیے کہ ہم سنہ ۱۸۵۹ء تک پیچھے ہٹ جائیں۔ جب ڈارون نے اپنی مشہور کتاب "اصل انواع" تالیف کی تھی۔ اس وقت عام خیال یہ تھا کہ ڈارون ہی پہلا شخص ہے، جس نے مسئلہ نشو و ارتقا پر بحث کی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ نشو و ارتقا کا خیال نہایت قدیم ہے، جس کی مختلف توجیہات اور تعلیلات بیان کی گئی ہیں۔ ڈارون کی کتاب بھی اس مسئلہ کی ایک جدید تعلیل ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ تمام گزشتہ توجیہات سے زیادہ دقیق اور مکمل ہے۔

ڈارون نے نشو و ارتقا کی بنیاد تین اصول پر رکھی ہے۔

۱۔ ایک جنس کے افراد میں کچھ نہ کچھ فرق و امتیاز ضرور ہوتا ہے یعنی ایسے دو فرد ہرگز نہیں مل سکتے، جن کے درمیان مشابہت کلی ہو۔

۲۔ یہ فرق و امتیاز نسلاً منتقل ہوتا ہے۔

۳۔ پیدا ہونے والے افراد کی تعداد باقی رہنے والوں سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔

مذکورۂ بالا اصول سمجھنے کے لیے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

خرگوشوں کی ایک جماعت ایسی جگہ رہتی ہے جہاں لومڑیوں کا گزر بالکل نہیں ہے اور وہ نہایت اطمینان سے پُرامن زندگی بسر کرتے ہیں۔ دفعتاً بعض لومڑیاں وہاں آتی ہیں، پہلا اصول مقتضی ہے کہ خرگوشوں کے درمیان خاص خاص امتیازات و خصوصیات ہوں گے، کوئی سیاہ ہوگا کوئی سفید، کوئی تیز رو ہوگا کوئی سست۔ اب دیکھنا چاہیے کہ لومڑیوں کے آنے پر کیا صورت پیش آئے گی ظاہر ہے کہ بہت سے خرگوش، لومڑیوں کا شکار ہو جائیں گے، اور وہی بچ سکیں گے جو تیز رفتار ہوں گے یا اُن کا رنگ زمین کے رنگ کے مشابہ ہوگا اور سہولت سے لومڑیاں انھیں نہ دیکھ سکیں گی۔ یہ دونوں صفات یعنی تیز روی اور زمین کی ہم رنگی خرگوشوں کی نجات کا سبب ہو سکتا ہے۔ جن افراد میں یہ صفات پائی جائیں گی انھیں کے بچنے کی زیادہ امید ہوگی، پھر ان افراد کو لومڑیاں فنا کرتی جائیں گی، یہاں تک کہ وہی بچے باقی رہ جائیں گے جن کے اندر صفات مذکور تمام و کمال پائے جائیں اور کسی طرح بھی لومڑیوں کا قابو اُن پر نہ چل سکے گا۔

دوسرے اصول کا مفاد یہ تھا کہ یہ امتیازات بطریق وراثت منتقل ہوتے رہتے ہیں، نسلی اقتضا یہ ہے کہ تیز چلنے والے خرگوشوں سے تیز چلنے والے اور زمین کے ہمرنگ خرگوشوں سے اسی رنگ کے خرگوش پیدا ہوں اور ہر آئندہ نسل میں گزشتہ کی بہ نسبت یہ خصوصیات اور امتیازات واضح اور صاف ہوتے جائیں۔

چند نسلوں کے بعد یہ صفات خرگوشوں میں اس قدر راسخ اور ثابت ہو جائیں گے کہ خرگوشوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں گے۔ ایک وہ جو زمین کے ہمرنگ ہوں اور دوسرے تیز رفتار۔ اور یہیں سے ڈارون کا تیسرا اصول مستنبط ہوتا ہے یعنی ایک جنس افراد میں

وہی زیادہ باقی رہ سکتے ہیں جن میں بقا کی زیادہ صلاحیت ہو۔

یہی وہ چیز ہے جسے ڈاردن انتخاب طبعی کہتا ہے، انسان نے بھی اس انتخاب کی تقلید کی ہے اور اپنی خواہش کے مطابق بعض حیوانات و نباتات میں خاص خاص صفات پیدا کیے ہیں۔ جسے انتخاب صناعی کہتے ہیں، انتخاب طبعی اور صناعی میں یہ فرق ہے کہ انتخاب صناعی میں بجائے اس کے کہ انسان صفات مرغوبہ کو طبیعت کے سپرد کرے خود افراد میں سے وہ افراد منتخب کرلیتا ہے، جن میں وہ صفات پائے جاتے ہیں۔ اور پھر ان کی ایک علیحدہ نسل قائم کردیتا ہے۔ اور اس طریقے پر طبعی رفتار سے بہت جلد نتیجہ پر پہونچ جاتا ہے۔

آج کل جو طریقہ زیر بحث ہے وہ اس سے بھی زیادہ موثر اور سریع العمل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خصوصیات حیوانی اور نباتاتی کے اسباب و علل معلوم کرکے (بغیر اس کے کہ پے درپے انتخابات کا سلسلہ جاری کیا جائے، ایک ہی نسل میں اختلاف پیدا کردیا جائے۔

اس مسئلہ میں سب سے پہلا اکتشاف ایک مشہور عالم حیوانات "لینفچٹان" کا ہے اس نے ایک خاص قسم کی گھاس جو شیریں پانی میں پیدا ہوتی ہے، سمندر میں ڈال دی، کچھ عرصہ کے بعد اس گھاس نے ایک دوسری گھاس کی شکل اختیار کرلی۔ جو اس سے بالکل مختلف اور ایک علیحدہ جنس تھی پھر اس نے اس کے خلاف عمل کیا یعنی سمندر میں اُگنے والی ایک گھاس کو شیریں پانی میں ڈال دیا، اس نے بھی اپنی صورت بدل دی اور ایک دوسری گھاس کی صورت میں تبدیل ہوگئی۔

ولیم لارینس، پروفیسر یونیورسٹی شیکاگو (امریکہ) بھی اس موضوع سے خاص طور پر عملی دلچسپی لیتے ہیں۔ پروفیسر مذکور ایک خاص قسم کے مچھر پر جو آلو کے درخت پر نشو و نما پاتا ہے اپنے تجربے کررہے ہیں، اس نے مچھر پالنے کی غرض سے ایک خاص جگہ بنائی ہے، جہاں مچھر کھاتے پیتے اور بڑھتے رہتے ہیں، پروفیسر ہر ایک مچھر کی تاریخ ولادت اور باہمی رشتوں کو خوب پہچانتا ہے کیونکہ وہ یہ تمام تفصیلات ایک رجسٹر میں لکھ لیتا ہے۔ اس نے ہر درخت کے اوپر ایک باریک جال لگا دیا ہے، جس میں سے مچھر نکل نہیں سکتے۔ اور ہر درخت پر صرف ایک یا دو مچھر چھوڑے جاتے ہیں اس طریقہ سے اُن کے انساب اور آپس کے رشتے بالکل محفوظ رہتے ہیں۔ اس عمل کے لئے اس نے متعدد کمرے بنائے ہیں ہر کمرے میں چند درخت ہیں۔ ان کمروں کی حرارت برقی طاقت سے گھٹائی بڑھائی جاسکتی ہے بعض کمروں کی ہوا اس قدر گرم کی جاتی ہے کہ خط استوا کی حرارت کے برابر ہوجاتی ہے اور بعض میں قطب شمالی برابر سردی پیدا کی جاتی ہے۔

مچھروں کی اس طرح تربیت کرنے سے اُن کے درمیان بڑا اختلاف پیدا ہوجاتا ہے اور اُن کی مختلف جنسیں بن جاتی ہیں۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بعض وقت اس قسم کے مچھر پیدا ہوتے ہیں، جن کا دنیا میں کہیں بھی وجود نہیں ہے۔

نباتات کے متعلق جارج کلز (جرمنی) نے عجیب و غریب تجربے کئے ہیں۔ وہ اپنے عمل سے نباتات کی عمر میں بڑا فرق پیدا کرسکتا ہے۔ ایک متعفن گھاس جس کی عمر دو ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوتی، اس نے اپنے عمل سے اس کی عمر چھ سال تک بڑھا دی۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس قسم کی گھاس جو انتہائی عمر کو پہونچ چکی تھی اُسے اپنے عمل سے از سر نو زندہ کردیا۔

اس نے اپنے تجربوں سے نباتات کی شکل و صورت میں بھی بہت کچھ فرق پیدا کردیا ہے، بعض نباتات میں تو اس قدر عظیم فرق پیدا ہوگیا ہے کہ وہ اپنی اصل سے بالکل مختلف ہوگئے ہیں۔

ان تمام تجربات سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ حیوانات اور نباتات کے لئے کوئی خاص شکل و صورت ایسی نہیں ہے کہ وہ اُسے نہ چھوڑ سکیں، بلکہ موثرات خارجی خواہ طبعی ہوں یا صناعی، ان میں عظیم اختلاف پیدا کر سکتے ہیں۔

یہ اکتشافات عجیبہ جو ابھی دورِ طفولیت میں ہیں، ہمارے سامنے ایک روشن اور امید افزا استقبل پیش کرتے ہیں۔ جب ہم آج اس بات پر قادر ہیں کہ علمی اور عملی طریقوں سے حیوانات اور نباتات کی انواع کو بدل سکتے ہیں تو کیا یہ بعید ہے کہ جراثیم حیوانی جن سے حیوانات کی تخلیق و تکوین ہوتی ہے، ہمارے دائرہ عمل میں داخل ہو جائیں اور ہم اُن پر اثر ڈال کر مختلف قسم کے حیوانات کی تولید کر سکیں۔ اور حیوانات کیا بلکہ نوع بشری کی شکل و صورت میں بھی حسب خواہش تبدیلی پیدا کر دیں۔

نیاز

سب اشیاء کی یکجائی قیمت صرف دس روپے (۱۰/-)

نوٹ
ایک یا دو اشیاء کی خریداری پر کوئی رعایت نہیں

مندرجہ ذیل پانچوں اشیاء قیمتی اپہار در روپیہ یکدم طلب کرنے پر معہ محصول و پیکنگ صرف دس (۱۰) روپیہ میں روانہ کیجاویں گی۔ ہمارا مقصد قلیل منافع پر یہ بہترین اشیاء خریداروں کو بہم پہونچانا ہے۔

کارآمد فاؤنٹن پن ایک مرتبہ سیاہی بھر نیسے صفحہ کے صفحہ لکھدیتا ہے گولڈن نب لگا ہوئے کے باعث برسوں کام دیتا ہے۔ بدخط انسان کو خوشخط بناتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ ۱؎۸

ڈبل الارم ٹائم پیس

گارنٹی ۲ سال

جو خوبیاں قیمتی ٹائم پیسوں میں ہوتی ہیں وہ کاریگر نے اس میں جمع کی ہیں۔ پرزوں کا مضبوط وقت کا سچا ہے دیکھنے میں خوبصورت ہے اور ٹھیک وقت پر دونوں گھنٹی کی بلند آواز سے ہمسایوں تک کو بیدار کر دیتا ہے۔ رمضان المبارک کے لئے بہت کارآمد چیز ہے۔
قیمت علاوہ محصول ڈاک چار روپیہ ۴؎

قیمتی رسٹ واچ

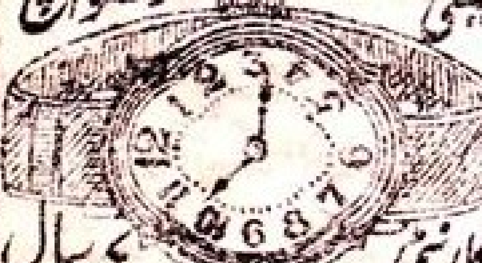

گارنٹی ۲ سال

۲۰ کیرٹ گولڈ پلیٹڈ رسٹ واچ اپنی خوبی میں اسّی نوّے روپیہ کی گھڑی سے مقابلہ کرتی ہے۔ ہر موسم میں صحیح ٹائم بتاتی ہے ازحد خوب صورت اور بہت پائیدار ہے اس کو مرد و عورت دونوں استعمال کرتے ہیں۔ دیدہ زیبی اس پر ختم ہے۔
قیمت چھ روپے (۶)

لیور پاکٹ واچ

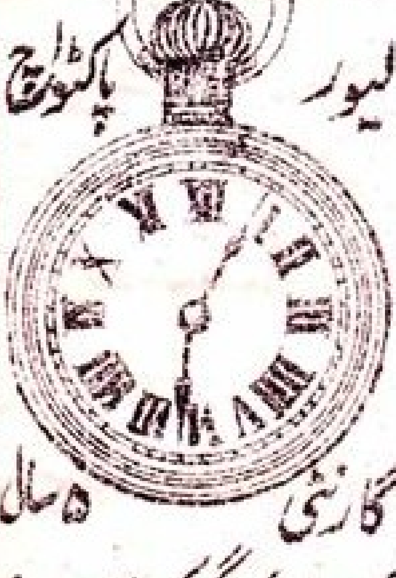

گارنٹی ۵ سال

ایک مستند کاریگر کی ساخت ہونے باعث مشین کی مضبوط۔ وقت کی سچی، صورت و سیرت دونوں میں خوبصورت ہو رسند کی آب دہو اکیموافق بنائی گئی ہے۔ قیمت پانچ روپیہ ۵؎

سنہری گولڈ چوڑیاں

امیٹیشن طلائی خول میں رنگین نگینہ چوڑیاں نیلم و پکھراج کی جڑاؤ سیکڑوں روپیہ کی لاگت کا اندازہ رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عورت ان پر فدا ہے قیمت مکمل سٹ ایک روپیہ آٹھ آنہ ۱؎۸

نوٹ نمبر ۱
جو صاحب فاؤنٹن پن یا چوڑیاں دونوں میں سے ایک اشیاء خریدنا چاہیں ان کو بقیہ چاروں اشیاء نو روپے (۹) میں روانہ کیجاویں گی۔

نوٹ نمبر ۲
جو صاحب فاؤنٹن پن اور چوڑیاں دونوں خریدنا نہ چاہیں ان کو بقیہ تینوں گھڑیاں آٹھ روپیہ (۸) میں روانہ کیجاویں گی ✣

ملنے کا پتہ ــ چیپ واچ ہاؤس اجمیری گیٹ دہلی

ولادت و ہجرت نبوی کی صحیح تاریخ

(ہیئت کے نقطۂ نظر سے)

اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ کی ولادت کس تاریخ کو ہوئی اور کس تاریخ کو آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، لیکن مصر کے ایک مشہور ہیئت داں محمود پاشا فلکی نے اس موضوع پر حد درجہ تحقیق کے ساتھ ایک رسالہ لکھ کر نہایت عالمانہ طریقہ پر ولادت و ہجرت کی صحیح تاریخیں متعین کر دی ہیں، جن میں اب ذرا بھی شبہ باقی نہیں رہتا۔

چونکہ ولادتِ نبوی کا مسئلہ نہایت اہم ہے اور خاصکر ان لوگوں کے لئے جو محفل میلاد منعقد کرتے ہیں، اس لئے ہم اس رسالہ کا اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ولادت نبوی کی صحیح تاریخ ۹۔ ربیع الاول ہے نہ کہ ۱۲۔ ربیع الاول۔

تاریخ ولادت

رسول اللہ کی تاریخ ولادت متعین کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام روایات نقل کر دی جائیں جو تاریخ ولادت کے متعلق مروی ہیں۔

صاحب سیرت حلبی لکھتے ہیں کہ قتادہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوشنبہ کے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا ہوں۔ ابن بکار اور حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت، طلوع فجر کے وقت ہوئی ہے چنانچہ اس پر عبدالمطلب کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ "آج صبح کے وقت میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا" (ولد لی اللیلۃ مع الصبح مولود)

سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ آنحضرت دوپہر کے وقت اس دنیا میں تشریف لائے، ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی اور موسم بہار کا تھا۔

اس روایت پر تقریباً لوگوں کا اجماع ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور سرور عالم، دسویں ربیع الاول کو جلوہ افروز ہوئے ہیں، حافظ دمیاطی اس روایت کی تصحیح کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ۱۷۔ ربیع الاول کو حضور پیدا ہوئے اور بعض ۸۔ ربیع الاول کو تاریخ ولادت قرار دیتے ہیں۔ ابن دحیہ کہتے ہیں کہ آٹھویں ربیع الاول کی روایت کے سوا کوئی روایت صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور اسی پر اہل تاریخ کا اجماع ہے۔

روایات مذکورہ بالا کی بناء پر آنحضرت کی ولادت فصل ربیع میں آٹھ، دس، بارہ یا سترہ ربیع الاول قرار پاتی ہے۔ اگرچہ ان اختلافات کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں، مگر چونکہ اختلافات مذکورہ کے راوی ثقہ ہیں اور قابل اعتبار طریق سے یہ روایتیں مروی ہیں اس لئے ہم صرف انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔

ارباب سیر کا بیان ہے کہ آپؐ حضرت حلیمہ کے پاس رہتے تھے اور انہیں کا دودھ پیتے تھے، جب آپ کی عمر دو برس کی ہوئی تو حضرت حلیمہؓ آپ کو آپؐ کی والدہ کے پاس مکہ لائیں اور اُن سے کہا کہ اب کی سال اس بچہ کو ہمارے پاس اور چھوڑ دو کیونکہ مجھے مکہ کی وبا سے خوف ہے کہ کہیں نقصان نہ پہونچائے حضرت حلیمہ کے اصرار سے جناب آمنہ نے اجازت دیدی اور وہ حضور کو اپنے قبیلہ میں واپس لے آئیں اور واپسی کے دو یا تین مہینہ بعد وہ واقعہ ہوا ہے جسکو عام طور سے شق صدر کہتے ہیں۔

سیرۃ حلبی میں اسی موقع پر لکھا ہے کہ مکہ سے واپس آنے کے بعد حضرت حلیمہ آپ کو کہیں دور جانے نہیں دیتی تھیں، ایکدن انہیں خیال نہیں تھا، آپ کہیں چلدئے، دوپہر کا وقت تھا جب حضرت حلیمہ آپ کی تلاش میں نکلیں تو دیکھا کہ آپ کی رضاعی بہن شیما گود میں کھلا رہی ہیں، یہ دیکھ کر حضرت حلیمہ نے کہا کہ "اس گرمی میں" (یعنی اس گرمی کے وقت تم یہاں کھیل رہی ہو؟

ان دونوں روائتوں کے جمع کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ جب حضرت حلیمہ آنحضرت کو جناب آمنہ کے پاس سے واپس لے گئیں، اس وقت حضور کی عمر دو سال کی تھی اور واقعہ شق صدر دو سال دو مہینہ یا تین مہینہ کی عمر میں ہوا اور جس وقت آپ کی بہن آپ کو دوپہر کے وقت باہر لے کر گئی تھیں اس وقت آپکی عمر دو سال سے کم اور دو سال تین مہینہ سے زیادہ نہ تھی۔

اب اگر اس وقت حضور کی عمر دو سال کی تھی اور وہ موسم گرمی کا تو ظاہر ہے کہ آپکی ولادت موسم گرما میں ہوئی، اور اگر دو سال تین مہینہ کی عمر تھی تو صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ موسم بہار میں پیدا ہوئے چونکہ عرب گرم ملک ہے اور اسمیں بہار ہی کی اواخر سے بلکہ بعض وقت وسط بہار کے موسم سے گرمی شروع ہوجاتی ہے اس لئے بہار کے موسم میں ولادت کا احتمال پہلی صورت میں بھی (یعنی جبکہ آپ کی عمر دو سال کی مانی جائے) زیادہ قوی ہوجاتا ہے۔

امام شمس الدین محمد بن سالم کتاب الجفر الکبیر میں لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول کے مہینہ میں ۲۰ نیساں سنہ عام الفیل کسریٰ نوشیرواں کے عہد میں ہوئی ہے، چونکہ نیساں کا مہینہ ہمیشہ اپریل کے مطابق رہتا ہے اس لئے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت موسم بہار میں ہوئی۔

مسعودی، مروج الذہب میں لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت واقعہ فیل سے پچاس روز بعد ہوئی ہے اور واقعہ فیل ۱۷ محرم ۸۸۲ سنہ سکندری بروز دوشنبہ واقع ہوا تھا اور اس وقت نوشیرواں کو حکومت کرتے ہوئے چالیس سال گذرے تھے اور آنحضرت کی ولادت اسی سال ۸ ربیع الاول کو مکہ میں ہوئی۔

روایت مسعودی کی بناء پر حساب لگانے اور عیسوی تاریخ سے مطابق کرنے سے آنحضرت کی ولادت ۵۷۱ء میں قرار پاتی ہے موسیو کوسان، اپنی کتاب تاریخ عرب کے حصہ دوم میں ۲۸۳ صفحہ پر تاریخ الخمیس کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ نوشیرواں نے ۴۸ سال ۸ مہینے حکومت کی ہے اور مورخین روم نے بھی تقریباً یہی لکھا ہے، فرق صرف ایک مہینہ کا ہے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ کسریٰ نوشیرواں، حضور کی ولادت کے بعد، سال ۸ مہینہ زندہ رہا۔ لہذا اس حساب سے نوشیرواں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت پورے چالیس سال حکومت کرچکا تھا، اور چونکہ یہ بادشاہ ۵۳۱ء میں تخت پر بیٹھا،

لہٰذا اس سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۱ء میں ثابت ہوتی ہے۔

جرجس معروف بہ ابن عمید نے مختصر التواریخ میں تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسریٰ کی وفات کے وقت ۸ سال کے تھے۔ چونکہ اس بادشاہ کی وفات ۵۷۹ء میں ہوئی ہے لہٰذا اس حساب سے بھی حضرت کی ولادت ۵۷۱ء میں ثابت ہوتی ہے۔

اڈیٹر رسالہ کرونولوجیا الریاضیہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۲۲ نیساں ۸۸۲ سکندری کو پیدا ہوئے ہیں۔ چونکہ نیساں (جو سریانی مہینہ کا نام ہے) اپریل کے مطابق ہے، لہٰذا اس سے بھی آنحضرت کی ولادت ۲۲ اپریل ۵۷۱ء میں ثابت ہوتی ہے۔

موسیو سیلوسٹر دوساسی لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۲۰ نیساں ۸۸۲ سکندری دوشنبہ کی رات کو ہوئی ہے اس بیان سے بھی ولادت ۲۰۔ اپریل ۵۷۱ء کو قرار پاتی ہے۔

مشرق کے علمائے ہیئت کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ولادت مشتری اور زحل کے قران کے بعد ہوئی ہے اور یہ قران برج عقرب میں ہوا تھا۔

موسیو تووارڈ کی زیچ پر حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپریل ۵۷۱ء کی پہلی تاریخ کو مشتری برج عقرب میں ۱۲ درجہ ۱۵ دقیقہ پر تھا اور زحل ۷ درجہ ۱۵ دقیقہ پر برج مذکور میں تھا اور اس وقت یہ دونوں سیارے حالت رجوع میں تھے، اس لئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قران ۲۹ یا ۳۰ مارچ کو واقع ہوا تھا۔ اس قران کو مشرق کے علمائے ہیئت قران الملۃ یا قران ملت اسلام کہتے ہیں اس کے متعلق بعض مشرقی علمائے ہیئت کے اقوال ملاحظہ ہوں:-

یحییٰ ابن ابی شکر مغربی، اپنی ایک تصنیف میں لکھتے ہیں کہ ولادت آنحضرت کی عام الفیل میں واقع ہوئی ہے اور یہ ۸۸۲ سکندری تھا اور اسی سال زحل اور مشتری کا قران برج عقرب میں ولادت سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے واقع ہوا تھا، اس حساب سے بھی ولادت ۳۰۔ مارچ ۵۷۱ء کے بعد ثابت ہوتی ہے۔

صاحب منتہی الادراک لکھتے ہیں: "اس قران کے پہلے سال میں ولادت ہوئی ہے" سابقہ بیان سے ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ قران ۲۹ یا ۳۰ مارچ ۵۷۱ء میں واقع ہوا تھا اس لئے اس حساب کی رو سے بھی ولادت ۵۷۱ء میں ثابت ہوتی ہے۔

صاحب کتاب الکامل اسرار النجوم میں اور شیخ احمد بن عبد الجلیل کتاب القرانات میں بھی اسی طرح لکھتے ہیں ان تمام شہادتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلعم کی ولادت باسعادت ۵۷۱ء میں ۲۹۔ مارچ کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہوئی ہے اور ۲۹ یا ۳۰ مارچ کا دن زحل اور مشتری کے قران کا ہے گا، جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

مسعودی اور مصنف مجمل التواریخ وغیرہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت کی ولادت نوشیرواں کے ۴۰ سنہ جلوس میں ہوئی تھی اور بعض مورخین مثل حمزہ اصفہانی وغیرہ کہتے ہیں کہ ولادت ۴۱ سنہ جلوس نوشیرواں میں ہوئی ہے، لیکن یہ دونوں روایتیں اسطرح

جمع ہوسکتی ہیں کہ ان مورخین نے یوم ولادت کو چونکہ معین نہیں کیا ہے۔ اس لئے جو لوگ ۵۷۰ء کے قائل ہیں، انہوں نے ولادت کو ۵۷۰ء کے آخری دنوں میں خیال کیا ہے اور جو ۵۷۱ء قرار دیتے ہیں وہ ۵۷۱ء کے اوائل میں خیال کرتے ہیں، لہذا ان دونوں روائتوں میں اگر فرق ہوگا تو ایک دو مہینہ سے زیادہ نہ ہوگا، پس اس صورت میں بھی ۵۷۱ء سال ولادت قرار پاتا ہے۔

ان تمام مختلف بیانات سے اس متحدہ نتیجہ پر ہم پہونچ سکتے ہیں کہ آفتاب رسالت کا طلوع فصل بہار ۵۷۱ء میں ہوا ہے اور چونکہ بعض اقوال سے اسکی تصریح ہوتی ہے کہ ولادت اپریل کے مہینہ میں واقع ہوئی ہے اور بعض روایات نہایت زور سے اس پر دلالت کرتی ہیں اس لئے ہم اپریل ۵۷۱ء کو ماہ ولادت قرار دیتے ہیں اور اس سے عربی تاریخ اور دن اس طرح معلوم کرتے ہیں:۔

آفتاب اور ماہتاب کا اجتماع حقیقی عرض مکہ کے اعتبار سے ۱۱ اپریل ۵۷۱ء کو ۹ بجکر ۴۱ منٹ پر ہوا ہے اور اسی روز شام کے وقت ہلال افق مشرق پر نظر آیا ہے، لہذا ربیع الاول کی پہلی تاریخ اتوار کے دن ۱۲ اپریل کو ہوئی ہے۔ اور قابل اعتبار روایتوں میں ۸، ۱۰ یا ۱۲ ربیع الاول کو یوم ولادت بتایا گیا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ولادت دوشنبہ کے دن ہوئی ہے۔ پھر چونکہ ۸، ۱۰ اور ۱۲ تاریخ کے درمیان دوشنبہ کا دن صرف ۹ ربیع الاول کو واقع ہوتا ہے اس لئے ہم ۹ تاریخ کو یوم ولادت قرار دیتے ہیں، اسی کو صحیح سمجھتے ہیں اور یقین سے کہتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول مطابق ۲۰۔ اپریل ۵۷۱ء کو پیدا ہوئے۔

ہجرت حافظ ناصر الدین، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ "جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے گئے تو وہاں کے یہودی روزہ سے تھے، دریافت سے معلوم ہوا کہ یہودی کہتے ہیں کہ آج کے دن خدا نے حضرت موسیٰ کو فرعون سے نجات دی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا، حضور نے فرمایا کہ یہودیوں کی بہ نسبت ہم اس روزہ کے زیادہ مستحق ہیں" یہ حدیث صحیح ہے اور اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

اسلامی اصطلاح کے بموجب عاشورہ، دسویں محرم کا ہوتا ہے، لیکن اس صورت میں یہ حدیث اس روایت سے متناقض ہوگی، جس میں تصریح ہے کہ ہجرت، ربیع الاول کے مہینہ میں واقع ہوئی تھی اور اس مضمون کی اور روائتیں بھی آئی ہیں اور وہ سب صحیح مانی گئی ہیں، لہذا اس کے لئے ہم کو چاہیئے کہ اس مسئلہ پر غور کریں کہ عاشورہ، دسویں محرم کے علاوہ عہد نبوت میں کسی دوسرے دن کو بھی کہتے تھے یا نہیں اور اس اشکال کے حل ہوجانے کے بعد تاریخ ہجرت کی تعیین آسان ہوجائے گی۔

صاحب سیرت حلبی کہتے ہیں کہ "اگر یہ کہا جائے کہ جس روز آنحضرت نے ان کو روزہ رکھے ہوئے دیکھا وہ عاشورہ کا دن تھا تو اس میں ایک زبردست اشکال پیش آتا ہے کیونکہ عاشورہ، محرم کے دسویں دن کو کہتے ہیں اس لئے وہ ربیع الاول میں کس طرح واقع ہوسکتا ہے" اس کے بعد خود صاحب سیرت اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہودیوں کے یہاں شمسی سال کا استعمال ہوتا تھا، قمری کا نہیں ہوتا تھا اس لئے وہ عاشورہ کا دن جس سے اتفاقاً غرق فرعون کا دن بھی مطابق ہوگیا تھا، ہمیشہ دسویں محرم کے ساتھ مطابق نہیں رہ سکتا، بلکہ یہ ایک محض اتفاق تھا کہ جب آنحضرت تشریف لے گئے تھے تو دونوں دن مطابق تھے اور اگر وہ حقیقت میں عاشورے کا دن ہوتا تو آپ کو سوال کرنے کی ضرورت نہ ہوتی"

بیان مذکور کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ طبرانی، معجم کبیر میں لکھتے ہیں کہ "عاشورہ وہ دن نہیں ہے جس میں کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا ہے اور حبشی آنحضرت کے سامنے کھیلتے تھے، بلکہ یہ دن تو سال بھر میں پھرا کرتا تھا لوگ اس کے متعلق فلاں یہودی سے پوچھ لیا کرتے تھے اور جب وہ مرگیا تو زید بن ثابت سے پوچھنے لگے۔

بیرونی، کتاب الآثار میں لکھتا ہے کہ "ایک قول یہ بھی ہے کہ لفظ عاشورہ، عبرانی ہے اور یہ یہود کے مہینہ تشری کا دسواں دن ہے اور اس کا روزہ صوم الکبور کہلاتا ہے، عربوں نے بھی اپنے مہینوں میں اس کا اعتبار کرلیا اور جس طرح عاشورہ یہودیوں کے پہلے مہینے یعنی تشری کے دسویں دن کا نام تھا، اسی طرح عرب اپنے پہلے مہینہ یعنی محرم کے دسویں دن کو عاشورہ کہنے لگے، مذکورہ بالا بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ تشری کو مدینہ میں داخل ہوئے۔ توراۃ کی رو سے اس دن کا روزہ رکھنا فرض ہے اور آج تک یہودی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں"۔

ہمارے خیال میں یہ نتیجہ بالکل صحیح ہے اور جو روایات میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن مدینہ میں داخل ہوئے یہ بھی بالکل درست ہے۔ اب ہم کو عیسوی تاریخ کی مطابقت کے لئے یہ دیکھنا چاہئے کہ ۱۰ تشری کو جو یہودی کے سال کا دسواں دن ہے کون سا دن تھا۔

اس میں شک نہیں کہ ہجرت ۶۲۲ء میں واقع ہوئی ہے، حساب کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دس تشری ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کے مطابق تھا۔ اور اس روز قمری مہینہ کی آٹھویں تاریخ تھی، کیونکہ شمس و قمر کا اجتماع ۱۱ ستمبر، شنبہ کے دن تھا اور ہلال کی تولید نصف اللیل کے بعد ہوئی تھی اس لئے خالی آنکھ سے ہلال اتوار کی شام کو نظر آیا ہوگا اور اس حساب سے ۱۳ ستمبر کو قمری مہینے کی پہلی تاریخ ہوتی ہے اور چونکہ ہجرت ۲۰ ستمبر کو واقع ہوئی ہے اس لئے اس دن چاند کی ۸ تاریخ تھی۔

ارباب سیر اور راویان احادیث کا اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس تاریخ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ بعض دوسری، بعض آٹھویں اور بعض بارھویں ربیع الاول بتاتے ہیں، ہمارے نزدیک صحیح تاریخ وہی ہوسکتی ہے جو دوشنبہ کے دن واقع ہو، چونکہ حساب کی رو سے دوسری اور بارھویں کو دوشنبہ واقع نہیں ہوتا، بلکہ آٹھویں ربیع الاول کو واقع ہوتا ہے، اس لئے یہی صحیح ہے۔

اس تمام تحقیق سے یہ نتیجہ نکل آتا ہے کہ ہجرت یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں داخلہ ۸ ربیع الاول مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء موافق ۱۰ تشری ۴۳۸۳ (پیدائش) کو واقع ہوئی ہے۔

حدیث مذکور جس میں یہ ذکر ہے کہ جب آنحضرت مدینہ میں داخل ہوئے تو یہودیوں کا روزہ تھا، بخاری اور مسلم میں مختلف طریقوں سے مروی ہے، جو اس حدیث کے صحیح ہونے کی نہایت روشن دلیل ہے، لیکن بعض روایات میں اضافہ بھی ہے جو بیان توریت کے خلاف ہے، اضافہ یہ ہے "حضور نے فرمایا کہ آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ آج کے دن خدا نے فرعون کو غرق کیا ہے اور موسیٰ کو نجات دی ہے" یہ اضافہ یہودیوں کی کتاب کے خلاف ہے، کتاب یہود میں لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بحر احمر کو ۲۱ نیسان کے دن عبور کیا تھا اور ۲۱ نیسان کا دن یہودیوں کی عید الضحیٰ کے سات دن بعد واقع ہوتا ہے، اس لئے یہ حدیث توریت کے موافق نہیں ہے،

لیکن اس سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے وہی روایت کیا ہے جو انہوں نے یہودیوں سے سنا تھا یا انہیں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ پس اضافہ بہ لحاظ روایت کے صحیح ہے اور حقیقت میں غلط ہے کیونکہ یہودیوں کی جہالت تھی کہ وہ اس روزہ کا سبب غرق فرعون اور نجات موسیٰ سمجھتے تھے۔ لہذا توریت کا بیان اور حدیث کی روایت دونوں صحیح ہیں، بخاری کی ایک روایت میں یہ اضافہ بالکل نہیں ہے، امام بخاری یہ روایت اس طرح کرتے ہیں:۔

عن ابی موسیٰ الاشعری قال دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینة و اذا ناس من الیہود یعظمون عاشوراء و یصومونہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحن احق بصومہ فامر بصومہ۔

ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تو (دیکھا کہ) یہودی لوگ عاشورہ کی عظمت کرتے ہیں اسکا روزہ رکھتے ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اس روزہ کے زیادہ مستحق ہیں پھر آپ نے اس روزہ کا حکم دیا۔

بعض لوگ چونکہ حقیقت سے واقف نہیں ہیں اور عاشورے کے معنے نہیں سمجھتے وہ خیال کرتے ہیں کہ ہجرت، دسویں محرم کو واقع ہوئی ہے اور دسویں محرم دس تشری کے مطابق تھا۔ بیرونی نے کتاب الآثار میں تصریح کر دی ہے کہ ۱۰ محرم اور ۱۰ تشری اس سال میں کسی طرح مطابق نہیں ہو سکتے، بیرونی کہتا ہے:۔

"یہ روایت کی گئی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کا روزہ رکھے ہوئے ہیں، آپ نے اسکے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ دن وہ ہے، جس روز خدا نے فرعون کو غرق کر دیا تھا اور موسیٰ کو نجات دی تھی، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم زیادہ مستحق ہیں اور آپ نے صحابہ کو عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا، جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ نے نہ اس کے متعلق حکم دیا اور نہ منع فرمایا" یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ سال ہجرت میں پہلی محرم، جمعہ کے دن واقع ہوئی تھی اور تموز (سنہ ۹۳۳ سکندری) کی ۱۶۔ تاریخ تھی، اور اس سال یہود کی سال کا پہلا دن یکشنبہ ۱۲۔ ایلول اور ۲۹ صفر کے مطابق تھا اس حساب سے عاشورہ (۱۰ تشری) کا روزہ ۹ ربیع الاول کو واقع ہوتا ہے۔ اور یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ربیع الاول کے نصف اول میں واقع ہوئی ہے اور دن دوشنبہ کا تھا کیونکہ جب آپ سے دوشنبہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ دن ہے جس روز میں پیدا ہوا، مبعوث ہوا، اور مجھ پر وحی نازل ہوئی اور میں نے ہجرت کی۔

اس میں اختلاف ہے کہ کون سے دوشنبہ کے دن ہجرت واقع ہوئی ہے، بعض کہتے ہیں ۲۔ ربیع الاول کی دوشنبہ کو واقع ہوئی اور بعض آٹھویں کے دوشنبہ کو اور بعض بارھویں ربیع الاول دوشنبہ کو بتاتے ہیں لیکن آٹھویں تاریخ پر زیادہ اتفاق ہے کیونکہ دوسری اور بارھویں کو دوشنبہ واقع نہیں ہوتا، اس لئے کہ پہلی ربیع الاول دوشنبہ کے دن تھی لہذا ہمارے اس بیان کی بناء پر مدینہ میں آنحضرت کا داخلہ عاشورۂ یہود سے ایک روز پہلے ہوتا ہے (کیونکہ ہم لکھ چکے ہیں کہ ہجرت میں یہودیوں کی سال کا پہلا دن اتوار کے روز تھا اس لئے اتوار کو ۸، پیر کو ۹۔ اور منگل کو دس ہوتی ہے)۔

اس تاریخ کی مطابقت سال ہجرت میں محرم کی دسویں سے نہیں ہو سکتی بلکہ (سال ہجرت سے چند سال پہلے) اور بیس برس سے

زیادہ عرصہ کے بعد مطابق ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ راویوں کا یہ کہنا کہ اس روز خدا نے فرعون کو غرق کیا تھا صحیح نہیں، کیونکہ توریت اس کے بالکل خلاف ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ مذکورہ ۱۲ نیساں کو واقع ہوا ہے اور وہ ایام فطیر کا ساتواں دن تھا اور فصح یہود کا پہلا دن آنحضرت کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سہ شنبہ ۲۲ آذر ۹۳۳ء سکندری کے مطابق تھا اور جس روز خدا نے فرعون کو غرق کیا وہ ۲۳ رمضان کا دن تھا، اس لئے روایت مذکورہ کی کوئی وجہ صحت نہیں ہو سکتی"۔

یہ سب کچھ بیرونی کا بیان تھا، بیرونی نے اس روایت سے تین مقدمے اخذ کئے ہیں (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں عاشورۂ یہود کے دن داخل ہوئے (۲) یہ دن مسلمانوں کے عاشورے کا دن بھی تھا (۳) اور اسی دن خدا نے فرعون کو غرق کیا۔

اس کے بعد بیرونی نے ان تینوں مقدموں کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، یعنی وہ یہ تسلیم نہیں کرتا کہ سال ہجرت میں دونوں عاشورے مطابق تھے، یعنی عاشورائے یہود سہ شنبہ کے دن تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن مدینہ میں داخل ہوئے اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ یہ دن غرق فرعون اور نجات موسیٰ کا تھا۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو بیرونی کے استدلال سے حدیث کی عدم صحت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ دونوں عاشوروں (عاشورائے یہود اور عاشورائے عرب) کا مطابق نہ ہونا حدیث کی عدم صحت پر دلالت نہیں کرتا اس لئے کہ حدیث میں مطابقت کا دعویٰ ہی نہیں کیا گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ عدم مطابقت سے ان لوگوں کے خیال کی تغلیط ہوتی ہے، جو سمجھتے ہیں کہ حدیث سے مطابقت مفہوم ہوتی ہے۔ اور بیرونی کا یہ قول کہ عاشورائے یہود سہ شنبہ کے دن تھا اور آنحضرت کا داخلہ دوشنبہ کے دن ہوا ہے یہ بھی غلط ہے کیونکہ صحیح حسابات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سال ہجرت میں یہودیوں کے سال کا پہلا دن ۱۱ ایلول (۱۱ ستمبر یا ۲۹ صفر) کو اتوار کے دن تھا۔ ۱۲ ایلول کو نہ تھا، جیسا کہ بیرونی کا خیال ہے۔ لہذا عاشوریٰ یا ۱۰ تشری، دوشنبہ آٹھ ربیع الاول کے مطابق ہے سہ شنبہ ۹ ربیع الاول کے مطابق نہیں ہے۔

اب رہا بیرونی کا یہ خیال کہ یوم ہجرت، یوم غرق فرعون کے مطابق نہ تھا، کیونکہ توریت میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے، اس سے بھی روایت کی تغلیط نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ روایت کی غلطی نہیں ہے بلکہ یہودیوں کا یہ خیال کہ اس دن خدا نے فرعون کو غرق کیا ہے بجنسہٖ روایت کر لیا گیا ہے اس لئے اگر غلط ہے تو ان کا خیال غلط ہے، نفس روایت غلط نہیں ہو سکتی۔

تحقیق مذکورۂ بالا کے علاوہ اور طریقوں سے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ مدینہ میں آنحضرت کا داخلہ ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء مطابق ۱۰ تشری کو تھا اور یہی یہودیوں کا عاشورا رتھا۔

(۱) مسعودی، مروج الذہب میں لکھتا ہے کہ تاریخ یزدجرد اور ہجرت کے درمیان ۳۶۲۴ دن کا فرق ہے اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت کا داخلہ مدینہ میں پہلی محرم کے ۶۷ دن بعد ہوا اس لحاظ سے تاریخ ہجرت اور تاریخ یزدجرد میں ۳۶۲۴ دن کا فرق ہے (۳۶۲۴-۶۷=۳۵۵۷) اور چونکہ تاریخ یزدجرد کی ابتدا ۱۶ جولائی ۶۳۲ء کو ہوتی ہے (یعنی آنحضرت کی وفات کے ۱۰۹ دن بعد)

اس لئے اس تاریخ سے ۶۷ دن پیچھے شمار کرنے سے یوم ہجرت نکل سکتا ہے اور وہ ۲۰ ستمبر سنہ ۶۲۲ء دوشنبہ کا دن ہے، اور یہی داخلہ مدینہ کا دن ہے۔ اور یہودی تاریخ کے حساب سے ۱۰ تشری کے مطابق ہے۔

(۲) کتب خانہ پیرس کی ایک پرانی کتاب کے قلمی نسخہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت کی ولادت سے پہلے جو مشتری اور زحل کا قران ہوا تھا اس سال کے اعتدال ربیعی اور آنحضرت کے سال ہجرت کے پہلے دن کے درمیان ۵۱ سال چار مہینہ اور سولہ گھنٹے (فارسی سال کے حساب سے) کا فرق تھا۔

حساب کی رو سے ثابت ہے کہ ولادت باسعادت سے پہلے ۲۹ یا ۳۰ مارچ کو قران مذکور واقع ہوا تھا اور آفتاب نقطۂ اعتدال پر ۱۹ مارچ سنہ ۵۷۱ء کو رات کے تین بجکر ۱۱ منٹ پر ہوا تھا لہذا سال ہجرت کے محرم کی پہلی تاریخ، ۱۹ مارچ سنہ ۵۷۱ء کو ۳ بجکر ۱۱ منٹ پر شروع ہوئی ہوگی اور ان دونوں کے درمیان (فارسی سنہ کے حساب سے) ۵۱ سال چار مہینے آٹھ دن اور سولہ گھنٹے کا فرق ہونا چاہئے اور چونکہ فارسی سال ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے، اس لئے اِس مدت کے اگر ہم دن بنائیں گے تو ۱۸۷۴۴ دن ۱۶ گھنٹے ہوں گے اور چونکہ ہجرت، محرم سے ایک مہینہ آٹھ روز بعد ہوئی ہے اس لئے درمیان ہجرت اور درمیان اعتدال ربیعی کے (۱۸۷۴۴+۶۷=۱۸۸۱۱) دن گذرے ہوں گے اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اعتدالِ ربیعی ۱۹ مارچ سنہ ۵۷۱ء کو واقع ہوا تھا اس لئے اس حساب سے بھی تاریخ ہجرت ۲۰ ستمبر سنہ ۶۲۲ء نکلتی ہے اور یہی ۱۰ تشری کے مطابق ہے جو یہودیوں کے صوم الکبور کا دن ہے۔

غزل

ایسے کہاں نصیب کہ ہوں ہمکنارِ دوست — قایم رہے کہیں، خلشِ انتظارِ دوست
کچھ کچھ ہمارے دل کو سکوں ہو چلا تھا پھر — یہ تو نے کیا کیا نگہِ بے قرارِ دوست
سب شکوے، دھل کے مٹ گئے، بس اک جواب میں — اُف رے فریبِ وعدۂ نا استوارِ دوست
غربت کے دن بھی کٹ ہی گئے، خیر شکر ہے — اچھا مرا سلام لے، یادِ دیارِ دوست
یاں ہر خلش، جنوں کدۂ اضطرارِ دل — واں، ہر نگہ کرشمۂ بے اختیارِ دوست
اے وائے صد ہزار تمنائے مضطرب — خلوت میں بھی وہی ہے فریبِ وقارِ دوست

گو تم نے لاکھ کام لیا ضبط سے نیاز
پہچان ہی گئی نگہِ ہوشیارِ دوست

نیاز

ستی

(فسانہ)

ارجن سنگھ کا تعلق اک نہایت قدیم راجپوت خاندان سے تھا اور غدر سے پہلے اُن کی ریاست بندیلکھنڈ میں اک خاص امتیاز رکھتی تھی۔ جب ۱۸۵۷ء میں بدامنی پھیلی تو ارجن سنگھ کے باپ دلاور سنگھ نے بھی اس میں کافی حصہ لیا اور ایک ہزار راجپوتوں کی جماعت سے جو دلاور سنگھ کے نام پر ہر وقت جان دیدینے کے لئے آمادہ رہتی تھی، انہوں نے اپنی حدود ریاست کو بہت زیادہ وسیع کرلیا۔

ایک سال کے بعد جب ہندوستان کے تمام عناصر اپنی اپنی اصلی حالت پر آگئے اور حکومت نے اپنے دوست ودشمن کی فہرست مرتب کرنی شروع کی تو دلاور سنگھ کا نام بھی مخالفین میں لکھا گیا اور اُن کی قدیم ریاست کے حدود بھی تنگ کرکے صرف ۲۰۰ گاؤں اُن کے لئے چھوڑ دئے گئے۔ دلاور سنگھ کے لئے یہ صدمہ نہایت غیر معمولی صدمہ تھا، جس سے وہ جانبر نہ ہوسکے اور اس کے دوسرے ہی سال ارجن سنگھ اُن کا بیٹا ریاست رام نگر کا مالک ہوگیا

ہر چند ریاست رام نگر کے حدود بہت تنگ ہوگئے تھے اور اس لحاظ سے اس کے محاصل بھی کم ہوگئے تھے، لیکن پھر بھی صدیوں کی بنی ہوئی ریاست تھی اور اس کے بگڑنے کے لئے بھی اک زمانہ درکار تھا، جب جوان ارجن سنگھ ایک سال بعد گدی پر بیٹھا تو ساری ریاست میں گویا ازسرنو جان پڑگئی اور رام نگر کی گڈھی نے جشن ومسرت کے لئے تمام وہ طلائی اور نقرئی سامان نکال کر باہر رکھدیا، جو پشتوں سے اس حکمراں خاندان کی یادگار چلا آتا تھا۔

گڈھی کے بلند دروازہ پر موسیقی، شہنائیوں کی نرم وشیریں آواز کے ذریعہ سے اپنی مبارکباد پیش کررہی تھی، دروازہ کے سامنے کی سڑک پر دورویہ سواروں کی صفیں جن کے گھوڑے اپنے زرّیں ساز ویراق کو دیکھ دیکھ کر مسرت سے لبریز اور بیقرار نظر آتے تھے؛ جمی ہوئی تھیں، سواروں کے بانکے صافے، چست پاجامے، پھبی ہوئی چکن، پہلو میں لگی ہوئی آبدار کٹاریں۔ گلے میں حمائل کی ہوئی تلواریں، بل کھائی ہوئی مونچھیں، کانوں سے بندھی ہوئی داڑھیاں، اور پھر ان کے وہ کڑے تیور جو اک راجپوت سے کبھی جدا نہیں ہوتے عجیب سماں پیش کررہے تھے۔

سواروں سے ذرا پیچھے ہٹ کر ہاتھیوں کی صفیں تھیں، جن کے مرصع جھول، زرکار ہودے، صبح کی روشنی میں جگمگارہے تھے سنگوٹیاں چڑھے ہوئے دانت، رنگین کی ہوئی مستکیں، جن پر حسبِ عادت سرخ وردیاں پہنے ہوئے اپنے آنکس چمکارہے تھے، ماہی مراتب کا جلوس، اس کا طلائی ونقرئی سامان بینڈ والوں کا دستہ، گڈھی کے اندر دروازوں کے سامنے سرداروں کا ہجوم، چوبداروں کی قطار، جوان جوان مہریوں کی آمد ورفت بھاٹوں کی رجز خوانی، غرض اس سے عبارت تھا وہ جشن جس نے ارجن سنگھ کی تقریب تخت نشینی پر ساری ریاست کو پُر رونق بنا رکھا تھا۔

محل کے اندر سنگ مرمر کے ایک چبوترہ پر نہایت قیمتی کارچوب کی مسند بچھی ہوئی ہے، سبز مخمل کا تکیہ جو زرّیں کام سے بالکل لپا

ہوا ہے قرینہ سے کنارے رکھا ہوا ہے اور راجپوت خاندان کی دو نوجوان لڑکیاں ہاتھوں میں جنور لئے کھڑی ہیں، چبوترے کے دونوں طرف رنواس کی عورتیں، طلائی اور نقرئی پیالیوں میں صندل، سیندور، پسی ہوئی ہلدی، چاول وغیرہ لئے کھڑی ہیں تاکہ مہاراجہ کی پیشانی پر تلک لگا کر گدی نشینی کی رسم کو پورا کریں۔

ارجن سنگھ کی شادی ریاست رام نگر کے ایک معزز راجپوت سردار کی لڑکی سے ہو چکی تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ ارجن سنگھ جن خوبیوں کا رئیس تھا، انہیں صفات کی رانی بھی اسے ملی تھی اور یہی سبب تھا کہ اگر گڈھی کے باہر جشن و مسرت کا ہنگامہ بپا تھا، تو گڈھی کے اندر بھی رانی سندر پتی کی داد و دہش عالی حوصلگی، فیاضی اور خوش اخلاقی نے دھوم مچا رکھی تھی۔

ارجن سنگھ ابھی حمام ہی میں تھا کہ گڈھی کے دروازے پر ایک سوار دوڑا ہوا آیا اور اس نے اطلاع دی کہ راجہ رتن بیر سنگھ کی سواری، جسے جشن میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی، قریب آ گئی ہے، اس کی خبر پہونچتے ہی اندر سے لیکر باہر تک اک ہنگامہ برپا ہو گیا، ایک ہلچل مچ گئی، بینڈ شروع ہو گیا، نفیریاں چیخنے لگیں، شہنائیاں زور زور سے بجنے لگیں، نوبت، نقارے، دھونسے بجنے لگے، مہریاں جلدی جلدی اندر سے باہر باہر سے اندر آنے جانے لگیں، نقیب آوازیں لگا رہے تھے، چوبدار اپنے عصا چمکا رہے تھے، بھاٹ کبت پڑھ رہے تھے کہ راجہ رتن بیر سنگھ، فوج کی سلامی لیتے ہوئے، سرداروں کے استقبال میں اپنے گھوڑے پر سوار پھاٹک پر پہونچ گئے اور محافے، پالکیاں، فینسیں، دروازہ پر لگ گئیں، جن سے سبل گڈھ کی رانیاں اور لڑکیاں اتر اتر کر قلعہ میں داخل ہو گئیں۔

(۲)

دلاور سنگھ نے اپنے بعد تین اولادیں چھوڑیں تھیں۔ ان میں سب سے بڑا بیٹا ارجن سنگھ (ولی عہد) تھا دوسرا رنجور سنگھ جس کی عمر بیس سال کی تھی اور ایک بیٹی شیام کنور جو رنجور سنگھ سے دو سال چھوٹی تھی۔

اگر ارجن سنگھ سے اس کی رعایا کو صرف محبت تھی تو وہ رنجور سنگھ کی پوجا کرتی تھی، کیونکہ ارجن سنگھ نے تمام انتظام اسی کے سپرد کر دیا تھا اور یہ اپنے بھائی کی حد درجہ عظمت کرتے ہوئے اپنا تمام وقت رعایا کی دلدہی میں صرف کیا کرتا تھا۔ اسی طرح محل کے اندر کا انتظام رانی سندر پتی نے اپنی نند شیام کنور کے سپرد کر دیا تھا، جو بے انتہا ہوشیار منتظم اور ہنس مکھ لڑکی تھی۔

ریاست سبل گڈھ اور ریاست رام نگر میں بہت ارتباط تھا اور بارہا ایسا ہوا کہ دونوں ریاستوں نے متفقہ طور پر دشمن کا مقابلہ کیا اور بڑی سے بڑی فوج کا منھ پھیر دیا راجہ رتن بیر سنگھ یوں تو بہت سی کنبہ کی لڑکیاں رکھتا لیکن اولاد کی طرف سے بدقسمت تھا، دس سات لڑکوں، چار لڑکیوں میں صرف ایک لڑکی سوشلا زندہ رہی جس کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کی تھی اور جو اپنی فہم و تیز، صورت شکل کے لحاظ سے بندیلکھنڈ کے تمام راجپوت خاندانوں میں وہی حکم رکھتی تھی، جیسے کسی چمن میں گلاب کا وہ پھول جو سب سے اونچی ٹہنی پر کھلا ہوا سب سے پہلے اپنی ہی طرف لوگوں کی نگاہوں کو کھینچ لیتا ہے۔ چونکہ ان دونوں خاندانوں میں اک زمانہ سے اتحاد قایم تھا اور عورتوں کی آمد رفت جاری رہتی تھی اس لئے سوشلا اور شیام کنور میں بے انتہا ارتباط

بڑھ گیا تھا اور مہینہ میں آٹھ دس روز کے لئے ان دنوں کا یکجا ہونا ضروری تھا۔ سبل گڑھ اور رام نگر میں صرف پندرہ کوس کا فصل تھا۔

(۳)

بسنت کا موسم ابھی ختم نہیں ہوا ہے، دلوں کی امنگیں بدستور باقی ہیں، بہار کی دیوی نے ہنوز اپنا سبز لباس نہیں اتارا ہے، کھیتوں کی رونق، باغوں کی شگفتگی ابھی تک قایم ہے۔ جشن کی دوسری رات کو گلبازی کی رسم رام نگر کے قلعہ میں ادا ہونے والی ہے، پھولوں کا انبار لگا ہوا ہے، محل کے اندر کوٹھوں پہ چاندنی میں لڑکیوں اور عورتوں کا ہجوم مصروفِ نشاط ہے، نیچے شیام کنور اور سوشلا دونوں انتظام میں مصروف ہیں، فرش، چاندنیاں، قالین، تکیہ، مشعلیں، شمعیں، عطردان، گلاب پاش، بخوردان، تھالیاں، چنگیریں، گلوریاں، عبیر و گلال باہر اندر بھیج رہی ہیں، مہریاں آجا رہی ہیں، بچے کھیل رہے ہیں، نوجوان لڑکیاں آپس میں ایک دوسرے کو چھیڑ رہی، ہاتھوں میں پچکاریاں لئے ایک دوسرے پر ڈال رہی ہیں۔ اور دوڑ دھوپ سے نازک رخساروں اور پیشانیوں پر جو قطرے پسینہ کے پیدا ہو جاتے ہیں تو انہیں ایک طرف گردن جھکا کر نازک انگلی کے خم سے زمین پر گراتی جا رہی ہیں اور کوئی ان موتیوں کو چننے والا موجود نہیں ہے۔

الغرض اسی طرح اندر باہر ہلچل مچی ہوئی تھی، اک شور و ہنگامہ برپا تھا کہ رنجور سنگھ باہر کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد پشتِ محل کا چور دروازہ کھول کر جلدی کے خیال سے اندر داخل ہوا تا کہ اپنی بہن شیام کنور سے صبح کے اہتمام کے متعلق مشورہ کرے، وہ سمجھتا تھا کہ نیچے پردہ ہوگا اور سبل گڑھ کی رنواس اوپر ہوگی، عجلت میں اطلاع کرانا بھول گیا، سوشلا تھک کر اندر دالان میں تخت پر لیٹ گئی تھی اور ایک طرف کروٹ لیکر آنکھیں بند کئے ہوئے اپنے دکھے ہوئے اعضا اور تھکے ہوئے دماغ کو سکون پہونچا رہی تھی کہ شیام کنور نے باہر کے دالان سے آواز دی "واہ سوشلا، ابھی سے تھک گئیں، ذرا باہر تو آؤ، دیکھو یہ پوجا کی تھال ٹھیک ہو گئی یا نہیں"۔

سوشلا جسے شیام کنور سے بڑی محبت تھی، اٹھی اور عین اسی وقت جبکہ وہ کھڑی ہو کر باہر جانے کے لئے اک آخری انگڑائی لے رہی تھی پہلو کے دروازہ سے رنجور سنگھ نکلا اور دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے کے مقابل ہو گئیں۔

بجلی نگاہوں کے سامنے کوندتی ہے، لیکن اس طرح نہیں، برقی رو نہایت تیزی سے دوڑ جاتی ہے، لیکن اتنی سرعت کے ساتھ نہیں، دو نگاہوں کا ملنا جسموں میں سنسنی پیدا کر دیتا ہے، لیکن اس شدت کے ساتھ نہیں، رنجور سنگھ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور اک بت کی طرح وہیں دروازہ کے چوکھٹے میں جہاں سے وہ نکل رہا تھا قایم ہو گیا۔ سوشلا بدحواس ہو کر باہر نکل گئی اور فرش پر اس طرح گھبرا کر گر پڑی جیسے کوئی ہرنی شکاری کے تعاقب سے نجات پا جانے کے بعد بھی دیر تک اپنی سانس کو درست نہیں کر سکتی۔

شیام کنور یہ دیکھ کر پریشان ہو گئی اور فوراً ہی دالان میں دوڑی ہوئی گئی کہ سوشلا کے اس طرح بھاگنے کا سبب معلوم کرے، لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ شیام کنور کو اس وقت نہ زیادہ غور کرنے کی فرصت تھی نہ اصرار کی۔ اپنے کام میں لگ گئی اور سوشلا سے یہ

کہہ کر "تم بہت تھک گئی ہو ذرا آرام کرو"، باہر کسی اور کام سے چلی گئی۔

(۴)

رام نگر میں یہ جشن مسلسل سات دن تک قایم رہا اور ایک کو دوسرے کی خبر نہ ہوئی کہ کس لطف میں اس کی یہ زندگی بسر ہوئی، گویا ہر شخص فردوس میں تھا اور اس لئے رنجور سنگھ کے دل میں، سوشلا کے سانولے رنگ نے جسطرح آہستہ آہستہ آگ مشتعل کرنا شروع کی اس کا پتہ کسی کو نہ چلا، یہاں تک کہ شیام کنور بھی کوئی تغیر اپنے بھائی میں محسوس کر سکی۔

آٹھویں دن جب راجہ رن بیر سنگھ رخصت ہونے لگا اور رنجور سنگھ کو یقین ہو گیا کہ اب اسکے دل کی ملکہ اسکی روح کی دیوی، جس کی خاموش پرستش وہ اتنے دنوں سے کر رہا تھا زیادہ قیام نہیں کر سکتی تو اس کا دل تڑپ کر رہ گیا اور باوجود اسکے کہ وہ حد سے زیادہ ضابط و متین نوجوان تھا بے اختیار ہو کر اپنے بھائی کے پاس گیا اور پوچھا کہ "سبل گڈھ کی رنواس لیکر کون جائیگا؟"

راجہ ارجن سنگھ نے کہا "شمشیر سنگھ حوالدار"۔

رنجور سنگھ:۔ "کیا آپ نے اسپر غور کر لیا ہے کہ اس صورت میں جب کہ منگل گڈھ ٹھاکر نے سبل گڈھ کی دشمنی پر پوری طرح کمر باندھلی ہے شمشیر سنگھ کی سپردگی میں سب کو روانہ کرنا مناسب ہے؟"

ارجن سنگھ:۔ "ہاں یہ صحیح ہے لیکن رن بیر سنگھ بھی تو موم کا بنا ہوا نہیں ہے اور پھر وہ سبل گڈھ سے یہاں آیا کہ نہیں"

رنجور سنگھ:۔ "ممکن ہے کہ دشمن نے اسوقت مناسب نہ سمجھا ہو۔ اور پھر یہ تو میزبان کا فرض ہے کہ وہ مہمان کو حفاظت کے ساتھ اس کے گھر تک پہونچا دے۔ اگر خدانخواستہ راستہ میں مقابلہ ہو گیا تو رن بیر سنگھ کے پچاس سپاہی اور شمشیر سنگھ حوالدار کیا کرے گا، میری رائے میں تو کوئی اور انتظام کرنا چاہیے"۔

ارجن سنگھ:۔ "رنجور، تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو، میں نے سارا انتظام تو تمہارے سپرد کیا ہے اور تم اس معاملہ میں مجھ سے اصرار کر رہے ہو۔ میں نے تمہارے کس انتظام میں دخل دیا ہے کہ اس معمولی سی بات میں مخالفت کرونگا، تم جو چاہو کرو، جس کو چاہو روانہ کرو"۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ شیام کنور آئی، اور اس ناز کے ساتھ جو ایک چھوٹی بہن کو اپنے بڑے بھائی پر ہوتا ہے ارجن سنگھ سے بولی کہ "تم لوگوں کو مہمان داری کرنی خوب آتی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ رنواس کے ساتھ شمشیر سنگھ جا رہا ہے، رنجور، کیا تمہاری عقل بھی بالکل ماری گئی۔ یوں چاہے کوئی کچھ نہ کہے، لیکن یہ تو سمجھو کہ سوشلا کے باپ اپنے جی میں کیا کہیں گے کہ بلا کر ہماری بڑی قدر کی۔ رنجور، اٹھو اور تم خود سبل گڈھ تک سب کو پہونچا کے آؤ"۔

رنجور نے اپنے بڑے بھائی کے جھک کر پاؤں چھوئے اور باہر چلا گیا۔

(۵)

رن بیر سنگھ:۔ "کنور رنجور سنگھ کل صبح جانے کی اجازت چاہتے ہیں"۔

سوشلا :- "مہاراج، ابھی نہ جانے دیجئے، کم از کم تین دن اور ٹھیرائیے نہیں تو شیام کنور مجھے طعنہ دے گی کہ بھائی کو دو دن بھی نہ ٹھیرا یا گیا"

رن بیر سنگھ :- "میں نے تو اس سے کہا تھا، لیکن وہ نہیں مانتا کچھ گھبرایا ہوا سا ہے، تمہیں کو شاید مان جائے"

رن بیر سنگھ بغیر اس کے کہ وہ سوشلا کا جواب سنتا محل سے باہر چلا گیا اور چوبدار کو حکم دیا کہ کنور رنجور سنگھ کو محل میں بھیجدے کہ سوشلا رانی (سوشلا عام طور سے اسی لقب کے ساتھ یاد کی جاتی تھی) یاد کر رہی ہیں۔

برسات کا پہلا چھینٹا، سوکھے ہوئے درخت کے لئے، ایک چشمۂ جاری دن بھر کے تھکے ہوئے پیاسے ہرن کے لئے، نوید بہار بلبل کے لئے، آم کا پھول کوئل کے لئے اس قدر باعثِ تازگی و مسرت نہیں ہو سکتا، جس قدر ایک محبوب کا پیام کسی ایسے عاشق کے لئے جو غریب کوئی تمنا بھی پیدا نہیں کر سکتا، لیکن رنجور سنگھ یہ پیام سن کر سکتہ میں آ گیا، چوبدار کی صورت تکنے لگا۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کے بدن پر ایسا رعشہ طاری ہو گیا جیسے بید کی شاخ کو کوئی ہوا کا جھونکا کپکپا کے چلا جائے۔

وہ متحیر تھا کہ اس پیغام کی صداقت کو کیونکر تسلیم کرے، وہ کس طرح یقین کرے کہ سوشلا نے اسے بلایا ہے اور اگر بلایا ہے تو کیوں؟

تیل گڈھ کی گڈھی کے سب سے بالائی حصہ میں دالان کے دروازہ پر زر بفت کے پردے پڑے ہوئے ہیں سامنے رنجور سنگھ ایک صندلی چوکی پر اس طرح بیٹھا ہوا ہے، جیسے کسی مجرم کو سزا کا حکم سنایا جانے والا ہو۔ اس کو آئے ہوئے پانچ منٹ سے زیادہ نہ ہوئے ہوں گے کہ اس نے سینکڑوں دنیائیں بنا بنا کر بگاڑ ڈالیں، اس نے خدا جانے کیسے کیسے عالیشان قصر تعمیر کر کر کے ڈھا دئیے اور کسے خبر ہے کہ کتنی آرزوؤں کا حشر اس کے سینہ میں بپا ہو ہو کر رہ گیا۔ وہ بائیں ہاتھ پر اپنے مضمحل اور سوگوار سر کو رکھے ہوئے تلوار کے قبضہ کو جو اس کے سامنے رکھی ہوئی تھی، انہماک کے ساتھ دیکھ رہا تھا کہ پردہ کو جنبش ہوئی اور پردہ کو کیا جنبش ہوئی اس کی روح کو جنبش ہوئی، یہ کپکپانے لگا، ہاتھ پاؤں کانپنے لگے، آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا گئی اور وہی منظر سامنے آ گیا، جب رام نگر میں اس نے اول اول سوشلا کو دیکھا تھا۔

سوشلا :- "کنور صاحب، آپ کیا ہم لوگوں سے خفا ہیں"؟

اسوقت تک رنجور سنگھ سوچ رہا تھا کہ جب اس سے کوئی سوال کیا جائے گا تو وہ حد درجہ نرمی اور تہذیب کے ساتھ جواب دے گا لیکن جب وہ وقت آیا، جب اس کے صبر و ضبط کے امتحان کی ساعت آئی تو وہ سخت ناکامیاب ثابت ہوا اور نہایت ہی اضطراب کے ساتھ چونک کر صرف یہ جواب دے سکا کہ "نہیں تو کون کہتا ہے"؟

رنجور سنگھ کی حالت اس وقت اس قدر عجیب و غریب تھی کہ سوشلا جو پردہ کی اوٹ سے اس کو دیکھ رہی تھی، ضبط نہ کر سکی اور بے اختیار ہنس پڑی۔ وہ اول ہی دن سمجھ گئی تھی کہ رنجور سنگھ کا دل پوری طرح مجروح ہو چکا ہے لیکن اسوقت وہ یقین کی اس حد تک پہونچ گئی تھی، جب تیر چلانے والے کو بھی اپنے شکار پر رحم آ جاتا ہے اور اس کی تڑپ سے لذت کے بجائے اسے آزار پہونچنے لگتا ہے۔

رنجور سنگھ نے بھی ہنسی کی اس آواز کو، آبشار کے اس ہلکے سے ترنم کو، بلبل کی اس لحنِ دلنواز کو اور موجِ کوثر و تسنیم کی اس نازک صدا کو سنا اور ایسا محسوس کرنے لگا کہ اب اسکا سینہ جذبات کی فراوانی سے پھٹا جا رہا ہے، گریۂ بے اختیار اُمنڈ اُمنڈ کر اس کی آنکھوں میں آرہا ہے اور وہ سوشلا کے قدموں پر گر کے پھوٹ پھوٹ کر رو دینا چاہتا ہے، لیکن اسنے ضبط کیا۔ وہ ضبط جو سینے سے دھواں بلند کر دیتا ہے جو آنکھوں سے خون ٹپکا دیتا ہے اور جو قلب کو تنگ کر کے کلیجہ کو منھ تک لے آتا ہے۔

رنجور سنگھ کا سر چکرایا، تلوار اسکی آغوش سے نیچے گر گئی، صندلی میں جنبش پیدا ہوئی اور رام نگر کا وہ نوجوان جسنے اسوقت تک تلوار کی چھاؤں میں پرورش پائی تھی، اک لڑکی کے سامنے اسطرح غش کھا کر گر پڑا جیسے اندھڑ کے خشک درخت کو ہوا کا جھونکا زمین پر گرا جاتا ہے۔

چاہئے تھا کہ سوشلا اس منظر کو دیکھ کر گھبرا جاتی، چیخ مار کر بھاگ جاتی، لیکن وہ جانتی تھی کہ اس کی یہ تدبیر نہیں ہے، وہ سمجھتی تھی کہ جس نے آگ لگائی ہے اسی کو بجھانا بھی پڑے گا، اس لئے محبت کی وہ چنگاری جو اس کے دل میں بھی اس وقت تک سلگ رہی تھی دفعتہً بھڑک اٹھی، اور تمام وہ مدارج جو اک حسن کو اپنے نقاب پوش ہونے کی حالت سے لے کر بندِ حجاب وا کر دینے تک عشق کی پذیرائی میں طے کرنے پڑتے ہیں، سوشلا نے آنِ واحد میں طے کر لئے اور بے اختیار پردہ سے باہر آکر بے ہوش رنجور کا سر اپنے زانو پر رکھ کر اپنے آنچل سے اس کو ہوا دینے لگی۔

سوشلا ہر چند اک ناتجربہ کار لڑکی تھی، لیکن اس کے پہلو میں ایک راجپوت دل تھا اور دماغ میں عزم و ارادہ کی قوت اس لئے جب تک اس نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا، وہ پس و پیش کرتی تھی کہ رنجور سنگھ کے دل کے ساتھ کیا معاملہ کرے، لیکن جب اس نے ایک بار طے کر لیا کہ وہ صرف رنجور ہی کی ہو کر رہ سکتی ہے، جب اس کی روح ایک بار اس خیال کے سامنے دو زانو ہو گئی جب وہ اپنے اندر جذباتِ پرستش محسوس کرنے لگی جو صرف ایک ہندو عورت ہی کے اندر پائے جا سکتے ہیں، تو اس نے اپنی دنیا کو تنگ کرنا شروع کیا، دنیاوی مصالح کو نظر انداز کرنے لگی، ننگ و ناموس کے مفہوم کو وہ صرف روحانی نقطۂ نظر سے دیکھنے لگی اور آخر کار اس نے فیصلہ کر لیا کہ میری دنیا صرف رنجور کی محبت ہے اور میری مصلحت وہی ہونا چاہئے جو اس کی دلدہی اور پرستش سے وابستہ ہے۔

اس وقت تک کہ رنجور سے اس نے سوال کیا تھا وہ شریر تھی، رنجور کی بے قراری و بدحواسی سے لطف اٹھانے کا عزم رکھتی تھی لیکن جب رنجور نے اپنی بیہوشی سے، جو ایک عاشق کا نہایت ہی خاموش مگر کار گر حربہ ہے، جو مقاومتِ حسن کے لئے محبت کا تنہا ذریعہ کامیابی ہے، سوشلا کے سامنے اپنی زندگی کا ایک نیا ورق الٹ کر پیش کیا اور اس نے محبت کی اس دلگداز داستان کو اپنی آنکھوں سے سن لیا، تو اس نے سمجھ لیا کہ ہم دونوں کی روحوں کو باہم فطرت نے ملا دیا ہے اور مجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے جسم کو اس سے چھپاؤں جسکے سامنے میری روح عریاں ہے اور اس کا جسم چھونے سے گریز کروں، جس کی روح میرے قلب کی تمام گہرائیوں میں، میرے جسم کے تمام عروق میں خون کے ساتھ ملی ہوئی دوڑ رہی ہے۔

سوشلا اب اس کے اوپر جھکی ہوئی اسی محبت سے دیکھ رہی ہے، جس طرح وہ اپنے شوہر کو دیکھ سکتی تھی اور اس کی پیشانی کا پسینہ اس طرح احتیاط سے اپنے رومال میں جمع کر رہی ہے، جیسے کوئی بکھر جانے والے موتیوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر یکجا کرتا ہے

(۶)

رنجور کو سبل گڈھ سے گئے ہوئے کئی ہفتہ گذر گئے ہیں اور اس آخری ملاقات کے بعد جسے محبت کی اولین کامیابی کہنا چاہئے باہم تبادلہ خیالات کا موقع نہیں ملا۔ پھر چونکہ جذبات مستور حقیقتاً وہ چنگاریاں ہیں جو غیر محسوس طور پر سینہ کے اندر جمع ہوتی رہتی ہیں اس لئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ رنجور و سوشلا دونوں اپنی اپنی جگہ آتش محبت کے شدید ترین التہاب کی پرورش کر رہے تھے اور اس سے بے خبر تھے کہ اسکا انجام کیا ہونا ہے۔

سبل گڈھ میں ہولی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ سرمائی لباس تہ کر کے رکھدیا گیا ہے نازک جسموں پر ہلکی ہلکی ساریوں سے ہوا کو بھی چھیڑ چھاڑ کا موقع ملگیا ہے، خون رقیق ہو کر رگوں میں دوڑ رہا ہے اور فطرت حسین رخساروں پر عبیر و گلال ملکر اپنی ہولی کھیل چکی ہے
چونکہ گذشتہ بسنت کے دربار میں رن بیر سنگھ کو ارجن سنگھ نے دعوت دی تھی اسلئے ہولی کے موقع پر رام نگر کے تمام میزبان سبل گڈھ کے مہمان بننے والے تھے اور ان کی پذیرائی کی طیاریاں ہو رہی تھیں، یوں تو تمام تقریبات میں سوشلا ہی انتظام کرتی تھی اور اسکا سلیقہ ایسی محفلوں کو کامیاب بنایا کرتا تھا۔ لیکن اس مرتبہ اس کا انہماک اک خاص رنگ لئے ہوئے تھا، یعنی کہنے کو تو وہ سارے رام نگر کا انتظام کر رہی تھی لیکن اس کے پیش نظر صرف ایک ہستی تھی ایک وجود تھا جو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی تصویر کو اس کی نگاہوں سے جدا نہ کرتا تھا۔

راجہ ارجن سنگھ کے کمرہ میں وہ سارا اسباب آرائش فراہم کر رہی تھی اور سوچتی جاتی تھی کہ وہ رنجور کا بھائی ہے، شیام کنور کی قیامگاہ میں سارا سامان راحت بہم پہنچا رہی تھی اور دل ہی دل میں کہتی جاتی تھی کہ یہ رنجور کی بہن ہے۔ رانی سندر پتی کے لئے انتظام کرتی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ یہ رنجور کی بھاوج ہے، غرض وہ رام نگر کے ایک ایک سردار کے مہمان کا اہتمام کر رہی تھی اور خوش تھی، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس سرزمین سے وابستہ تھا جہاں رنجور سانس لیتا ہے۔

چونکہ مہمانوں کی آمد میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا اس لئے سوشلا حد درجہ منہمک نظر آتی تھی اور اس کے ساتھ اس کی خالہ زاد بہن تارہ بھی جو سبل گڈھ کے ایک غریب سردار کی لڑکی تھی کام میں مصروف تھی، تارا اور سوشلا ایک ہی دن پیدا ہوئیں اور صورتاً اس قدر مشابہ تھیں کہ اگر سوشلا اپنے ملبوس اور زیور کے سبب سے وجہ امتیاز نہ رکھتی تو تارا کو سوشلا سمجھ لینا کچھ دشوار نہ تھا۔

تارا نہ صرف اپنی صورت کے لحاظ سے اپنے سورج بنسی خاندان کے لئے مایہ ناز تھی بلکہ اپنی سیرت کے اعتبار سے بھی وہ صحیح معنی میں شاہانہ ادائیں رکھتی تھی اور محبت کرنا تو گویا اس کا خمیر تھا۔ لطف و رافت اس کی فطرت تھی اور ہمدردی و دلجوئی اسکی طبیعت ثانیہ۔
باوجود اس کے کہ وہ غریب تھی لیکن گاؤں میں ہر آزار رسیدہ لڑکی کو اس کے ہاں پناہ ملجاتی اور باوصف اسکے کہ وہ بہت کم سن تھی لیکن محلہ کا ہر جھگڑا اسی کے مشورے سے طے ہوتا تھا، سوشلا کو اس کے ساتھ حد درجہ محبت تھی اور چاہتی تھی کہ کسی طرح اس کو دنیاوی افکار کی طرف سے مطمئن دیکھے، لیکن سوشلا کا خالو جو راجہ رتن سنگھ کا ہم زلف تھا، اپنی وضع کا راجپوت تھا اور وہ کسی طرح کی امداد قبول نہ کرتا تھا۔

مختلف مقامات سے تارا کی شادی کے پیغام آئے لیکن اس کے باپ نے کسی کو منظور نہ کیا، اور کوئی نہ کوئی نقص پیدا کر کے سب کو رد کر دیا۔

سوشلا چاہتی تھی کہ کسی طرح جلد اسکی شادی ہو جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی نگاہ میں بھی کوئی ایسا شخص نہ تھا جسے وہ تارا کے لئے موزوں سمجھتی۔

(۷)

ہولی کا مخصوص دن اپنے تمام ہنگاموں، مستیوں، رنگینیوں، اور مسرتوں کے ساتھ آگیا ہے، بسل گڈھ کی گڑھی میں اندر باہر ہر جگہ چہل پہل نظر آرہی ہے، جا بجا گانا بجانا ہو رہا ہے، سوشلا انتظام میں مصروف ہے اور موقع کی منتظر کہ کسی طرح رنجور سے تنہائی میں مل سکے۔

شام ہو گئی، فانوس روشن کئے گئے شامیانے کے نیچے سپید چاندنی پر چاروں طرف تکیے رکھے گئے اور سرداروں کی آمد شروع ہو گئی رنجور تنہا اپنے کمرہ میں کھویا ہوا سا اور مضطرب بیٹھا تھا کہ کسی طرح سوشلا کو دیکھ سکے کہ ایک خادمہ آئی اور پرچہ دیکر چلی گئی سوشلا نے ٹھیک دس بجے رات کو اس سے ملنے کا وقت مقرر کیا تھا اور وعدہ گاہ تک پہونچنے کے تمام ذرائع ظاہر کر دیئے تھے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ دو گھنٹے رنجور نے کس حالت اضطراب میں بسر کئے ہوں گے اور کس بے رحمی سے وہ وقت کی سست رفتاری پر ملامت کر رہا ہوگا۔ آخر کار وہ ایک جگہ نہ بیٹھ سکا اور اس نے ارادہ کیا کہ یہ وقت باغ میں صرف کرے گا اور وہیں سے بالا بالا سوشلا سے ملنے چلا جائے گا، اس طرف ٹھیک دس بجے سوشلا اپنے کمرہ میں رنجور کی منتظر تھی کہ راجہ رن بیر سنگھ نے اسے کسی ضروری کام سے بلایا اب سوشلا کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ رنجور سنگھ کو آنے سے منع کر دے چنانچہ اس نے فوراً ایک دوسرا خط بھیجا اور تارا کو ہدایت کر دی کہ وہ اس کمرہ سے باہر نہ جائے کیونکہ سامان پھیلا ہوا تھا اور وہ اس قدر جلد ان کو محفوظ نہ کر سکتی تھی۔

خادمہ رنجور کے کمرے میں گئی اور وہاں اسے نہ پاکر واپس، ادھر تارا سوشلا کے جانے کے بعد دروازہ بند کرنے کے خیال سے آگے بڑھی اور عین اس وقت جب کہ اس نے چوکھٹ پر پہلا قدم رکھا رنجور آگیا اور تارا کو سوشلا سمجھ کر بے اختیارانہ طور پر اپنی آغوش کھولکر آگے بڑھا۔

تارا جس نے اس سے قبل رنجور کو کبھی نہ دیکھا تھا متحیر ہو گئی، اور فطری حیا سے مجبور ہو کر پیچھے ہٹی لیکن چونکہ اس ایک لمحہ میں فطرت نے فسانہ کا پلاٹ حد درجہ سرعت و تکمیل کے ساتھ بدل دیا اسلئے تارا کا پیچھے ہٹنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے پارۂ آہن کو زبردستی مقناطیس سے دور کیا جانا۔

رنجور نے جب روشنی میں تارا کا چہرہ غور سے دیکھا تو سمجھ گیا کہ کوئی غلطی ہو گئی ہے اور وہ فوراً گھبرا کر باہر چلا گیا۔ اس طرف تارا نے خدا جانے کیا سمجھا اور پریشان ہو کر دوسرے دروازہ سے باہر نکل گئی۔

(۸)

رام نگر کے مہمان سنبل گڑھ سے رخصت ہو چکے ہیں اور سوشلا تارا کے سرہانے جو نہایت شدید تپ میں مبتلا ہو گئی ہے اور اب اسوقت کچھ حالت سکون میں ہے، بیٹھی ہوئی ہے۔

سوشلا:۔ "ہاں تارا تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتی تھیں"

تارا:۔ "کچھ نہیں، یہی کہتی تھی کہ نہ جانے رام نگر سے کتنے آدمی آئے تھے"

سوشلا:۔ "معقول، یہ تو ایسی بات نہ تھی کہ تم اس کے لئے تنہائی چاہتیں، دیکھو مجھ سے صاف صاف کہو جو تم کہنا چاہتی ہو، میں کبھی نہ مانوں گی"

تارا:۔ "اچھا پھر کسی وقت کہونگی"

سوشلا سمجھتی تھی کہ وہ کیا پوچھنا چاہتی ہے کیونکہ اسے دوسرے دن رنجور سے سارا حال معلوم ہو گیا تھا، لیکن وہ تارا سے اسلئے دریافت کرنا چاہتی تھی کہ اس کے خیالات معلوم کرے اور اگر وہ کچھ مشتبہ ہو گئی ہے تو اپنے اور رنجور کے افسانۂ محبت کو اس کے سامنے دہرا دے۔

اسے کیا خبر تھی کہ تارا اس سے زیادہ زخمی ہو چکی ہے اور رنجور کا حسن و شباب اس کے دل میں ایک مستقل آزار ہو کر رہ گیا ہے۔

سوشلا:۔ "تارا میں تم سے اسی وقت پوچھوں گی اور تمہیں بتانا پڑے گا۔ میں تم سے ضد کروں گی اور مجھے معلوم ہے کہ تم میری ضد پوری کرنے پر مجبور ہو"

تارا:۔ "اچھا تم کسی سے کہو گی تو نہیں"

سوشلا:۔ "کسی سے نہیں"

تارا:۔ "تو اچھا یہ بتاؤ کہ ارجن سنگھ کے بھائی نے مجھے کہاں دیکھ لیا اور وہ کیونکر اس قدر جسارت کر سکے کہ ہولی کے دن شام کو میرے سامنے چلے آئے۔

میں یقیناً خطاوار ہوں کہ تم سے اسوقت تک ذکر نہیں کیا لیکن سوشلا تم سے کہتے ہوئے ڈرتی ہوں اور جانتی ہوں کہ تم مجھے بے غیرت، بے حیا، اور خدا جانے کیا کیا کہو گی، لیکن میں مجبور ہوں اور باوجود کوشش کے میں اس یقین کو اپنے دل سے جدا نہیں کر سکتی کہ میری موت بہت قریب ہے کیونکہ میرا آزار اس غریب و مفلس شخص کا سا مسموم ہو جانا ہے جو کسی طرح تریاق کو مہیا نہیں کر سکتا"

سوشلا جس کے ذہن میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ تارا ہے یہ بیان سنکر تھوڑی دیر کے لئے ایسی ہو گئی ہے جیسے کوئی پاگل ہو لیکن اسنے پھر نہایت کوشش سے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولی "تارا کیا ایک ہی نگاہ میں رنجور کے ساتھ تمہیں اسقدر محبت ہو گئی

اور ہاں تم نے یہ کیا کہا کہ تمہیں انہوں نے کہاں دیکھا، مگر نہیں تمہارا خیال صحیح ہے اگر دیکھا نہ ہوتا اور دیکھنے کے بعد وہ تم پر فریفتہ نہ ہو جاتے تو کبھی ایسی جسارت نہ کرتے لیکن تم نے غلطی کی اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتا تو میں کسی تدبیر سے اور زیادہ یقین کے ساتھ معلوم کر تی کہ انہیں تمہارے ساتھ کس قدر الفت ہے۔

سوشلا یہ کہتی جاتی تھی اور اس کا ضمیر ملامت کر رہا تھا لیکن صورت حالات ایسی نہ کہ وہ تارا سے صحیح صحیح واقعہ بیان کر دیتی اس لئے مجبور تھی، اسکی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ وہ کیا جواب دے اور رنجور کی محبت کیونکر تارا کے دل سے محو کرے۔

(۹)

تارا کی علالت کو پورا ایک سال گذر چکا ہے، اور اسکی بیماری جو حقیقتاً آزار محبت تھی اور آزار بھی اُس محبت کا جو آغاز و انجام سے بے خبر، اولین نگاہ میں تمام مدارج طے کر جاتی ہے خطرناک ہوتی جا رہی ہے۔ تپ بظاہر مفارقت کر چکی ہے۔ دردسر میں بھی اتنی کمی نظر آتی ہے کہ کبھی کبھی اس کی حسین پیشانی سے صندل جدا ہو جاتا ہے۔ غذا سے بھی اتنا تنفر نہیں رہا لیکن اسکی حالت کو دیکھ کر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ اچھی ہے۔ جب اس سے کوئی حال پوچھتا ہے، تو ایک خفیف سی جنبش ابرو اور نہایت ہلکی سی چین پیشانی کے ساتھ کہہ دیتی ہے کہ "اچھی ہوں" لیکن اسکی آواز میں ایک ایسا اضمحلال، اس کے لب ولہجہ میں ایسا تاسف شامل ہوتا ہے کہ دوبارہ اس سے سوال کرنے کی ہمت کسی کو نہیں ہوتی۔

جن لڑکیوں سے وہ زیادہ بے تکلف ہے، ان کے سامنے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی "کہ بیمار تو نہیں ہوں لیکن اچھی بھی نہیں ہوں" لیکن سوشلا کے سامنے اسے کہہ دینا پڑتا ہے کہ "میرا بُرا حال ہے"۔

آغاز گرما کی شام ہے، آفتاب غروب ہو چکا ہے اور چاند افق سے بلند ہو کر نمودار ہو رہا ہے۔ سوشلا اور تارا دونوں کوٹھی کی صحن پر چاندنی کی طرف منھ کئے ہوئے، خاموش بیٹھی ہیں۔

تارا:۔ "دیکھو سوشلا، چاند کیسا نظر آ رہا ہے، جیسے کسی عورت کا سہاگ لٹ جائے"۔

سوشیلا:۔ "تارا، تم اسے نہ دیکھو، اسکی روشنی میں بڑا سوگ ہوتا ہے، لوگ چاندنی راتوں کی تمنا کرتے ہیں، اور میں اس کے خیال سے کانپ اٹھتی ہوں"

تارا:۔ سوشلا سچ کہتی ہو، لیکن مجھے تو اس پورنماشی چاند سے ازحد محبت ہے، تمہیں یاد ہے نا، یہی تاریخ تھی، جب ......"

سوشلا:۔ "پھر تم نے وہی ذکر کیا، تارا، رحم کرو، اپنے اوپر نہ سہی، میرے اوپر، مجھ پر نہ سہی اس پر جس سے تم محبت کرتی ہو، جس کی تم پجاری ہو"

تارا:۔ "ہاں، سچ ہے، لوگوں کو معلوم ہو گیا تو انہیں لوگ کیا کہیں گے؟ ہائے کسی سے محبت کر کے مرجانا بھی اس دنیا میں اب دشوار ہو گیا ہے"

تارا کا دل یہ کہہ کر بھر آیا، اُسنے سر جھکا لیا اور ساری کے دامن سے فوراً آنسو پونچھ کر پھر خاموش ہو گئی، گویا وہ سمجھتی تھی کہ ایک غریب کا

اسیر کی محبت میں زیادہ اشکبار ہونا بھی روا نہیں ہے، کیونکہ رونا شاید ایک قسم کا حق ثابت کرنا ہے، اپنے تئیں محبت کئے جانے کا اہل ثابت کرنا ہے اور تارا کبھی اسکی تمنا بھی نہ کر سکتی تھی، وہ جانتی تھی کہ رنجور گو راجہ نہیں مگر راجہ کا بھائی اور انتظام کے لحاظ سے پوری ریاست کا مالک ضرور ہے اور وہ خود اپنی حالت سے بھی خوب واقف تھی کہ عین اُسوقت جب کہ سبل گڈھ کے ادنیٰ سرداروں کی لڑکیاں اپنی ہمجولیوں کو کپڑے تقسیم کرتی تھیں، وہ گھر میں بیٹھی ہوئی اپنی ساری کو خود ہی دھویا کرتی تھی۔

اگر تارا کا باپ اس درجہ غیر تمند تھا کہ وہ راجہ سبل گڈھ کے پاس جانا اور دست سوال دراز کرنا اپنے لئے عار سمجھتا تھا تو اسی کے ساتھ تارا کا بھی یہ عالم تھا کہ باوجود حد درجہ اصرار کے وہ سوشلا کا ادنیٰ سا احسان بھی گوارا نہ کرتی تھی اور اسکی یہی ادا تھی جسنے سوشلا کو اسکی طرف سے حد درجہ دردمند بنا رکھا تھا۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد تارا بولی "سوشلا، اب جاؤ، کہاں تک تم مجھ غمزدہ کا ساتھ دوگی، میں تم سے کئی مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ میرے پاس بہت کم آیا کرو تمہیں دیکھ کر میرا جی اور بگڑتا ہے، تمہاری ہمدردی مجھے اور تباہ کئے دیتی ہے، سوشلا، مجھسے محبت چھوڑ دو، میرے لئے اپنا دل نہ دکھاؤ، چند دن بعد جس سے تم ہمیشہ کے لئے جدا ہوجانے والی ہو، اس سے چند دن قبل ہی اگر تم جدا ہوگئیں تو کیا میں تم پر کوئی الزام رکھوں گی" اتنا کہہ کر اس کی آواز پھر بند ہوگئی، اور سوشلا جو ایک سال سے تارا کی اس حالت پر دل دکھا رہی تھی، سخت بیقرار ہوگئی، اُسے تارا سے محبت تھی، اور ایسی محبت کہ اس کا اندازہ وہ خود نہیں کرسکتی تھی، لیکن وہ اسوقت کوئی فیصلہ نہ کر سکتی تھی کہ اسکا علاج کیا ہوسکتا ہے۔

سوشلا سمجھتی تھی کہ حقیقت حال نہ تارا سے کہی جاسکتی ہے اور نہ رنجور سے، ممکن ہے کہ تارا یہ معلوم کرنے کے بعد کہ مجھے بھی رنجور سے اتنی ہی محبت ہے جتنی اسکو، جانبر نہ ہوسکے اور رنجور یہ سن کر کہ تارا، اس پر فریفتہ ہے، کوئی نازیبا خیال اسکی طرف سے دل میں پیدا کرے۔ اس کے ساتھ جب وہ تارا کی حالت کو دیکھتی تھی تو بیتاب ہوجاتی تھی۔ وہ اسکا ہر وقت کا سوگ وہ اسکا ہر دم اندر ہی اندر سلگنا، وہ اس کا محبت کی آگ میں ہر وقت شمع کی طرح جلکر گھلتے رہنا، اک ایسا منظر تھا کہ سوشلا کو اکثر اوقات اپنی محبت کی طرف سے دھوکا ہوجاتا تھا اور وہ سمجھنے لگتی تھی کہ محبت تو حقیقتہً تارا کو ہے اور وہی رنجور کے قابل ہوسکتی ہے۔ لیکن یہاں پہونچکر پھر اسکا فطری نسوانی جذبہ خیال کو آگے بڑھنے سے روک لیتا تھا اور وہ دم بخود ہوجاتی تھی۔

اسے یقین تھا کہ اگر چند دن یہی حالت اور رہی تو تارا کا جان دیدینا یقینی ہے اور پھر میں کیونکر زندگی بسر کرسکتی ہوں، اگر رنجور میرا ہو بھی گیا (جسکی ابھی کوئی قوی امید نہیں) تو کیا میں خوش رہ سکوں گی، کیا تارا کی روح مجھے ملامت نہ کریگی کیا میری نیند اس کے خیال سے مضطرب نہوگی، سوشلا دیر تک یہ سوچتی رہی، اور پھر تارا اس سے رخصت ہوکر گھر چلی گئی۔

گذشتہ واقعات پر دو مہینہ اور گذر گئے ہیں، سوشلا اس زمانہ میں کامل غور کے بعد ایک فیصلہ کر چکی ہے، تارا فرط ضعف سے صاحب فراش ہوگئی ہے، اور اب علاوہ سوشلا کے خاندان کے لوگوں کو بھی معلوم ہوگیا ہے کہ تارا کی بیماری کیا ہے۔ لیکن اسکا علم سب کو نہیں کہ یہ آزار اس نے کہاں اور کب مول لیا۔

اس ڈیڑھ سال کے عرصہ میں، سوشلا، رنجور سے تین مرتبہ مختلف بہانوں سے مل چکی ہے اور ہر مرتبہ اسے پیام نکاح دینے سے روک دیتی ہے، تارا کی علالت کا حال رنجور کو بھی معلوم ہوگیا ہے، اور سوشلا کی معیت میں اس کے ساتھ حد درجہ اظہار ہمدردی کیا کرتا ہے۔

ایک رات جب سوشلا، تارا کے پاس سے حد درجہ ملول و مضمحل ہوکر واپس آئی تو سیدھی اپنے باپ کے پاس گئی اور وہاں سے جس وقت کامل دو گھنٹہ کے بعد واپس آئی تو پایہ گاہ کے داروغہ کو بلاکر حکم دیا کہ صبح میں رام نگر جاؤں گی، اور فلاں فلاں سردار ساتھ ہونگے، سواری کا انتظام کرلیا جائے۔

(۱۰)

رنجور:۔ "سوشلا، خیر تو ہے، یہ آج تم کیسی ہو رہی ہو۔ کیا بات ہے؟"

سوشلا:۔ "خیر نہیں ہے کیونکہ میں آج تمہاری محبت کا امتحان کرنے آئی ہوں اور اگر خدانخواستہ تم کامیاب نہوئیں تو پھر خیر کیسی؟"

رنجور جس نے اس سے قبل سوشلا کے یہ تیور کبھی نہیں دیکھے تھے، گھبرا گیا، اور ایک منٹ تک اسکی گفتگو کا کوئی جواب نہ دلیسکا۔

سوشلا:۔ "کیوں خاموش کیسے ہوگئے۔ کیا میں سمجھ لوں کہ تم امتحان کے لئے آمادہ نہیں ہو"

رنجور:۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا امتحان سے کیا مقصد ہے اور تمہیں اسکی کیا ضرورت پڑی۔ جب کہ تمہیں یقین ہونا چاہیئے کہ رنجور، سوشلا کے لئے جان تک دینے سے احتراز نہیں کرسکتا۔ سوشلا بولی "رنجور، یہ تمنے کیا کہا، میری رائے میں جان دینے سے زیادہ آسان بات کوئی نہیں۔ اس لئے میں تو اس سے زیادہ کی توقع تم سے رکھتی ہوں"

رنجور:۔ "سوشلا، تم یقین کرو کہ میں تمہیں کسی توقع سے شرمندہ نہ ہونے دونگا، دنیا میں سب سے بڑا گناہ اور سخت سے سخت ریاضت ایسی نہیں جسکو میں تمہارے لئے اختیار نہ کرسکتا ہوں کہو، اور اس اطمینان کے ساتھ کہ میں نے اسے منظور کرلیا"

سوشلا:۔ "دیکھو رنجور، پھر اچھی طرح غور کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ سننے کے بعد تم مکر جاؤ، یا منظور کرو بھی تو بددلی کے ساتھ"

رنجور:۔ "میں غور کرچکا ہوں، زیادہ دیر کر کے میرے ارادہ کے استحکام کو مضمحل نہ کرو"

سوشلا:۔ "اچھا تو پھر سنو کہ میں تمہارے سامنے ایک ایسی التجا کرتی ہوں جس پر میری زندگی کا انحصار ہے اور وہ یہ ہے کہ تم تارا سے شادی کر کے اسکی اور میری دونوں کی جان بچالو"

رنجور جس کے خیال میں بھی کبھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ سوشلا ایسی عجیب و غریب التجا اس کے سامنے پیش کرے گی، ایسا محسوس کرنے لگا کہ شاید وہ اس عالم میں نہیں ہے اور اس کی روح جسم سے جدا ہوکر سراپا تاثر بنی ہوئی ہے۔ اس کے چہرہ کا رنگ سفید ہوگیا اس کے اعضا بے جان سے ہوگئے، دماغ چکرانے لگا، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور قوت گویائی محو ہوگئی۔

سوشلا سمجھتی تھی کہ اس کی فرمائش کا اثر یہی ہونا ہے، اسے خوب معلوم تھا کہ رنجور کے لئے جان دیدینا اس سے آسان ہوگا کہ وہ محبت سے باز آجائے۔ لیکن وہ کامل غور کے بعد اک عزم کرچکی تھی، اس حق پرورش کو ادا کرنا چاہتی تھی جو تارا کی ماں، اور اسکی خالہ

ی طرف سے اس پر عاید ہوتا تھا۔ اس نے یقین کرلیا کہ تارا رنجور سے بہ نسبت اس کے زیادہ محبت کرتی ہے اور اس لئے وہی مستحق بھی ہے۔ رہا رنجور کا مائل ہونا، سو اسے یقین تھا کہ تارا ایسی معمولی حسن و جمال، ایسی معمولی تہذیب و سلیقہ کی لڑکی نہیں، جو عرصہ ب رنجور کو مفتوح کرنے میں نا کامیاب رہے گی اور اپنے متعلق وہ فیصلہ کرچکی تھی کہ اب شادی نہیں کریگی اور اپنی ساری عمر دوشیزگی کے اُس عالم بیوگی میں بسر کردیگی جو اکثر راجپوت خاندان کی لڑکیوں کو نہایت صبر و سکوت کے ساتھ گذار دینا پڑتا ہے۔

(۱۱)

تارا کے مکان پر آج غیر معمولی ہجوم ہے۔ لوگ اندر باہر آجا رہے ہیں، ہر شخص کے چہرہ پر تشویش کے آثار نمودار ہیں۔ شمشیر سنگھ را کا باپ، افسردہ و مغموم ڈیوڑھی میں بیٹھا ہوا کبھی کبھی آنے جانے والوں سے پوچھ لیتا ہے کہ "کیا حال ہے" اور پھر کوئی تسلی بخش واب نہ پاکر زیادہ گہرے غم میں ڈوب جاتا ہے۔ آج صبح سے تارا کی حالت نہایت نازک ہے غش پر غش آرہے ہیں پسینہ خشک یں ہوتا، اختلاج کا یہ عالم ہے کہ پاس کے بیٹھنے والے اس کے دل کی دھڑکن کو اچھی طرح سن سکتے ہیں، نبضیں قریب قریب ساقط ہوچکی ہیں، آنکھیں بند ہیں، زبان خشک ہوکر تالو سے لگ گئی ہے اور اگر کبھی کوئی آواز اس کے منھ سے نکلتی ہے تو وہ سوشلا نام ہوتا ہے جسکا انتظار سب کو نہایت شدید ہے۔

سوشلا کے باپ نے ایک سوار دوڑا دیا ہے اور راستہ میں ڈاک بٹھا دی ہے تاکہ ہر ممکن سرعت کے ساتھ وہ آخری مرتبہ ر تارا کو دیکھ لے۔

منٹ پر منٹ گھنٹوں کی رفتار سے گذرتے جارہے تھے، راہ دیکھتے دیکھتے لوگ تھک چلے تھے اور تارا آخری غش میں اپنی زندگی ختم کرنا ہی تھی، کہ دفعتاً سوشلا کی آمد کی خبر بجلی کی طرح دوڑ گئی اور خدا جانے کیوں ہر شخص مطمئن نظر آنے لگا۔

سوشلا گھبرائی ہوئی فینس سے اُتری، اور سب سے پہلے اُس نے اپنی نگاہوں سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کہیں وہ ندا از وقت تو نہیں آئی، لیکن جب اسے اطمینان ہوا تو وہ ڈیوڑھی میں اپنے خالو کو سلام کرتی ہوئی اندر داخل ہوگئی اور باوجود اس کے ہ جذبات شدید گریہ میں تبدیل ہونا چاہتے تھے۔ لیکن اس نے بہت ضبط کیا اور سب سے پہلے تمام عورتوں کو ہاتھ کے اشارہ سے باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ جب اسکی تعمیل ہوگئی، تو وہ آہستہ آہستہ تارا کے پلنگ کے قریب بڑھی۔ جہاں وہ بیہوش پڑی ہوئی تھی ور پیشانی پر پسینہ کے قطرے چمک رہے تھے۔

یہ نیچے فرش پر بیٹھ گئی، اور اپنا ہاتھ تارا کے سر کے نیچے رکھ کر اس کو آواز دی، لیکن وہ بالکل بے حس و حرکت ایک مجسمہ کی طرح پڑی ہوئی تھی، اس نے نبض دیکھی تو وہ بھی غیر محسوس تھی۔ یہ اپنا منھ اُس کے کان پر لیگئی اور آہستگی سے بولی "تارا تارا دیکھو میں آگئی" لیکن وہ ہنوز غافل تھی۔ اس نے پھر کوشش کی اور کہا "تارا آنکھیں کھولو، میں تمہارے لئے رنجور کا پیام لائی ہوں" نسیم غنچۂ ناشگفتہ کے ساتھ، مینھ سوکھی ہوئی کھیتی کے ساتھ، اور تریاق ایک مسموم ہستی کے ساتھ وہ سلوک نہیں کرسکتا جو اسوقت رنجور کے لفظ نے تارا کے ساتھ کیا۔

اُس نے اس پیارے نام کو سنتے ہی اور سوشلا کو سامنے دیکھ کر، اپنی آغوش کھولدی، سوشلا جو اسوقت تک ضبط کئے ہوئے تھی بے اختیار ہوگئی اور اس سے لپٹ کر رونا ہی چاہتی تھی کہ پھر اسے کچھ خیال ہوا، اور ضبط سے کام لیکر اس نے اپنے چہرہ پر تبسم پیدا کیا، اور بولی "تارا کیا حال ہے"۔

تارا:۔ "تم کب آئیں، میں نے اس وقت ایک عجیب خواب دیکھا، گویا میں سو رہی ہوں اور کوئی مجھے جگار ہا ہے"۔ تارا یہ بیان کر رہی تھی اور اک مخفی تبسم اسکی جلد کے نیچے دوڑ رہا تھا۔ لیکن سوشلا اس سے زیادہ مسرور تھی اور ایسا محسوس کر رہی تھی گویا آج وہ کائنات فتح کر کے بیٹھی ہے۔

سوشلا:۔ "ہاں پھر کیا دیکھا"۔

تارا:۔ "کچھ نہیں، آنکھ کھل گئی تو دیکھا تم ہو"۔

سوشلا:۔ "تارا، تمہارا یہ خواب میں ہی لے کر آئی تھی اور میں تمہیں رنجور کی طرف سے جگا رہی تھی، کیونکہ مجھے ان کا ایک پیام تم سے کہنا ہے"۔

وہی تارا جو دو منٹ قبل کروٹ نہ لے سکتی تھی، فرط ضعف سے، ہاتھ کو جنبش نہ دے سکتی تھی، بے اختیار اپنی قوت سے پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گئی، خون رگوں میں دوڑنے لگا، چہرہ کے بلور میں ایک ہلکا سا رنگ آگیا، اور فرط حیرت سے سوشلا کی طرف ٹکٹکی باندھ کر رہ گئی۔

سوشلا اسکی حالت کو دیکھ کر ڈر گئی کہ مبادا اگر ردعمل سخت ہوا، تو پھر اس کا جانبر ہونا دشوار ہو جائے گا اور اس لئے اسکے مسرت میں ذرا تلخی پیدا کرنے کے لئے وہ مصنوعی برہمی اپنے چہرہ پر پیدا کر کے بولی "میں سمجھتی تھی کہ تم بڑی عقلمند ہو۔ لیکن میرا خیال غلط نکلا، تم اسقدر گھبرائی کیوں جاتی ہو، کیا رنجور کوئی دیوتا ہے جس کا پیام انسان کو بے اختیار بنا دے وہ بھی اک انسان ہے اور شاید تم سے اچھا انسان نہیں، پھر اس میں تعجب کی کیا بات ہے، ذرا ہوش میں آؤ، اپنے کو سنبھالو، تو میں کہوں، ورنہ میں جاتی ہوں"۔

تارا، یہ سن کر ذرا سنبھلی، اور اپنی بے اختیاری پر معذرت کرتی ہوئی تکیہ کے سہارے سے خاموش بیٹھ گئی۔ اب سوشلا اٹھی اور اس کے برابر بیٹھ کر اپنے رومال سے ہوا دینے لگی اور اپنے پندار میں اس نے نہایت رفتہ رفتہ یہ جاں بخش و جاں نواز خبر اسے سنائی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب بھی سوشلا کو اسکی محبت و حالت کا پورا اندازہ نہ تھا اور نہ وہ شاید اسکی جسارت نہ کرتی، کیونکہ جس وقت اسنے اپنا آخری جملہ ختم کیا ہے کہ "اگلے ہفتہ یہاں بارات آجائے گی" تو تارا پھر بیہوش تھی، اور سر سے پاؤں تک اک لرزش اسکے بدن پر طاری تھی۔

شام سے صبح اور صبح سے شام ہوگئی، لیکن تارا، باوجود تمام کوششوں کے ہوش میں نہ آسکی، بسل گڈھ کے تمام وید موجود تھے اور اپنے تمام نسخے آزما چکے تھے، لیکن کسی طرح کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی۔

آخر کار دن کو دس بجے آہستہ آہستہ تارا کو ہوش آیا، اور آتے ہی اسکی علالت نمایاں طور پر جدا ہوتی ہوئی نظر آنے لگی، دید دں نے دیکھ کر اطمینان ظاہر کیا۔ اندر باہر ہر شخص کو اس کی اطلاع ہوگئی اور شمشیر سنگھ، اس خبر کو سن کر بچوں کی طرح باتیں کرنے لگا۔

سوشلا، جو اس موقع کی منتظر تھی، ہاتھ جوڑ کر اپنے خالو کے سامنے کھڑی ہوگئی اور بولی " میں سامنے سے نہ ہٹوں گی جبتک کہ میری ایک آرزو پوری نہ کی جائے گی "

شمشیر سنگھ نے فرط مسرت سے اپنی بھانجی کو گلے لگالیا اور بولا " سوشلا " تو، تو دیوی ہے اور دیوی کی کوئی بات رد نہیں کیجاسکتی، کہہ جو کچھ کہنا چاہتی ہے "

سوشلا :۔ " تارا کی شادی کا، اختیار دیدیجئے "

شمشیر سنگھ :۔ " میں تو اس کی موت و زندگی پر تجھ کو اختیار دیتا ہوں "

سوشلا :۔ " تو پھر یہ بھی اجازت دیجئے، کہ میں اپنے اختیار سے تارا کو دلھن بناؤں اور کنور رنجور سنگھ کے ساتھ اسکی شادی کرکے اُس فرض سے سبکدوش ہوں جو بہن ہونے کی حیثیت سے مجھ پر عائد ہوتا ہے۔

(۱۲)

رنجور اور تارا کی شادی کو دو سال کا زمانہ گزر چکا ہے اور اس عرصہ میں سبھی انقلاب ہوگئے۔ ارجن سنگھ کی اچانک موت سے رنجور سنگھ سبل گڈھ کا راجہ تسلیم کیا گیا شمشیر سنگھ اپنی عمر طبعی کو پہونچ کر اس دنیا سے رخصت ہوگیا، تارا کی آغوش کو ایک فرشتہ صورت بچہ نے آباد کردیا لیکن سوشلا جو ایک بار تیرتھ کے لئے بنارس گئی تو پھر وہیں کی ہو کر رہ گئی۔ لوگ مصیبتیں لے کر اس دیوی کے پاس آتے ہیں عورتیں اپنی دُکھ بھری داستانیں اس کے پاس آکر بیان کرتے ہیں، اور وہ ان سب کی خدمت میں اپنا وقت صرف کیا کرتی ہے لیکن باوجود اس ترک دنیا کے بھی، جب کبھی محبت کا نام اس کے سامنے لیا جاتا ہے، حتیٰ کہ کوئل کی آواز اور کسی پپیہے کی صدا بھی جب اسکے کان میں آجاتی ہے، تو وہ محسوس کرتی ہے کہ اس کا دل اب بھی پھنک رہا ہے۔ اور یہ اب تک ایک ستی ہونے والی بیوہ کی طرح آگ میں جل رہی ہے

نیاز

مشاہیر یورپ کے اقوال

(۱) حسین چہرہ ایک خاموش سفارش ہے . . . . لارڈ بیکن

(۲) اختصار ظرافت کی جان ہے۔ (۳) علم کے جھوٹے دعوے سے جہل کا اعتراف بہتر ہے . . . شکسپیئر

(۴) مستقبل کا بہترین پیشین گو ماضی ہے . . . . بائرن

(۵) حسین شئے دائمی مسرت ہے . . . . کیٹس

(۶) بدبختی انسان کو برے لوگوں سے روشناس کرادیتی ہے . . . . شکسپیئر

غزل

نگرم بہ ہر رگِ سنگ رہ، ہمہ رنگِ صنعت آذری
کہ نہاد ایں قدر آگہی، بہ مذاقِ شیوۂ کافری؟

دلم امتیاز گرفت یا، نگہِ تو یافتہ برتری
بہ فروغِ رسمِ فسونگری بہ قبولِ نقشِ ستمگری

نہ بہ نبضِ آئینہ می تپد، نہ بہ ریشۂ جگرم خلد
نگہے فگن کہ ترا سزد، بہ طرازِ عشوۂ دلبری

بہ رخت نقاب فگندۂ، تو خیالِ دہر تپیدۂ
ہمہ جا تو کفر فشاندۂ، بہ فشارِ کعبہ بت گری

تو بناز بردمِ خنجرت، من ازیں خیال بنازشے
کہ رساندہ ام بخطِ گلو، سرِ مشقِ برق شناوری

ز فسردگیِ تاثرت، چہ بروے یخ نہی داغِ دل
ہمہ التہاب غضب بشو، بہ سکونِ خوئے سمندری

بحصولِ جلوۂ دولتے، چہ کشی نیاز مرا، کہ من
بہ جہاں نیافتم آنسے، چو غنائے دولتِ بے بری

نیاز

نظام شمسی میں آفتاب کی اہمیت

قدما کا نظامِ عالم قدما کا خیال تھا زمین مرکز عالم ہے اور تمام ستارے اور سیارے اُس کے گرد حرکت کرتے ہیں، قدیم یونانی علم ہیئت جسے مسلمانوں نے اپنے ہاں رواج دیا تھا اُس کی رو سے بھی زمین کو مرکز عالم تسلیم کرکے تمام اجرام سماوی کو اُس کے گرد متحرک مانا گیا ہے ہر سیارے کے لئے ایک ایک مجسم فلک قرار دیا گیا ہے پھر سیاروں کے قریب و بعید ہونے اور حرکت کی سرعت و آہستگی کی توجیہ کے لئے ہر سیارے کے فلک میں متعدد افلاک جزئیہ مانے گئے ہیں جن میں بعض مشرق اور بعض مغرب کی طرف اور بعض سریع اور بعض آہستہ حرکت کرتے ہیں۔ یہ افلاک کلیہ و جزئیہ اس دَوری حرکت کو منضبط کرنے کے لئے فرض کئے گئے ہیں جو ہر سیارہ اُن کے خیال میں زمین کے گرد (اور حقیقت میں آفتاب کے گرد) کرتا ہے۔ آفتاب کو بھی انھوں نے زمین کے گرد حرکت کرنے والا ایک سیارہ خیال کیا ہے۔ سیاروں کے افلاک مجسمہ کی ترتیب اُن کے نزدیک اِن صورتوں پر ہے۔

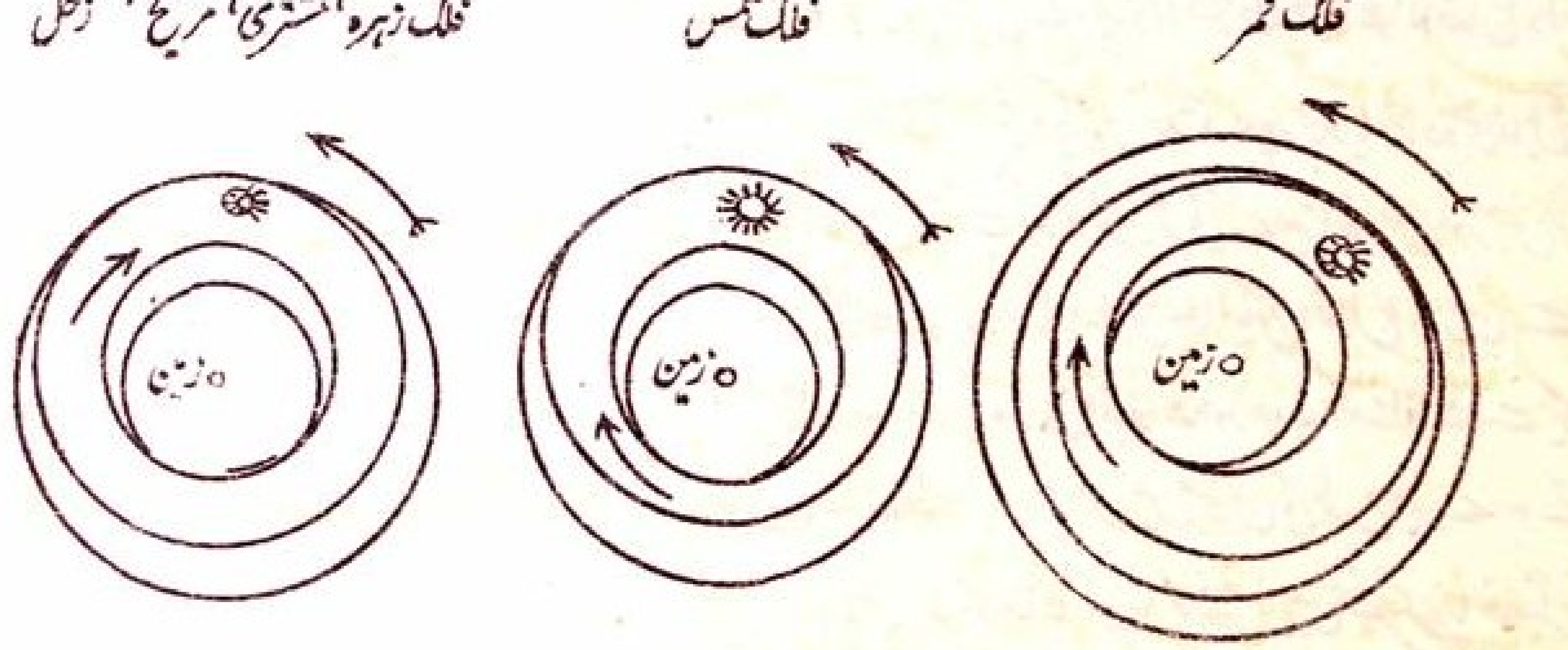

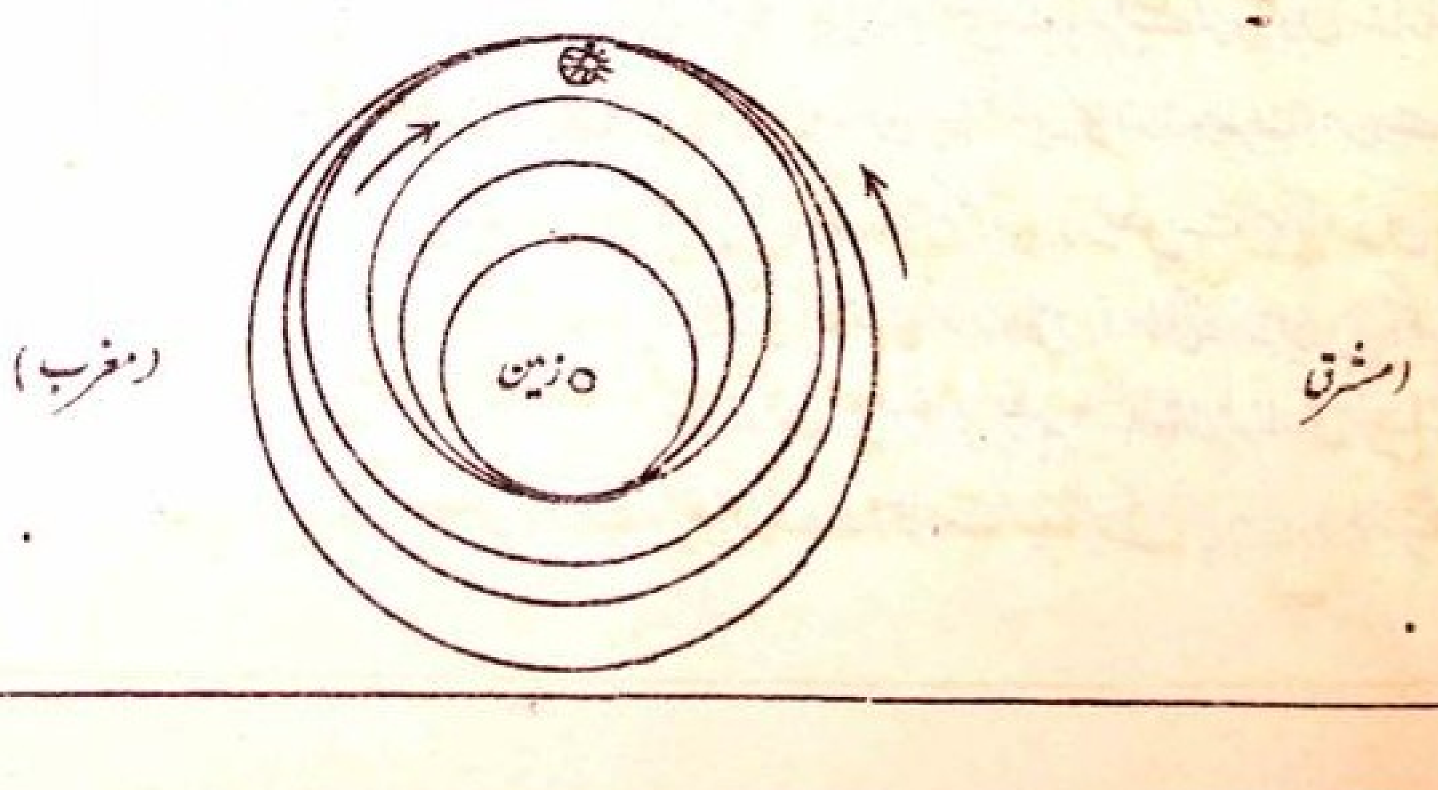

سب سے پہلے قمر، پھر عطارد، زہرہ، آفتاب، مریخ، مشتری، اور زحل کے افلاک فرض کئے گئے تھے۔ ان افلاک سبعہ کے اوپر ایک اور فلک مانا گیا تھا جس میں تمام ثوابت جڑے ہوئے تھے اور اسی لئے اس فلک کو فلکِ ثوابت کہتے تھے۔ فلکِ ثوابت کے اوپر ایک اور عظیم الشان فلک فرض کیا گیا تھا جس میں کوئی ستارہ نہ تھا اور اسے فلک الافلاک کہتے تھے یہ فلک اپنی روزانہ حرکت سے تمام ماتحت افلاک کو چوبیس گھنٹے میں ایک چکر دیدیتا ہے جس سے زمین پر دن رات پیدا ہوتے ہیں افلاک ماتحت کی یہ حرکت عرضی ہے، اور ان کی ذاتی حرکت اس کے خلاف مغرب سے مشرق کی طرف ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ تک جس قدر حرکاتِ فلکی انسان کو معلوم ہوئی تھیں قدیم علمائے ہیئت نے نہایت صحت کے ساتھ اُن سب کا انضباط کر لیا تھا، خواہ اس کے لئے انھوں نے سیکڑوں فلک کیوں نہ فرض کئے ہوں چنانچہ قدما نے سال شمسی کی جو مدت بتائی ہے۔ وہ زمانہ حال کی تحقیق سے صرف چند منٹ کا فرق رکھتی ہے اسی طرح سیاروں کی حرکات اور کسوف و خسوف کا وقت بھی وہ نہایت صحت سے بتا سکتے تھے۔ کلدانیوں، مصریوں، اور چینیوں کی جو رصدگاہیں پائی گئی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان نہایت قدیم زمانہ سے اس علم کے ساتھ دلچسپی رکھتا ہے اور حرکاتِ سماوی معلوم کرنے کا اُسے ابتدا سے شوق ہے، اس لئے اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ علم ہیئت قدیم ترین علوم سے ہے تو بھی غلط نہ ہوگا۔

قدما کے پاس خالی آنکھ اور چند معمولی اور سادے آلات کے علاوہ اجرام سماوی کے ابعاد، اختلاف حرکات، اوضاع و اشکال اور دوسرے حالات معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا لیکن پھر بھی انھوں نے اس علم کو ترقی دیکر جس حد تک پہونچا دیا تھا وہ بھی قابل تحسین ہے

دوربین نظام عالم بدل دیتی ہے

یہ خیال بھی قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا کہ زمین آفتاب کے گرد حرکت کرتی ہے فیثاغورس اور بعض دوسرے یونانی فلاسفہ کی طرف یہ مذہب منسوب کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ خیال عین حقیقت اور واقعہ کے مطابق تھا لیکن اختراع دوربین سے پہلے کسی نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور حرکت زمین کو لوگ محال عقلی سمجھتے رہے۔ مگر دوربینی تحقیقات اور جدید اکتشافات سے یکایک نظامِ عالم بدل گیا۔ اب ستارے اور سیارے بجائے اس کے کہ بڑے بڑے ٹھوس آسمانوں میں میخوں کی طرح جڑے ہوئے ہوں نہایت آزادی سے آفتاب کے گرد چکر لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بطلیموس نے کائنات کو چند کروڑ میل میں منحصر کر دیا تھا۔ مگر اب زمین اور آفتاب کا درمیانی فاصلہ ۹ کروڑ میل سے زیادہ دریافت ہوتا ہے بلکہ نظام شمسی کے باہر ایسے کروڑوں ستارے پائے جاتے ہیں جن کا فاصلہ ظاہر کرنے کے لئے سلسلہ ہندسی کافی نہیں ہو سکتا۔ اِن ابعاد عظیمہ کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ روشنی جو ایک سیکنڈ میں ۲ لاکھ میل سے زیادہ حرکت کرتی ہے بعض ستاروں سے سیکڑوں اور بعض سے ہزاروں برس میں زمین تک پہونچتی ہے۔ اگر کوئی شخص کورانہ تقلید اور قدامت پرستی کو چھوڑ کر ایک معمولی رصدگاہ میں آسمانی دوربین اپنی آنکھ پر رکھے تو اُسے عجیب تماشہ نظر آئے گا اُسے روشن آفتاب میں سیکڑوں داغ، اس خاموش قرص شمسی پر عظیم الشان تلاطم ناری چاند میں بے انتہا نشیب و فراز، سیاروں کے گرد حرکت کرتے ہوئے متعدد اقمار، دمدار ستارے، یورینس، نیپچون، اور دوسرے عجیب و غریب مظاہر قدرت دکھائی دیں گے۔

زہرہ اور عطارد کا عبور و احتجاب، اور اُن کا اقتران اسفل و اعلیٰ، قانونِ جاذبیت کا توازن اور اُسی کے لحاظ سے سیاروں کی سرعت اور آہستگی، مشتری اور مریخ کا اقتران اعلیٰ اور اُن کا اوج و حضیض یہ سب امور ایسے ہیں جن کے معلوم ہونے کے بعد یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ زمین بھی ایک سیارہ اور نظام شمسی کا ایک رکن ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص قرونِ وسطیٰ کے پادریوں کی طرح یہ جواب دے کہ دوربین زمین پر تو صحیح اور آسمان پر غلط ہے تو اس جاہلانہ مکابرہ کا کچھ علاج نہیں۔

سب سے زیادہ قابل افسوس بات یہ ہے کہ ہندوستان کے عربی مدارس میں اب تک قدیم ہیئت پڑھائی جاتی ہے۔ دنیا بدل گئی لیکن عربی مدارس میں ابتک بطلیموس کا نظام قائم ہے۔

نظام شمسی ہمارے اس مضمون کا موضوع صرف آفتاب اور اُس کے عجیب و غریب حالات ہیں۔ مگر ضرورت ہے کہ اس سے پہلے نظام شمسی کے متعلق چند عام اور سرسری معلومات بہم پہونچا دیئے جائیں۔

نظام شمسی میں بڑے بڑے سیارے، نجیمات صغیرہ، اقمار، شہاب ثاقب، اور دمدار ستارے پائے جاتے ہیں اور انہی اجرام کے مجموعہ کو نظام شمسی کہتے ہیں۔

۱- بڑے سیارے عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل، یورینس، اور نیپچون ہیں اور یہ سب آفتاب کے گرد حرکت کرتے ہیں۔

۲- چھوٹے سیارے یا نجیمات:- مدار مشتری اور مریخ کے درمیان لاتعداد چھوٹے چھوٹے اجرام حرکت کرتے ہیں جن میں سے قریب آٹھ سو کے اس وقت تک پہچانے جا چکے ہیں۔ ان میں بڑے بڑے ویسٹا، جونو، سیریس، اور پالاس ہیں۔

۳- اقمار: کل اقمار ۲۷ ہیں۔ زمین کا ایک، مریخ کے دو، مشتری کے نو، زحل کے دس، یورینس کے چار، اور نیپچون کا ایک چاند ہے، اور یہ تمام اقمار اپنے اپنے سیاروں کے گرد حرکت کرتے ہیں۔

۴- شہاب ثاقب: یہ چھوٹے چھوٹے آوارہ گرد اجرام ہیں۔ جو نظام شمسی میں داخل ہیں اور آفتاب کے گرد متحرک ہیں۔ ان میں سے جب کبھی کوئی جرم زمین کے کرۂ ہوائی میں سے گزرتا ہے تو سرعت حرکت کی وجہ سے مشتعل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی زمین کی حد جاذبیت تک پہونچکر زمین پر گر پڑتا ہے۔ دنیا کے متعدد عجائب خانوں میں شہاب ثاقب کے ٹکڑے محفوظ ہیں۔

۵- دمدار ستارے: یہ بھی نظام شمسی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے اس وقت تک دریافت ہو چکے ہیں جن کے طلوع و غروب کا زمانہ نہایت صحت کے ساتھ بتایا جا سکتا ہے۔

نظام شمسی کی عظمت نظام شمسی نے اپنی عجیب و غریب حرکات سے ایک عظیم الشان فضا کو معمور کر رکھا ہے جو ۵- ارب میل سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن تمام کائنات کے مقابلہ میں یہ ایک نہایت حقیر فاصلہ ہے۔ اگر آفتاب اور اس کا نظام معدوم ہو جائے تو کائنات میں ایک نقطہ کے زائل ہونے سے زیادہ اس کی اہمیت نہ ہوگی۔

سیاروں کی حرکت تمام سیارے سورج کے گرد مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتے ہیں اور اُسے حرکتِ دوری کہتے ہیں اور اسی سے موسم بدلتے ہیں۔

تمام اقمار اپنے اپنے سیاروں کے گرد مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتے ہیں مگر یورینس کے اقمار اربعہ ان کے خلاف مغرب سے مشرق کی طرف متحرک ہیں۔

تمام سیارے آفتاب کے گرد اہلیلجی شکل کے مدار پر حرکت کرتے ہیں اور آفتاب مدارات کے مرکز سے ہٹا ہوا ہے جس کی وجہ سے سیارے اپنی گردش میں آفتاب سے ایک مرتبہ قریب اور ایک مرتبہ بعید ہوتے رہتے ہیں۔

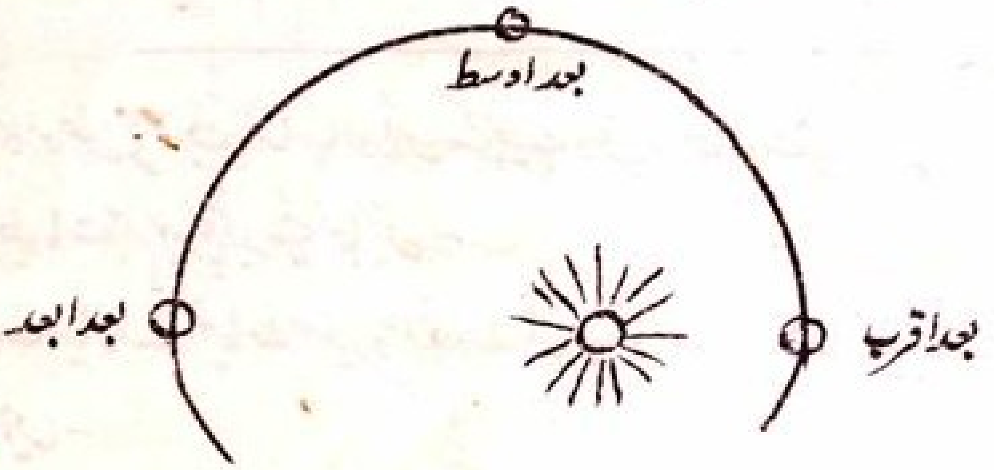

سیاروں کا بعد آفتاب سے

سیارہ	بعد ابعد	بعد اوسط	بعد اقرب
عطارد	۴۳۶۶۵۵۶۰	۳۵۳۹۲۶۳۸	۲۸۱۱۹۷۱۶
زہرہ	۶۶۵۸۵۹۳۷	۶۶۱۳۱۴۷۸	۶۵۶۷۷۰۰۹
زمین	۹۲۹۶۵۴۸۹	۹۱۴۳۰۲۲۰	۸۹۸۹۴۹۵۱
مریخ	۱۵۲۲۸۳۹۳۶	۱۳۹۳۱۲۲۳۶	۱۲۶۳۴۰۵۱۶
مشتری	۴۹۸۶۰۳۷۶۸	۴۷۵۶۹۳۱۴۹	۴۵۲۷۸۲۵۳۰
زحل	۹۲۱۱۰۵۰۲۷	۸۷۲۱۳۴۵۸۳	۸۲۳۱۶۴۱۳۹
یورینس	۱۸۳۵۷۰۰۸۲۵	۱۷۵۳۸۵۱۰۵۲	۱۶۷۲۰۰۱۲۷۹
پیچوان	۲۷۷۰۲۱۷۳۴۴	۲۶۴۶۲۷۲۲۳۲	۲۷۲۲۳۲۵۱۲۰

سیاروں کی حرکت دوری و محوری

سیارہ	حرکت دوری	حرکت محوری
عطارد	۳ ماہ	۲۴٫۹۱ گھنٹہ
زہرہ	۷½ ماہ	۲۳٫۳۵ 〃
زمین	ایک سال	۲۴٫۰۰ 〃
مریخ	۲ سال	۲۴٫۶۶ 〃
مشتری	۱۲ سال	۹٫۹۲ 〃
زحل	۲۹ سال	۱۰٫۳۸ 〃
یورینس	۸۴ سال	۱۰٫۰۰ 〃
نیپچون	۱۶۴ سال	۱۰٫۰۰ 〃

نظام شمسی

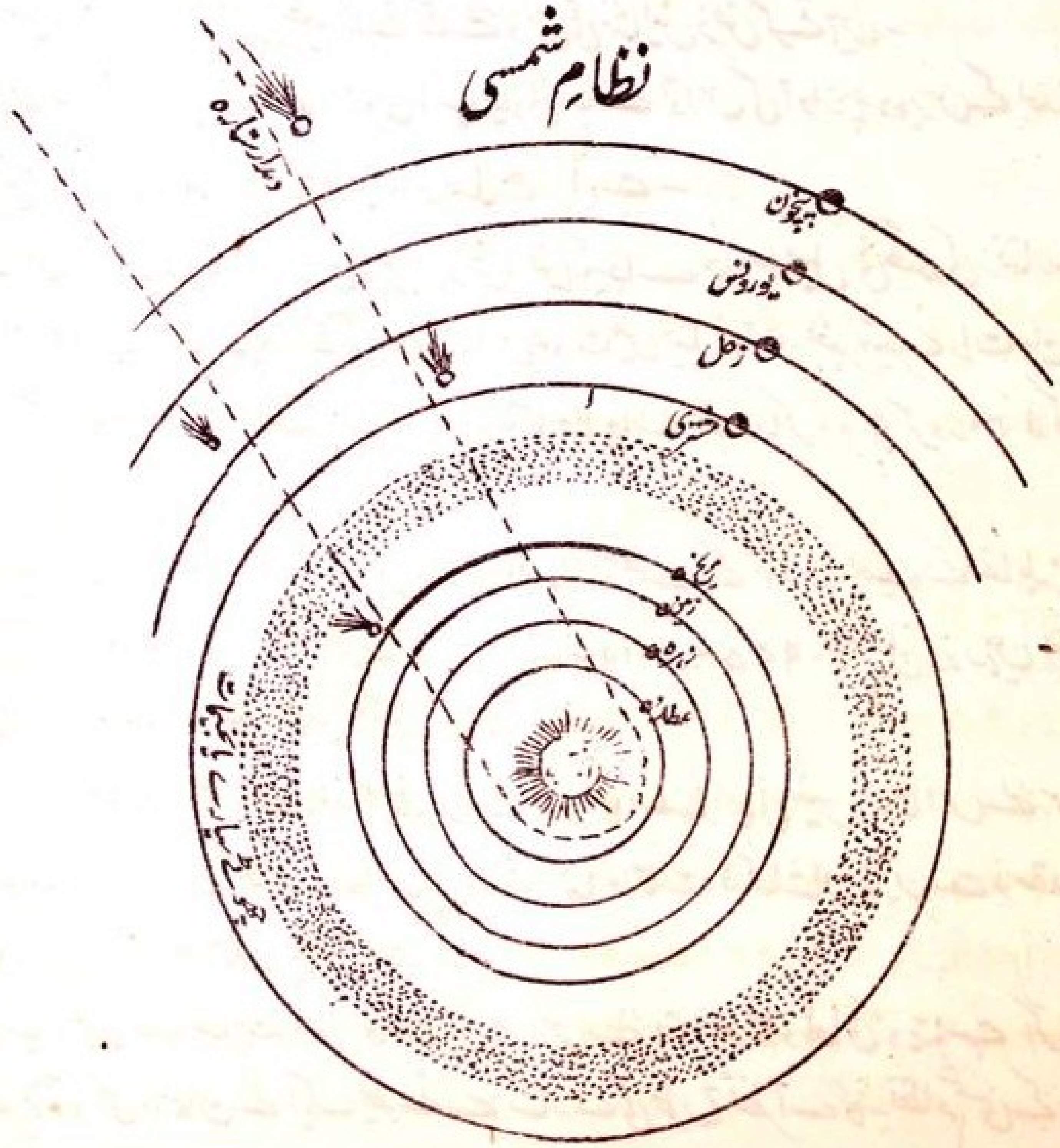

کرۂ آفتاب

کائنات میں آفتاب کی اہمیت ظاہر میں آفتاب ایک روشن قرص ہے جو ہر صبح مشرق سے نکلتا اور شام کے وقت مغرب میں ڈوب جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ روشن قرص ایک عظیم الشان کرہ ہے جو زمین سے کروروں میل فاصلہ پر رہ کر ہم کو روشنی اور حرارت پہونچاتا ہے۔ کرۂ شمسی معدنیات، نباتات، اور حیوانات کی پیدائش کا سبب ہے۔ اگر آفتاب دفعتہً معدوم ہو جائے تو زمین اپنے مدار کو چھوڑ کر خط مستقیم پر حرکت کرتی ہوئی خدا جانے کہاں سے کہاں جا پہونچے اور کس جرم سماوی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ اگر آفتاب نہ ہو تو دریا، چشمے، سمندر سب منجمد ہو جائیں۔ شدت برودت سے موالید ثلثہ فنا ہو جائیں، نہ زمین موسم بہار میں اپنی سبز رنگ پوشاک میں جلوہ گر ہو، نہ پرندے زم و نازک شاخوں پر چہچہائیں، نہ اہلی اور وحشی حیوانات میں سے کوئی جانور زمین پر باقی رہے۔ بلکہ خود حضرت انسان کا کہیں پتہ نہ ہو جو اپنے کو زمین کا مالک بلکہ ساری کائنات کی علت غائی سمجھتا ہے۔

زمین سے آفتاب کا بعد آفتاب زمین سے ۹۲۸۹.... میل دور ہے۔ لیکن صرف ہندسوں سے اس بعد کی عظمت ظاہر نہیں ہو سکتی اس لئے ہم اس کو ذہن نشین کرنے کے لئے ذیل کی مثالیں فرض کرتے ہیں۔

۱۔ اگر بالفرض آفتاب پر ایک عظیم الشان توپ چلائی جائے تو اس کی آواز چودہ برس کے بعد زمین تک پہونچے گی حالانکہ آواز پانچ سکنڈ میں ایک میل سے زیادہ فاصلہ طے کرتی ہے۔

۲۔ اگر زمین اور آفتاب کے درمیان ریل گاڑی فرض کی جائے جو ۳۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کرتی ہو تو وہ ۳۴۱ سال میں آفتاب تک پہونچے گی۔ اور یہ اُس صورت میں جبکہ گاڑی بغیر ٹھیرے رات دن حرکت کرتی رہے۔

۳۔ اگر کوئی شخص ۱۰ مہینے تک رات دن برابر گنتا چلا جائے، تب جا کر وہ ۹ کروڑ ۲۸ لاکھ میل کی گنتی ختم کر سکے گا۔

آفتاب اور زمین کا فاصلہ باوجود اس مافوق الادراک عظمت کے ثوابت بعیدہ کے مقابلہ میں ایک نہایت حقیر فاصلہ ہے۔ ثریا کے ستارے زمین سے ۲۰۹۹۵۶۵۶۱۹۲...... میل دور ہیں اور کہکشاں کی دوری ۳۳۲۴۳۴۳۱۴۴۳...... میل قیاس کی گئی ہے۔

چونکہ اس قسم کے ابعاد عظیمہ کے ظاہر کرنے میں ہندسوں کا سلسلہ کافی نہیں ہوتا اس لئے سہولت فہم کے لئے یہ ابعاد حرکت نور کے ذریعہ سے سمجھائے جاتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ کہکشاں زمین سے اسقدر دور ہے کہ اس کی روشنی ۳ ہزار سال میں زمین تک پہونچتی ہے۔

آفتاب زمین سے نہایت دور فاصلہ پر ہے اس لئے اتنا چھوٹا دکھائی دیتا ہے اگر وہ ہم سے اور زیادہ دور ہو جائے تو وہ بھی آسمان کے ایک چھوٹے سے ستارے کی طرح نظر آئے گا۔ نظام شمسی کے سیارات عظیمہ سے

آفتاب ذیل کی نسبت سے نظر آتا ہے۔

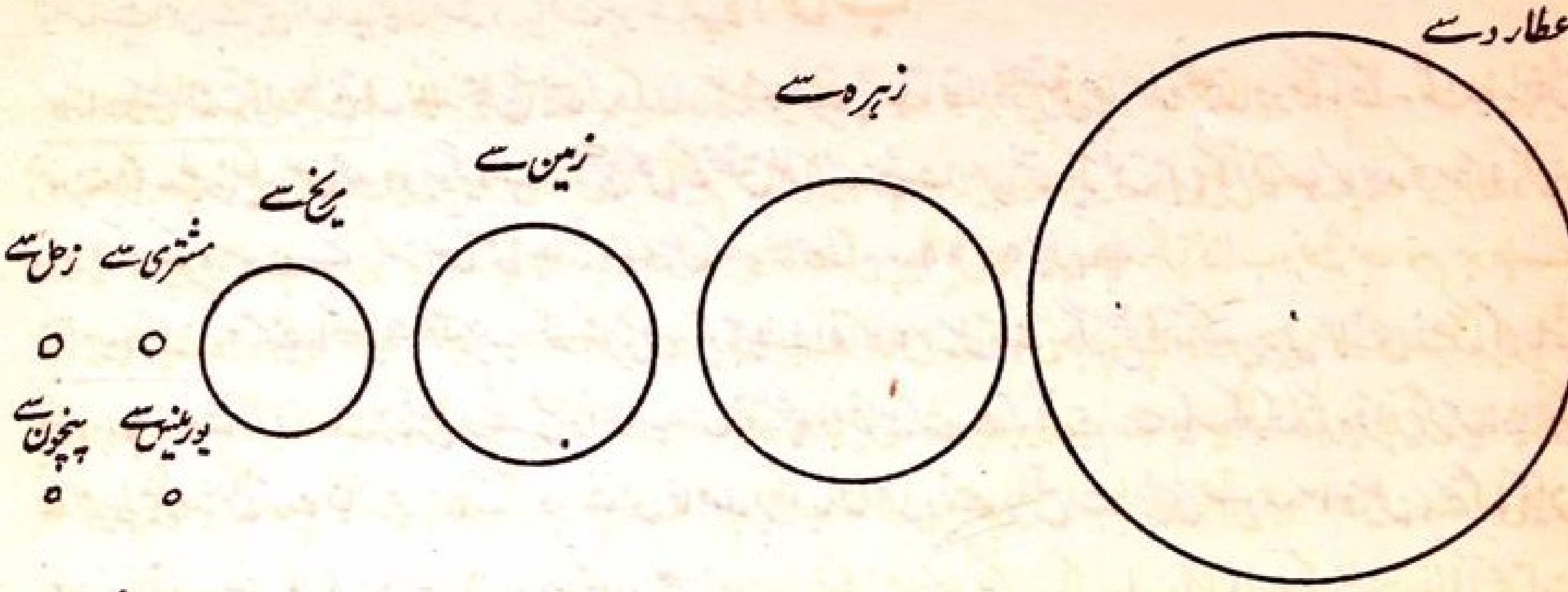

آفتاب کا بُعد کس طرح معلوم کرتے ہیں آفتاب کا بعد معلوم کرنے کے تین طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ حساب مثلثات پر مبنی ہے، اور اُس کی صورت یہ ہے کہ ایک خط زمین سے نکل کر مرکز آفتاب سے گزرتا ہوا آسمان تک فرض کیا جاتا ہے اور دوسرا محیط زمین سے مرکز شمس پر گزرتا ہوا آسمان تک مانا جاتا ہے، یہ دونوں خط آفتاب پر ایک زاویہ بناتے ہیں اور اُن سے ایک مثلث بنتا ہے جس کا قاعدہ زمین کا نصف قطر ہوتا ہے۔ اس مثلث کی ساقیں آفتاب پر تقاطع کرتے ہوئے آسمان تک منتہی ہوتے ہیں۔ آسمان پر ان دونوں کے درمیان ایک قوس بنتا ہے جسے قوس اختلاف افقی کہتے ہیں۔

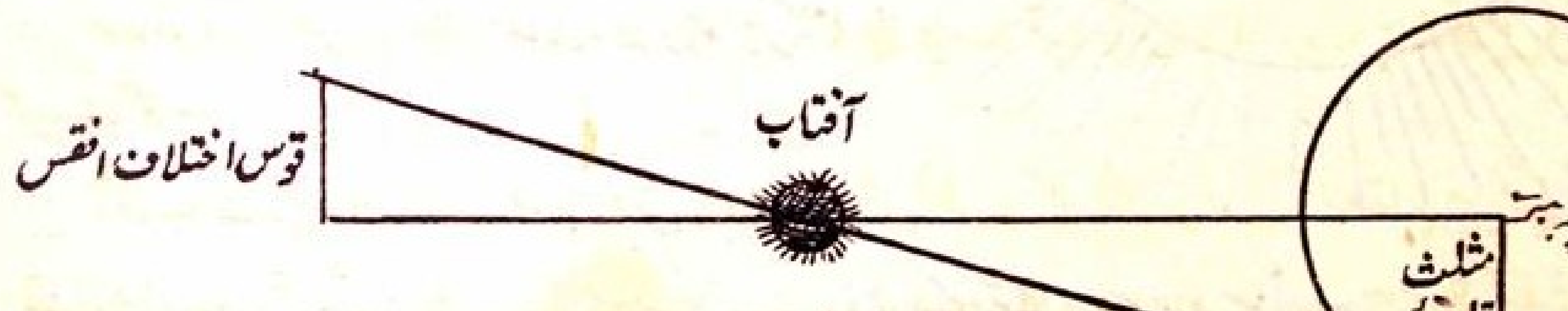

جس قدر کوئی جرم زمین سے قریب ہو گا اس قدر اختلاف افقی بڑھ جائے گا اور جس قدر بعید ہو گا اسی نسبت سے کم ہو جائے گا قاعدہ مثلث کی پیمائش اور قرب و بعد سے قوس اختلاف کی نسبت معلوم کرنے سے بتایا جا سکتا ہے کہ آفتاب جو ۹ درجہ کا قوس اختلاف بناتا ہے زمین سے کتنے فاصلہ پر ہے۔

دوسرا طریقہ حرکت نور کا ہے۔ حرکت نور کی سرعت، اور زمین کی دوری حرکت کی رفتار معلوم کر کے بُعد شمسی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

تیسرا طریقہ آفتاب کی جاذبیت پر مبنی ہے ۔ آفتاب قرب و بعد کے لحاظ سے سیاروں پر جس نسبت سے اپنی جاذبیت کا اثر ڈالتا ہے اس سے بھی آفتاب کا فاصلہ دریافت ہوسکتا ہے ۔

پہلے اِن تینوں طریقوں کے نتائج میں کروڑوں میل کا فرق پڑ جاتا تھا اور حقیقی بعد معلوم نہیں ہو سکتا تھا ۔ مگر اب یہ اختلاف صرف ایک ملین میل میں محدود ہوگیا ہے ۔ آج کل کے محقق علمائے ہیئت اس نتیجہ پر متفق ہیں کہ آفتاب کا بعد اوسط ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ کے درمیان ہے ۔ اور بعض قطعی فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ فاصلہ ۹۲۸۹۰۰۰۰ میل ہے ۔

آفتاب کا قطر آفتاب کا قطر آٹھ لاکھ چھیاسٹھ ہزار میل ۔ اور محیط ۲۷۲۱۷۴۱ میل ہے ۔ اگر سطح آفتاب پر ریل گاڑی فرض کی جائے تو وہ اس مسافت کو دس سال میں قطع کر سکے گی ۔ آفتاب اس قدر عظیم الشان کرہ ہے کہ اگر ہم اسے ایک کھوکھلا کرہ فرض کریں اور اس کے مرکز پر زمین فرض کر کے چاند کو اس کے گرد اتنے ہی فاصلہ پر جیسا کہ اس وقت واقع ہے (یعنی ۲۳۸۸۳۳ میل) متحرک مانیں تو چاند آفتاب کے اندر ہی اندر چکر لگاتا رہے گا اور پھر بھی تقریباً اتنی فضا خالی رہ جائے گی جتنی زمین اور چاند کے درمیان ہے جیسا کہ اس شکل سے ظاہر ہوتا ہے ۔ لیکن آفتاب باوجود اپنی عظمت کے اور ستاروں کی طرح ایک ستارہ ہے اور وہ بھی بہت بڑا نہیں، اس فضائے لامتناہی میں لاکھوں ستارے سورج سے بھی سیکڑوں بلکہ ہزاروں گنے بڑے ہیں اور کائنات عالم میں نظام شمسی کی طرح کروڑوں نظام پائے جاتے ہیں، جن میں متعلق انسان کو کچھ بھی علم نہیں ۔ اس لئے اگر ہمارا آفتاب معدوم ہو جائے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ایک چھوٹے سے ستارے نے جھلملانا چھوڑ دیا ۔ آفتاب

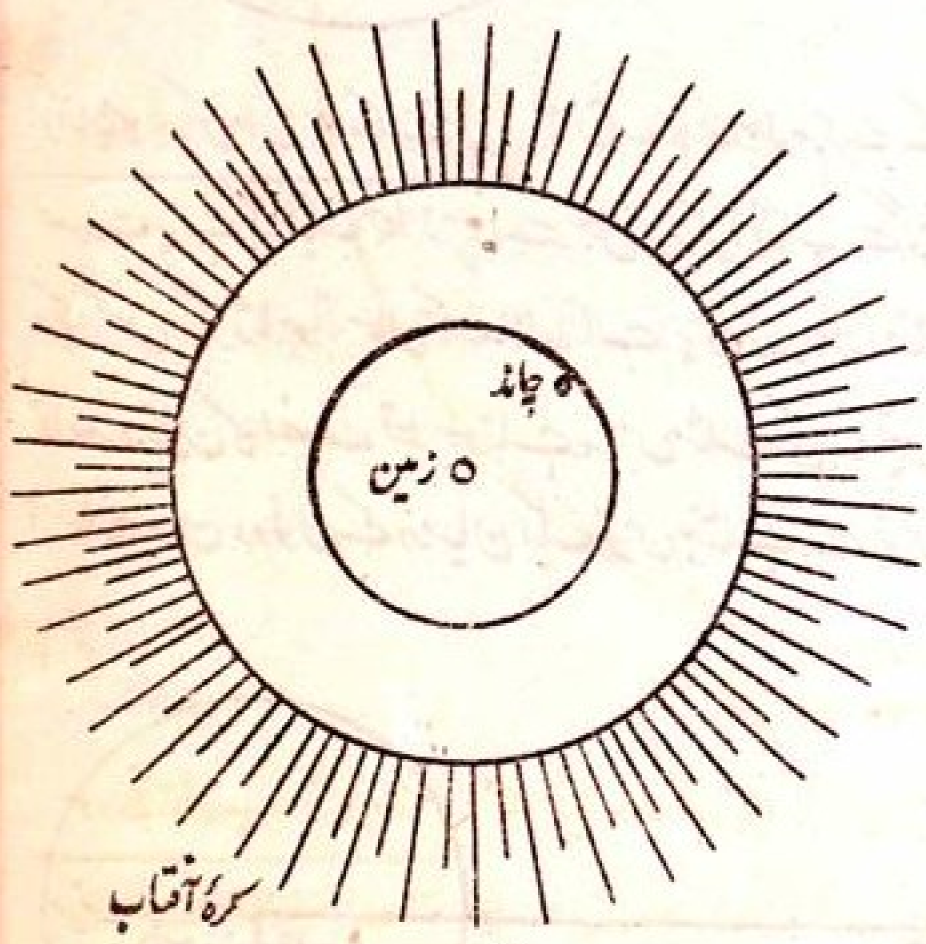

کرۂ آفتاب

اپنے سیاروں سے حجم کے لحاظ سے جو نسبت رکھتا ہے وہ ذیل کے اشکال سے ظاہر ہوگی ۔

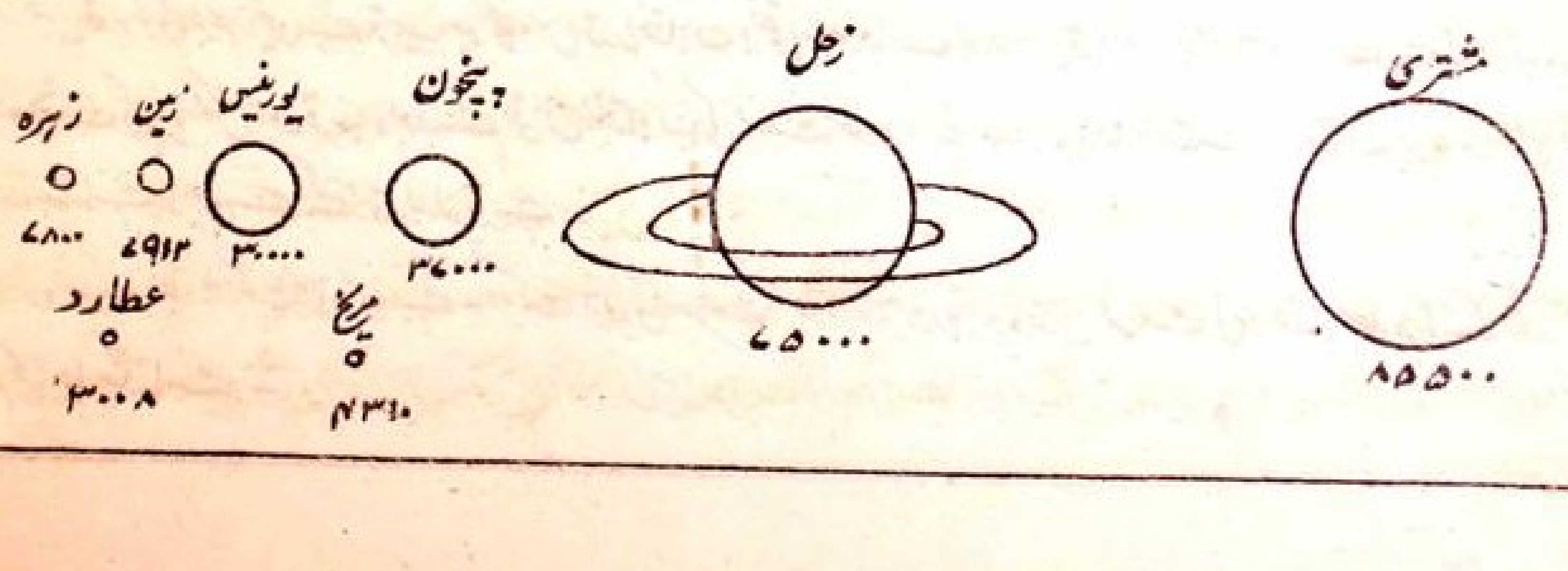

آفتاب

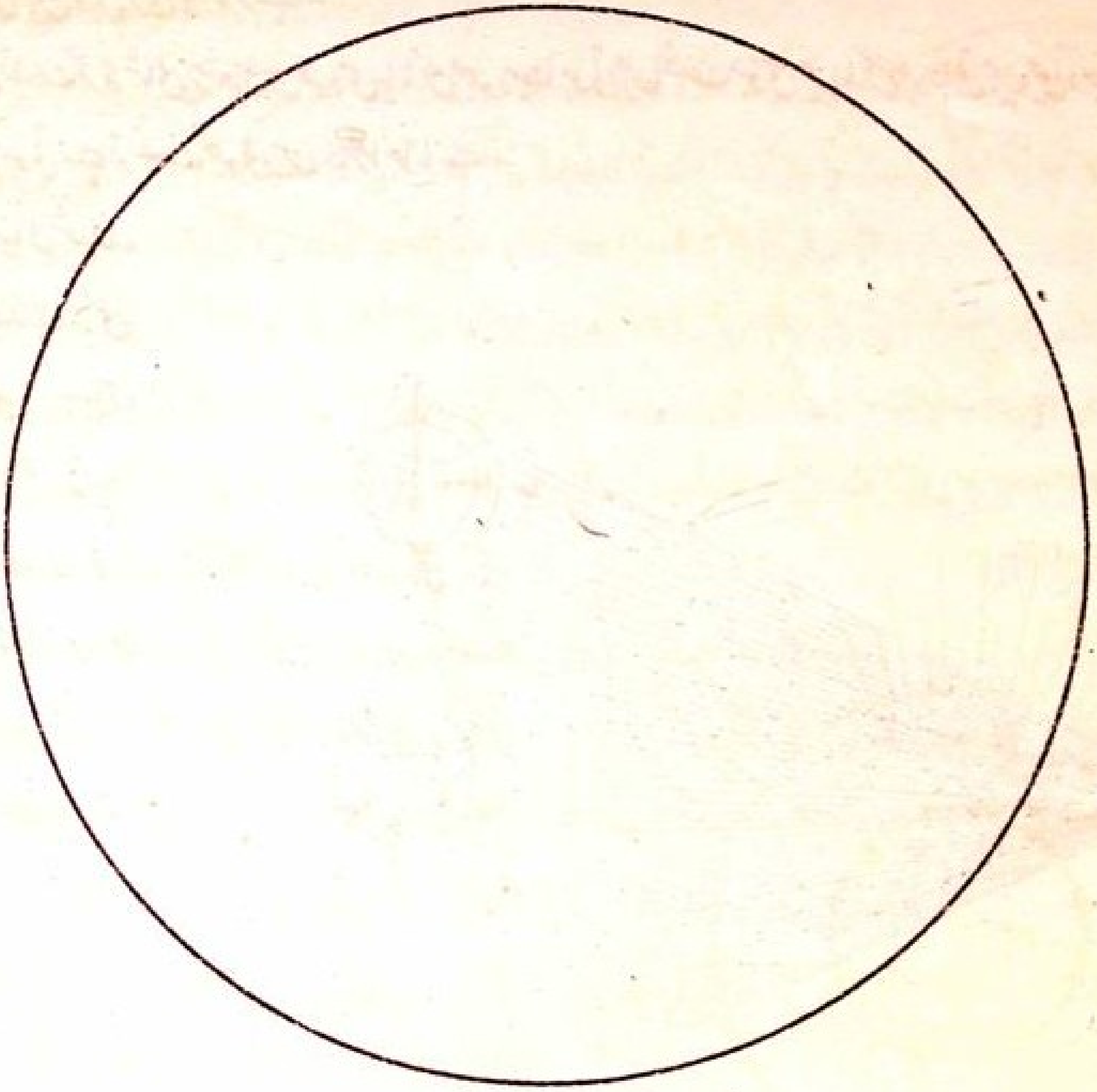

قطر ۸۶۶۰۰۰ میل

سورج کے گرد سیاروں کی حرکت تمام سیارے سورج کے گرد اہلیلجی شکل کے مدارات پر حرکت کرتے ہیں اور چونکہ آفتاب اہلیلجی مدار کے مرکز سے ہٹا ہوا ہے اس لئے سیارے اپنی دوری حرکت میں ایک مرتبہ آفتاب کے قریب اور ایک مرتبہ بعید ہو جاتے ہیں نقطۂ قرب کو حضیض اور نقطۂ بعد کو اوج کہتے ہیں۔ اسی نظام کے ماتحت سیارۂ زمین بھی اپنی سالانہ گردش میں ایک مرتبہ آفتاب سے ۳۲۰۰۰۰۰ میل قریب اور ایک مرتبہ اسی قدر بعید ہو جاتا ہے۔ غایت قرب ۲۲ ستمبر کو اور غایت بعد ۲۲۔ جون کو ہوتا ہے۔

بظاہر حیرت ہوگی کہ قرب جاڑے کے موسم میں اور بعد گرمی کے موسم میں ہوتا ہے حالانکہ اس کا عکس ہونا چاہئے تھا۔ بات یہ ہے کہ ۹ کروڑ میل کے مقابلہ میں ۳۲ لاکھ میل کا فاصلہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا اور نہ زمین کی سردی اور گرمی پر کچھ زیادہ اثر ڈال سکتا ہے۔ اختلاف فصول اور حرارت کی کمی اور بیشی کا اصلی سبب آفتاب کی شعاعوں کا سیدھا اور ترچھا پڑنا ہے۔ چونکہ زمین کی گردش ٹھیک خطِ استوا پر نہیں ہے بلکہ وہ اُسے قطع کر کے ۲۳½ درجہ شمالاً اور اسی قدر جنوباً مائل ہو جاتی ہے اسلئے میلان حرکت سے کبھی شعاعیں سیدھی اور کبھی ترچھی پڑتی ہیں۔ ترچھی شعاعوں میں حرارت کم ہوتی ہے، اور سیدھی میں زیادہ، اس لئے جس زمانہ میں انتہائی

میلان ہوتا ہے وہ جاڑے کا موسم ہے اور جس زمانے میں متوسط میلان ہوتا ہے وہ بہار اور خزاں کی فصلیں ہیں اور جب شعاعیں کامل عمودی یا مائل بہ عمودیت ہوتی ہیں وہی گرمی کا موسم ہے۔

جس زمانہ میں نصف کرہ شمالی پر شعاعیں عمودی یا مائل بعمودیت ہوتی ہیں نصف جنوبی میں مائل ہو جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ جب نصف کرہ شمالی میں گرمی ہوتی ہے تو نصف جنوبی میں جاڑا ہوتا ہے۔

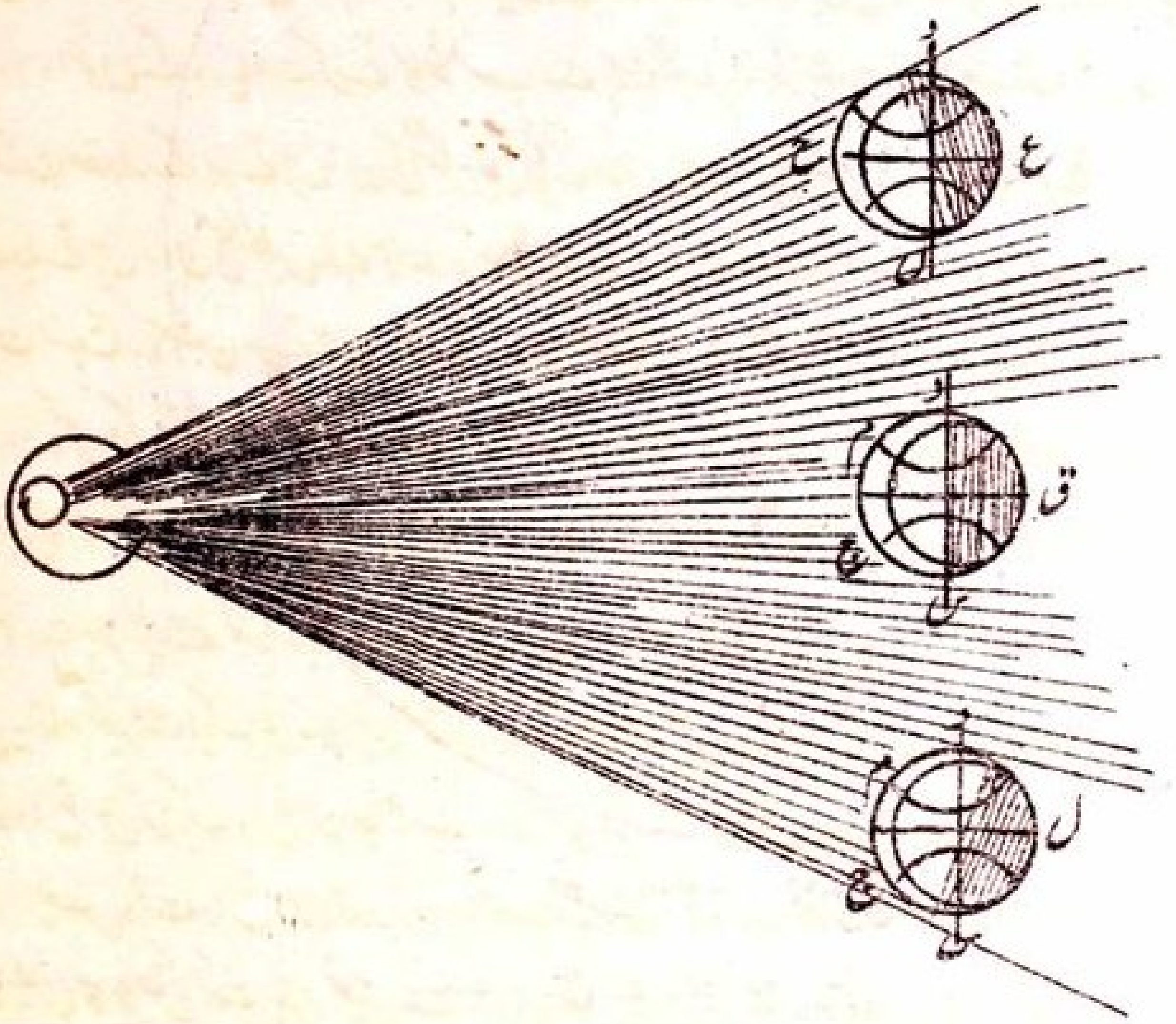

ذیل کی شکل سے آفتاب کی شعاعوں کی عمودیت اور میلان اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ جب زمین مقام ق پر ہوگی تو م ج کے درمیان شعاعیں عمودی اور م د اور ج ت کے درمیان مائل ہوں گی، اور جب زمین مقام ع پر ہوگی تو م ج پر مائل اور د م پر پہلی حالت سے بھی زیادہ مائل اور ج ت پر مائل بعمودیت ہو جائیگی اسی طرح جب مقام ل پر پہونچے گی تو حالت اس کے خلاف ہو جائیگی۔

آفتاب کا دوربینی منظر اور مظاہر شمسی

خالی آنکھ سے آفتاب ایک صاف اور روشن کرہ نظر آتا ہے جس پر کہیں داغ یا دھبہ نہیں ہے۔ لیکن اگر اسے دوربین سے دیکھیں تو اس کی سطح روشن پر بہت سے سیاہ داغ نظر آئیں گے۔ قدما کے پاس چونکہ خالی آنکھ کے سوا کوئی دوربین نہ تھی جس سے وہ اجرام سماوی کے حالات معلوم کرتے اس لئے وہ یہی سمجھتے رہے کہ آفتاب صاف روشن اور بالکل بے عیب ہے۔

ایک مرتبہ ایک عیسائی راہب کے مرید نے قرص شمسی پر ایک سیاہ داغ دیکھا اور اپنے مرشد کو اس کی خبر دی اس نے کہا کہ میں نے تمام قدیم فلاسفہ کی کتابیں پڑھی ہیں، سب کا اس پر اتفاق ہے کہ جرم آفتاب نہایت صاف وشفاف ہے اور کہیں بھی اختلاف رنگ یا داغ وغیرہ نہیں ہے اس لئے جو داغ تمھیں نظر آیا ہے یا تو وہ تمھاری آنکھ میں ہے یا اس شیشہ میں ہے جس سے تم نے آفتاب

کو دیکھا ہے۔

مسلمانوں میں بھی یہ خیال چلا آتا ہے کہ قرص آفتاب کے وسط میں ایک چھوٹا سا سیاہ داغ ہے لیکن جدید تحقیقات سے قبل لوگ اسے محض وہم خیال کرتے رہے۔ چونکہ آفتاب کے بے داغ ہونے کا خیال طبائع میں راسخ ہو چکا تھا اس لئے جب سطح آفتاب پر کوئی داغ وغیرہ نظر آتا تھا تو اُسے واہمہ کے مغالطہ سے زیادہ وقعت نہیں دی جاتی تھی۔ لیکن اب جدید اکتشافات اور دوربینی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ آفتاب کا جرم ایسا صاف اور بے داغ نہیں ہے جیسا کہ پہلے خیال تھا بلکہ اس پر ہر وقت بے قاعدہ شکل کے بہت سے داغ نظر آتے رہتے ہیں جن سے شاذ و نادر ہی سطح آفتاب خالی ہوتی ہے۔

داغوں کے دریافت کرنے کا فخر سب سے پہلے گلیلیو اور فبریشیدس نے سنہ ۱۶۱۰ء میں حاصل کیا ہے۔ یہ داغ مختلف صورت اور مختلف مقدار کے ہوتے ہیں، ان کی شکل بھی ایک حال پر نہیں رہتی، نیز یہ داغ دائمی طریقے پر نہیں پائے جاتے بلکہ ظاہر ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں۔ ان کی شکلیں بے قاعدہ ہوتی ہیں۔ داغ کا درمیانی حصہ زیادہ سیاہ ہوتا ہے اور اطراف نسبتاً روشن ہوتے ہیں۔ حصۂ مرکزی "نواۃ" اور حصۂ محیط ظل یا ظلیل کہلاتا ہے۔

آفتاب کا داغ

کبھی ایک ظل میں متعدد نواۃ پائے جاتے ہیں اور کبھی نواۃ بغیر ظل کے بھی دیکھا گیا ہے۔

نواۃ حقیقت میں بالکل سیاہ نہیں ہے، بلکہ آفتاب کے جرم روشن کے مقابلہ میں سیاہ نظر آتا ہے پھر بڑھنے لگتا ہے یہاں تک کہ اپنے انتہائی حجم کو پہونچ جاتا ہے پھر چھوٹا ہو کر معدوم ہو جاتا ہے۔

کبھی یہ تمام تغیرات ایک ہی دن میں ختم ہو جاتے ہیں اور کبھی یہ مراحل مہینوں میں طے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دو تین یا اس سے زیادہ داغ مل کر ایک داغ بن جاتا ہے۔ اور کبھی ایک داغ تقسیم ہو کر متعدد داغوں کی صورت میں نظر آتا ہے۔

بعض وقت داغ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ خالی آنکھ سے نظر آنے لگتا ہے جون سنہ ۱۸۴۳ء میں ایک عظیم الشان داغ نظر آیا تھا جس کا عرض ۷۷ ہزار میل سے زیادہ تھا۔ یہ داغ آٹھ دن تک خالی آنکھ سے نظر آتا رہا۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں جو داغ نظر آئے تھے۔ اُن سب کی مجموعی مساحت تین ارب اٹھتر کروڑ میل تھی۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں ایک داغوں کا مجموعہ دکھائی دیا تھا جس میں تنہا ایک داغ کی مساحت دو ارب چورانوے کروڑ میل تھی۔ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء میں آفتاب کے مشرقی کنارہ پر ایک داغ نظر آیا تھا جس کا طول چند دنوں کے بعد ۲ لاکھ ۲۵ ہزار میل اور عرض ۴۷ ہزار میل ہو گیا تھا۔ یہ داغ چالیس دن تک قائم رہا۔

بعض وقت داغوں میں اس قدر سریع تغیر ہوتا ہے کہ دیکھتے دیکھتے اُن کی شکل کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے اس سریع تغیر کی وجہ وہ تلاطم ناری ہے جو سطح آفتاب پر نہایت شدت سے ہوتا رہتا ہے۔ اس تلاطم کی رفتار ایک ہزار میل فی گھنٹہ سے بھی کم نہیں ہوتی۔

داغوں کی حرکت عموماً داغ آفتاب کے مشرقی کنارہ پر نظر آتے ہیں پھر چودہ دن میں مغربی کنارے پر پہونچکر غروب ہو جاتے ہیں پھر چودہ دن کے بعد دوبارہ مشرقی کنارے سے طلوع کرتے ہیں۔ چونکہ داغ آفتاب کی سطح پر پائے جاتے ہیں اس لئے اُن کی

حرکت سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب اپنے محور پر ۲۸ دن میں گھوم جاتا ہے۔

ولسن نے نہایت غور و تدقیق سے داغوں کا مطالعہ کیا اور نہایت تحقیق کے بعد اُس نے یہ ثابت کیا کہ داغ سطح آفتاب پر بطور گڑھوں کے ہیں۔ سب سے زیادہ عمیق حصہ نواۃ ہے۔ نواۃ پر ظل محیط ہوتا ہے جو تدریجاً بلند ہوتے ہوتے سطح آفتاب کی برابر ہو جاتا ہے۔

ولسن کی تحقیق تمام علمائے ہیئت نے تسلیم کر لی تھی اور ایک عرصہ تک اسے عین حقیقت خیال کیا جاتا تھا۔ خاص کر جب ڈولرنے ۱۸۷۰ء میں آفتاب کی متعدد تصویریں لیں اور اُنھیں سیریو سکوپ[1] سے دیکھا گیا تو حقیقت اور بھی واضح ہو گئی۔ ۱۸۸۶ء میں ہولٹ، برطانوی نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور داغوں کی مختلف تصویریں پیش کر کے ثابت کیا کہ ولسن کی رائے عام طور پر صحیح نہیں ہے بلکہ بہت سے داغ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کی سطح آفتاب کی سطح نورانی سے بہت بلند ہے۔ اس وقت سے علمائے ہیئت کے دو فریق ہو گئے ہیں بعض ولسن کی رائے کو صحیح مانتے ہیں اور بعض ہولٹ کے ہم خیال ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہولٹ کے دلائل سے ولسن کا مذہب پوری طرح باطل نہیں ہوتا اگرچہ بعض اصول کی تغلیط ضرور ہوتی ہے۔

داغوں کی عمر داغوں کی عمر بھی مختلف ہے بعض صرف ۲۴ گھنٹہ تک رہتے ہیں اور بعض چند ہفتوں تک نظر آتے ہیں۔ ۱۸۴۰ء میں ایک داغ دیکھا گیا تھا جس نے آفتاب کے گرد پورے ۹ چکر لگائے اور آٹھ مہینے تک باقی رہا۔ ۱۹۰۲ء تک قائم رہا اور اس عرصہ میں اُس نے آفتاب کے پورے پانچ چکر کئے۔ ہر دورہ میں یہ مجموعہ آفتاب کے خط استواء سے جنوب کی طرف ہٹتا جاتا تھا یہانتک کہ آخر میں ۱۷ درجہ سے ۲۸½ درجہ عرض جنوبی تک پہونچ گیا۔ داغوں میں عرضی حرکت پائی جاتی ہے لیکن اس مجموعہ نے جس قدر عرضی حرکت کی اس کی مثال ابتک نہیں پائی گئی۔

داغوں کی کمی بیشی کا خاص زمانہ سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ آفتاب کے داغوں کے گھٹنے اور بڑھنے کا ایک خاص زمانہ ہوتا ہے۔ قلت و کثرت کا یہ دور ہر گیارہ سال میں ختم ہوتا ہے یعنی ۳½ سال تک داغ بڑھتے بڑھتے انتہائی حد تک پہونچ جاتے ہیں پھر تدریجاً گھٹنے شروع ہوتے ہیں اور ۷½ سال تک گھٹتے گھٹتے بہت کم رہ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات جرم شمس داغوں سے بالکل صاف نظر آتا ہے۔ بڑے داغ عموماً دور کثرت میں نظر آتے ہیں اور کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ جس دور سے ہم گزر رہے ہیں یہ داغوں کی کثرت کا دور ہے جو ۱۹۲۵ء میں ختم ہو جائیگا۔ اس باقاعدہ کمی و بیشی کا کیا سبب ہے؟ یہ راز عقول بشری کی پرواز سے ابھی تک بالاتر ہے۔

داغوں کا محل حدوث عموماً آفتاب کے داغ چھ درجے سے ۳۵ درجہ آفتاب کے عرض شمالی اور جنوبی میں منحصر رہتے اور ان دونوں منطقوں سے باہر شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں۔ اور نصف کرہ شمالی میں بہ نسبت نصف جنوبی کے زیادہ

---

[1] یہ وہ آلہ ہے جس سے تصویر جسم مجسم نظر آتی ہیں ۱۲

ہوتے ہیں اور ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ زمانہ کثرت میں نصف شمالی میں زیادہ ہوتے ہیں اور جب کمی کا زمانہ آتا ہے تو نصف جنوبی میں اِن کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ آفتاب کے داغ مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتے ہیں اور اس باقاعدہ حرکت سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب اپنے محور پر ۲۸ دن میں ایک مرتبہ گھوم جاتا ہے۔ مگر حیرت میں ڈالنے والی بات یہ ہے کہ تمام داغ ایک نسبت سے حرکت نہیں کرتے جو داغ خط استوائے شمسی کے قریب ہوتے ہیں وہ سریع حرکت کرتے ہیں اور جو دور ہوتے ہیں اُن کی حرکت آہستہ ہوتی ہے۔

آفتاب کے داغ اور زمین کا نظام برقی

آفتاب کے داغوں میں اور زمین کے نظام برقی میں ایک خاص تعلق ہے جب آفتاب کی سطح پر زیادہ داغ پائے جاتے ہیں تو مقناطیسی سوئی کا اضطراب اور میلان بڑھ جاتا ہے اس مسئلہ کو تفصیلاً یوں سمجھنا چاہیئے کہ قطب نما یا مقناطیسی سوئی شمالِ حقیقی کی طرف نہیں ہوتی بلکہ بعض بلاد میں نقطۂ شمال سے مشرق کی طرف اور بعض میں مغرب کی طرف مائل رہتی ہے۔ نیز یہ سوئی ایک حالت پر قائم نہیں رہتی بلکہ جب شہاب ثاقب اور رعد و برق کی کثرت ہوتی ہے تو اس میں ایک خاص اضطراب بھی بڑھ جاتا ہے۔ فروری سنہ ۱۸۹۲ء میں جو عظیم الشان داغ نظر آیا تھا جب وہ دوپہر کے وقت قرص آفتاب کے مرکز پر پہونچا تو مقناطیسی سوئی اور نظام برقی میں ایک عظیم الشان اضطراب پیدا ہو گیا۔ اور کچھ دیر کے لئے ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کے تار بالکل معطل ہو گئے تھے۔

بعض کا خیال ہے کہ بارش کی کمی و بیشی کو بھی آفتاب کے داغوں سے خاص علاقہ ہے لیکن یہ مسئلہ ابھی پایہ ثبوت کو نہیں پہونچا ہے۔

مشاعیل شمسی

مظاہر شمسی میں مشاعیل بھی عجیب و غریب چیز ہیں۔ یہ نہایت روشن سفید اور سرخ شعلے ہوتے ہیں جو آفتاب کے کنارے نظر آتے ہیں۔ یہ شعلے آفتاب پر ہر جگہ پائے جاتے ہیں لیکن کناروں پر ان کا دیکھنا زیادہ آسان ہے۔

کسوف کامل کے وقت یہ شعلے اور بھی زیادہ صاف نظر آتے ہیں اُس وقت یہ شعلے بڑے پہاڑوں اور گھنے بادلوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ اِن شعلوں کی دو قسمیں ہیں۔ شعلہ ہائے سحابی اور شعلہ ہائے ناری۔ سحابی اور ناری شعلوں میں فرق یہ ہے کہ سحابی زیادہ پائدار اور پُرسکون ہوتے ہیں اور کئی کئی دن تک ان میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوتا اور سحاب ارضی کی طرح کبھی ہلکے اور کبھی غلیظ ہوتے ہیں۔

شعلہ ہائے ناری نہایت سرعت سے فضا میں بلند ہوتے ہیں ان کی سرعت ایک سکنڈ میں ۱۰۰ میل سے زیادہ مشاہدہ کی گئی ہے۔ ۷۔ اکتوبر سنہ ۱۸۸۰ء میں ایک شعلہ دیکھا گیا جو ۴۰۰۰۰ میل تک بلند ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی بلندی ۸۰۰۰۰ میل تک پہونچ گئی تھی، دوسرے گھنٹہ میں اس کی لمعانیت حد سے زیادہ بڑھ گئی اور ۳۵۰۰۰۰ میل تک اونچا ہو گیا اور جب اس بلندی تک پہونچا تو یکایک بجھ گیا، یہ تمام انقلابات اور تغیرات صرف دو گھنٹے میں

ختم ہو گئے۔

آفتاب کے داغوں کے گرد بھی اس قسم کے شعلے نظر آتے ہیں۔ اور ہر طرف سے داغ کا احاطہ کر لیتے ہیں اسوقت ان کی شکل بید کے پتوں سے مشابہ ہوتی ہے۔

کرہ رنگین یہ ایک غلاف کی طرح ہے جو سطح نورانی کے ہر طرف محیط نظر آتا ہے۔ دوربین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلاف بخارات ناری کا ایک عظیم الشان سمندر ہے جس کا عمق ۲ ہزار سے چھ ہزار میل تک دیکھا گیا ہے۔ یہ کرہ پورے گہن کے وقت گلابی رنگ کا نظر آتا ہے جس میں ہر وقت ایک عظیم الشان اور فائق الادراک تلاطم اور تموج برپا رہتا ہے۔

اسپکٹر اسکوپ[1] کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کرہ رنگین میں ہائڈروجن اور ہیلیم دو عنصر پائے جاتے ہیں۔ عنصر ہیلیم پہلے آفتاب میں دریافت ہوا تھا اور عناصر ارضی میں اس کا پتہ نہیں تھا۔ لیکن ۱۸۹۵ء میں پروفیسر رمزے کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ زمین پر بھی اس کا وجود ہے۔

اکلیل یہ ایک مختلف الحدود روشنی ہے جو کسوف کامل کے وقت آفتاب کے گرد نظر آتی ہے۔ قدماء نے بھی اس کا مشاہدہ کیا تھا مگر اس کے متعلق تحقیقات کا سلسلہ کیپلر سے شروع ہوتا ہے۔ اس جھلکتی ہوئی روشنی کو اصطلاح میں اکلیل کہتے ہیں۔ اکلیل کے اطراف فضا میں دور تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں جو لمبی لمبی نورانی شعاعوں کی صورت میں ہوتے ہیں۔ اور کبھی یہ روشنی پھیلتی نہیں ہے۔ بلکہ ایک حلقہ کی طرح آفتاب پر محیط نظر آتی ہے۔ اکلیل اور آفتاب کے داغوں میں بھی خاص تعلق ہے جس زمانہ میں داغ کثرت سے ہوتے ہیں اکلیل بھی بڑا نظر آتا ہے۔

اکلیل کی ماہیت کیا ہے اور یہ کیوں نظر آتا ہے اس کے متعلق انسان کی تحقیق کسی فیصلہ کن اور تسلی بخش نتیجہ تک نہیں پہونچی ہے۔

آفتاب کے عناصر اور اسپکٹر اسکوپ اسپکٹر اسکوپ ایک آلہ ہے جس میں ایک مثلثی شیشہ ہوتا ہے مثلثی شیشہ کا قاعدہ ہے کہ وہ روشنی کے الوان سبعہ کی تحلیل کر کے ہر ایک کو ترتیب وار دکھاتا ہے (جس طرح کہ قوس قزح میں یہ رنگ نظر آتے ہیں) اسپکٹر اسکوپ کے ذریعہ سے جو عکس ڈالا جاتا ہے وہ مستطیل صورت میں پڑتا ہے جس میں علاوہ ساتوں رنگ کے متعدد سیاہ خطوط بھی نظر آتے ہیں۔ اس عکس مستطیل کو اسپکٹرم یا طیف کہتے ہیں۔

طیف شمسی میں قریب چھ سو کے خطوط پائے گئے ہیں۔ جن میں سے متعدد خطوط کے مواقع متعین ہو گئے ہیں اور ان کے

---

[1] اسپکٹر اسکوپ ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ سے روشنی کی تحلیل ہوتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ جس چیز کی روشنی ہے اس میں کیا کیا اجزا شامل ہیں حتی کہ زمین پر بیٹھے بیٹھے معلوم ہو جاتا ہے کہ اجرام سماوی میں کیا کیا عناصر پائے جاتے ہیں۔ اس آلہ کی تفصیل آگے آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حیرت انگیز آلہ عقول انسانی کا ایک عجیب و غریب نتیجہ ہے ۱۲

نام بھی رکھ دیئے گئے ہیں تجربات سے ثابت ہوگیا ہے کہ یہ خطوط اکثر اُن عناصر کے ہوتے ہیں جو کسی جسم میں اشتعالی حالت میں پائے جاتے ہیں اگر لوہے کو حد بیاض تک حرارت پہونچا کر اُس کا عکس اسپکٹراسکوپ سے ڈالا جائے تو اُس کے طیف میں لوہے کا ایک خاص خط ہوگا جسے ہم خط حدیدی کہہ سکتے ہیں۔ اگر چند عناصر کو ملا کر اُن کا عکس ڈالا جائے تو ہر ایک عنصر کا ایک علحدہ خط نظر آئیگا۔

آفتاب کی روشنی سے جو طیف لیا گیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب میں یہ عناصر پائے جاتے ہیں:- لوہا، ہائیڈروجن، آکسیجن، سوڈیم، کاربن، نکل، میگنیشیم، تانبا، جست، چاندی، سیسہ، پوٹاسیم، الومینیم، کرومیم، اسٹرونیم، کیڈیم، کلسیم، مینگنیز

یہ تمام عناصر سطح شمسی پر گیس کی حالت میں ہیں کیونکہ آفتاب کی حرارت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ جامد سے جامد چیز وہاں گیسی صورت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اگر زمین آفتاب کے قریب سے گزر جائے تو اُس کے ناپیداکنار سمندر، وسیع براعظم، بلند پہاڑ، ایک سیکنڈ میں گیس بنکر فضا میں منتشر ہو جائیں۔

آفتاب کی حرارت آفتاب کی حرارت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ ہم اُس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اگر تمام روئے زمین پر پچاس گز عمیق برف کا ایک غلاف فرض کیا جائے تو آفتاب کی وہ حرارت جو ہر سال ۹ کروڑ میل کے فاصلے سے ہم تک پہونچتی ہے اس حرارت منتشر کا صرف $\frac{1}{......۲۳}$ حصہ زمین کو ملتا ہے اور باقی سے تمام جہات مستفید ہوتے ہیں۔

آفتاب کی روشنی اگر ۵۶۳ شمع آنکھ سے ایک فٹ کے فاصلہ پر جلائی جائیں تو اُن کی روشنی آفتاب کے برابر ہو سکتی ہے دن کی روشنی ۸۰۰ بدر کامل کی روشنی کے برابر ہے۔

مظاہر شمسی کے اسباب اور طبقات شمس مظاہر شمسی یعنی داغ، ظل، ذؤابہ وغیرہ کے اسباب میں علمائے ہیئت نے بہت کچھ اختلاف کیا ہے گلیلیو کا خیال تھا کہ داغ اصل میں ایک سحابی مادہ ہے جو سطح آفتاب سے بلند ہوتا ہے اس ابر کی وجہ سے آفتاب کی سطح روشن چھپ جاتی ہے اور قطعہ سحابی داغ کی صورت میں نظر آتا ہے، ابر کے اطراف چونکہ نسبتاً رقیق اور سطح روشن سے قریب ہوتے ہیں اس لئے وہ مرکزی حصہ سے روشن ہوتے ہیں انھیں کو ہم ظل کہتے ہیں۔ اور مرکزی چونکہ نورانی سطح سے دور اور اطراف کے مقابلہ میں زیادہ غلیظ ہوتا ہے اس لئے وہ سطح روشن کو بالکل چھپا لیتا ہے اور سیاہ داغ کی صورت میں نظر آتا ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ آفتاب کا مادۂ سحابی زمین کے ابر کی طرح نہیں ہے جس سے پانی برستا ہے۔ بالکل وہ ایک گیسی مادہ ہے جس میں مختلف عناصر شامل ہوتے ہیں اور آفتاب کی شدت حرارت کی وجہ سے فضا میں صعود کرتا رہتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ آفتاب ایک جامد اور تاریک کرہ ہے جس پر تین طبقے محیط ہیں۔ یہ طبقے اندر کی جانب سے شمار ہوتے ہیں پہلا طبقہ ایک نورانی غلاف ہے جو سطح پر ہر طرف سے محیط ہے۔ دوسرا طبقہ ایک رنگین غلاف ہے جس میں روشنی کے الوان سبعہ پائے جاتے ہیں۔ تیسرا طبقہ جو سب پر محیط ہے زمین کے کرۂ ہوائی سے مشابہ ہے۔ اس طبقہ کو کرۂ گیسی کہتے ہیں۔ اس خیال کی بنا پر داغوں کی یہ توجیہ ہے کہ بعض اوقات سطح نورانی پھٹ جاتی ہے اور نیچے سے آفتاب کا سیاہ جرم داغ کی صورت میں نظر آتا ہے، داغ کے اطراف چونکہ روشن سطح سے قریب ہوتے ہیں اس لئے وہ داغ کی بہ نسبت زیادہ روشن ہوتے ہیں۔

اور یہی ظل کہلاتے ہیں۔

ماریوس کہتا ہے کہ داغ اصل میں وہ خاکستر ہے جو سطح آفتاب پر احتراقی حالت میں پائی جاتی ہے۔ اور یہی خاکستر جب آفتاب سے علٰحدہ ہو جاتی ہے تو ومدار ستارہ بن جاتی ہے۔

ڈرہام نے یہ توجیح کی ہے کہ آفتاب پر آتش فشاں دہانے نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں، یہ دہانے جب دھویں یا اور کسی سیاہ محترق مادہ کو پھینکتے ہیں تو آفتاب کی نورانی سطح پھٹ جاتی ہے۔ اور اس میں ایک سیاہ غار پیدا ہو جاتا ہے جو داغ کی صورت میں ہمیں نظر آتا ہے۔ جب مادۂ صاعدہ تحلیل ہو جاتا ہے تو اس سوراخ میں سے شعلے بلند ہونے لگتے ہیں جو ظل اور مشعلوں کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔

لالنڈ کا خیال تھا کہ آفتاب پر ایک نورانی سمندر محیط ہے جس میں جا بجا بڑی بڑی چٹانیں ہیں جو سمندر سے اوپر نکلی ہوئی ہیں یہی چٹانیں ہمیں داغوں کی شکل میں نظر آتی ہیں اور چٹانوں کے اطراف اور ریگستانی کنارے ظل کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔

ولسن (۱۷۶۹ء) کی تحقیق یہ تھی کہ آفتاب ایک جامد اور تاریک جرم ہے جس پر ایک روشن مادہ کا غلاف چڑھا ہوا ہے یہ غلاف سیلانی حالت میں ہے۔ جب آفتاب کے اندرونی جرم میں بخارات پیدا ہوتے ہیں تو وہ صعود کر کے غلاف نورانی چاک کر دیتے ہیں اور وہاں سے نیچے کا سیاہ جرم داغ کی طرح نظر آتا ہے پھر آہستہ آہستہ مادۂ سائلہ چاروں طرف سے بہ کر مرکز کی طرف قریب ہوتا جاتا ہے اور اسی کو ہم ظل کہتے ہیں۔

ہرشل کا خیال تھا کہ آفتاب ایک ٹھنڈا جامد اور تاریک کرہ ہے جس میں نشیب و فراز پہاڑ اور وادیاں وغیرہ سب کچھ پایا جاتا ہے۔ وہاں نباتات بھی ہیں اور حیوانات بھی اس تاریک کرہ کے گرد نہایت غلیظ بادل محیط ہیں اور بادلوں کے اوپر نورانی غلاف ہے جو حرارت اور روشنی کا سرچشمہ ہے اسی غلاف سے آفتاب کی اندرونی سطح پر روشنی اور حرارت پہونچتی ہے اور وہ گھرے بادل روشنی اور حرارت کو معتدل کر دیتے ہیں اور یہی نورانی غلاف تمام سیاروں کو روشنی اور حرارت پہونچاتا ہے۔ جب کبھی سطح شمس سے بخارات اُٹھتے ہیں تو وہ ابر محیط اور غلاف روشن کو چیرتے ہوئے فضا میں نکل جاتے ہیں۔ بخارات کے چڑھنے سے ابر محیط اور نورانی غلاف جا بجا سے پھٹ جاتا ہے اسی لئے دوربین سے آفتاب کی سطح پر ایک روشن اور تاریک جال سا نظر آتا ہے جو بالکل اس ابر سے مشابہ ہوتا ہے جو جا بجا سے پھٹ جاتا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے آسمان پر پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگر بخارات کثرت سے ہوتے ہیں تو سطح نورانی اور محیط سحابی میں ایک بڑا سوراخ پیدا ہو جاتا ہے جس کا مرکزی حصہ نواۃ کی صورت میں اور آس پاس کا حصہ ظل کی طرح دکھائی دیتا ہے۔

توجیہات مذکورہ کے علاوہ مظاہر شمسی کے اور بھی عجیب عجیب اسباب بیان کئے گئے لیکن یہ سب اس وقت تک تھا جب تک کہ اسپکٹراسکوپ سے کام نہیں لیا گیا تھا۔ جب اسپکٹراسکوپ ایجاد ہوا تو معلوم ہوا کہ سخت سے سخت جامد مادہ آفتاب پر شدت حرارت کی وجہ سے گیس کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جب یہ حقیقت منکشف ہوئی تو تمام توجیہات سابقہ

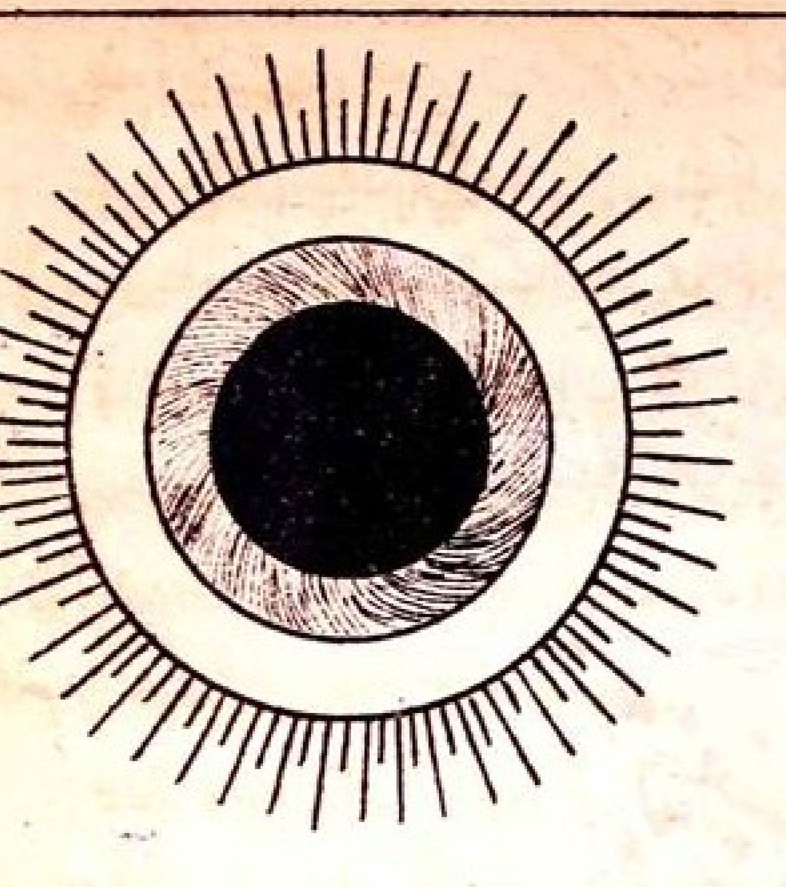

چھوڑ دی گئیں اور ایک نئی وجہ بیان کی گئی - اور وہ یہ ہے کہ آفتاب کا تمام اندرونی حصہ بخاری یا گیسی حالت میں ہے لیکن وہ ابخرۂ ارضی کی طرح لطیف اور رقیق نہیں ہے بلکہ دباؤ کی وجہ سے شہد کی طرح غلیظ القوام ہے - اس گیس میں ایک دائمی تموج اور تلاطم ہے اور سطح آفتاب پر ہمیشہ گیسیں اٹھتی رہتی ہیں جب مرکزی حصہ سے گیس بلند ہوتی ہے تو اُس میں انتہائی حرارت ہوتی ہے لیکن سطح آفتاب تک پہونچکر جب وہ فضائے محیط سے ملتی ہے تو اُس کی حرارت کم ہونے لگتی ہے اور سطح آفتاب پر ایک پھٹے ہوے ابر کی طرح نمودار ہوتی ہے ابر کی چوٹیاں پست حصہ سے زیادہ روشن ہوتی ہیں اس لئے آفتاب پر روشن کُرّے نظر آتے ہیں اسی روشن ابر کے احاطے سے آفتاب پر ایک نورانی غلاف چڑھ گیا ہے -

جب اِن گیسوں میں برودت اور تکاثف کی وجہ سے ثقل پیدا ہوتا ہے تو وہ پھر مرکز کی طرف گرنے لگتی ہے چونکہ یہ ثقیل گیسیں روشنی اور حرارت کی ایک عظیم مقدار ضائع کر چکی ہیں اس لئے وہ بمقابلہ اور گیسوں کے تاریک اور روشنی میں کم ہوتی ہیں - جب ان گیسوں کی ایک عظیم مقدار سطح آفتاب پر گرتی ہے تو اُس کے اطراف ظل کی صورت میں اور مرکزی حصہ داغ کی شکل میں نظر آتا ہے - چونکہ یہ ثقیل بخارات نہایت زور سے سطح پر گرتے ہیں اس لئے اُن کے اطراف سے روشن مادہ نہایت سرعت کے ساتھ فضا میں بلند ہوتا ہے - اور مشعلوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے -

ہمارے خیال میں یہ توجیہ بھی کچھ ٹھیک نہیں، کیونکہ اگر داغوں کے ہونے کا یہی سبب ہے تو تمام سطح آفتاب پر ایک نسبت سے کیوں نہیں پیدا ہوتے؟ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ آفتاب کے خط استوا اور اطراف قطبین پر شاذ و نادر ہی داغ نظر آتے ہیں -

دوسرا شبہ یہ ہے کہ اِن کی زیادتی اور کمی کا ایک خاص زمانہ اور مقررہ مدت کیوں ہے؟ خط استوا کے قریب جو داغ ہیں وہ دُور کے داغوں سے کس لئے سرعت سے حرکت کرتے ہیں -

حقیقت یہ ہے کہ آفتاب کائناتِ عالم میں ایک عجیب و غریب چیز ہے - جس پر ہر وقت ایک عظیم الشان تلاطم ناری اور طوفانِ جہنمی برپا رہتا ہے - ہزاروں میل عرض و طول کے داغ پیدا ہوتے ہیں لاکھوں میل اُس کی سطح سے شعلے بلند ہوتے ہیں لیکن اِن تمام مظاہر شمسی کے اسباب کیا ہیں - ان کی حقیقت ابھی تک انسان پر منکشف نہیں ہوئی ہے - اور اس وقت تک محض قیاسات سے کام لیا جا رہا ہے - نہایت طاقتور دوربین کے ذریعہ سے جب آفتاب کی تصویر لی جاتی ہے اور اُسے

اس آلہ سے دیکھتے ہیں جو تصویروں کو مجسم کرکے دکھاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ داغ کی سطح نورانی غلاف سے بہت زیادہ پست ہے اور نورانی غلاف بھی یکساں نہیں ہے بلکہ جا بجا سے پھٹا ہوا ہے۔ اور آفتاب کے کناروں سے شعلے بلند ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اسپکٹراسکوپ کے ذریعہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ آفتاب پر کون کون سے عناصر پائے جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ تفصیلات معلوم کرنے کا انسان کے پاس کوئی قابلِ وثوق ذریعہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ مستقبل میں انسان ایسے آلات اور وسائل اختراع کرے جس سے آفتاب کے متعلق اور زیادہ معلومات حاصل ہوسکیں۔

(ابوالمحاسن) محمود علی

اولین نفس بہار

افق کے عنبریں شعلوں میں ہنوز اک وہم رنگین باقی تھا، شامِ بہاراں کی فضا کیف آلود تھی کہ تیتری، عالمِ رنگ کی اک بیقرار روح، باغ میں آئی اور ہوا کی فضا کو اپنے حرکاتِ رقصیہ سے متموج کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد یہ نرگس کے پاس گئی اور ایک بوسہ چرا لائی۔ وہ پھر کچھ دیر تک شاید اپنی اس کامیابی پر اک مسرورانہ رقص کرتی رہی، اب وہ بار بار اس پھول کو چومتی اور بھاگ جاتی تھی، بوسہ لیتی اور رقص کرتی۔ رقص طویل، رقص کرتی اور بوسہ لیتی۔ بوسۂ مدید! وہ اک لرزشِ تشنگی تھی، اک مستقل اہتزاز تھی

ساغرِ نکہت کے نوشِ لطیف نے، خود اُسے بنکھڑی بنا دیا تھا۔ وہ اس کی حلاوت کے ساتھ تلخیاں بھی پیئے جا رہی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ لحۂ نوشانوش یہی ہے ......" آخر کار، افقی طلسم رنگ کی شکست کے ساتھ، یہ تیتری بھی اک پژمردہ برگ گل کی طرح شاخ سے جدا ہو کر نیچے گر پڑی۔ اب، نہ اس میں رقص اضطراب تھا، نہ اضطرار رقص، اس کے بازو مضمحل ہو چکے تھے اور تشنگی سیراب!

نرگس کے پھول نے یہ سانحہ جانکاہ دیکھا، مگر نہ دیکھ سکا اور شاخ سے جدا ہو کر اک ہلکی اور مختصر سی عمودی لکیر بناتا ہوا تیتری کے سرہانے گر پڑا، اور اس شہید بوسہ ہستی کا سر اپنی گود میں لے لیا۔ گویا گل نرگس اس بوسۂ مدید کی تکمیل کر رہا تھا ——! اب بلبل اپنی نوائے مرتعش سے اس کا نوحۂ ماتم پڑھ رہی تھی، اور ماہتاب کے اشک سیمیں اس غم میں سارے باغ کو نم آگیں بنا رہے تھے!

آہ اس لئے کہ موسمِ گل کا ایک مسرور دن، اپنی زر بفتی بازوؤں کی بے چینی کے ساتھ بسر کرسکے، تیتری اپنی ساری زندگی قیمت میں دے دیتی ہے! رنگینی بہار کا نفس اولیں تیتری کی بہار آخریں کی نگہ واپسیں ہے!

ل۔ احمد

قلوبطرہ

CLEOPATRA

۲۹-۳۰ سنہ ق م

(۱)

قلوبطرہ، حسن و شباب کی اُن تمام آئینہ داریوں کے ساتھ، جنھیں صرف اُسی کا بلورین سینہ پیش کر سکتا تھا، خواب گاہ ناز میں اک مخملی صندلی پر متمکن تھی، اور اس کی جبین پیشانی، جس میں فطرت نے کائنات کو درہم برہم کر دینے کی قوت پوری طرح ودیعت کی تھی سرداران مصر کو، جو اس وقت اس کے روبرو دست بستہ کھڑے تھے، کپکپائے دے رہی تھی۔

سرزمین فراعنہ کے ایک ایک نوجوان کو معلوم تھا کہ قلوبطرہ کے حسن برق افگن پر اک اچٹتی ہوئی نگاہ بھی ڈالنا گویا خرمن کا بجلی کو دعوت دینا ہے، چہ جائیکہ اُس کے حُسن برہم کو دیکھنا، جس کے سامنے تو نیل کی موجیں بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی روانی کو بھلا دیتی ہوئی نظر آتی تھیں۔

غیظ و غضب کے عالم میں اس کا سینہ سریع تنفس کی وجہ سے جلدی جلدی اُبھر رہا تھا اور کافوری شمعوں کی روشنی کا انعکاس گھڑی گھڑی اس کاغذ پر ڈال رہا تھا، جسے وہ ہاتھ میں لئے پڑھ رہی تھی۔

....

"بیشک میں مصر کی ملکہ ہوں، اور اس وقت تک ملکہ رہنے کی کوشش کروں گی، جب تک میرے قلب میں اسکی آخری ضرب باقی ہے۔ لیکن اگر تم یا تمہارا قانون، سلطنت میں میری شرکت کو صرف اس شرط سے گوارا کر سکتا ہے کہ میں ٹولمی کو اپنے اس بستر پر جگہ دوں، جہاں سے زندہ اُٹھکر کسی کا جانا مجھے پسند نہیں آتا، تو جاؤ اور اس سے کہدو کہ اب اس کے لئے صرف دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ شرکت حکومت کے خیال سے باز آئے یا پھر قلوبطرہ، اس قلوبطرہ کی برہمی کا مقابلہ کرے، جو اک ادنیٰ اشارہ سے نیل کی تمام وادیوں کو اک ورق کاغذ کی طرح ادھر سے اُدھر الٹ دے سکتی ہے"

(۲)

جب جولیس سیزر، روم کا وہ پرشوکت جبروت جنرل، جس نے پامپائی کو مفتوح کر کے تمام عالم کو اپنی قوت کے افسانوں سے معمور کر رکھا تھا، حدود اسکندریہ میں پہونچا، تو اُسے معلوم ہوا کہ یہاں تمام ملک میں بدامنی کی حکومت ہے

تخت گاہ مصر کی گلیاں نہرِ خون بنی ہوئی ہیں اور قلوبطرہ کے جانباز سپاہی، ٹولمی کی وفادار سپاہ سے مصروف پیکار ہیں۔

اگر جولیس سیزر چاہتا تو اس تفریق سے فائدہ اٹھا کر مملکت مصر پر آسانی سے قابض ہو سکتا تھا، لیکن وہ اپنی تازہ فتوحات کے نشہ میں چور تھا اور اس وقت وہ صرف امن و سکون کے قیام ہی میں اپنے لئے تفریح محسوس کرتا تھا۔ اس نے یہ خیال کرکے کہ قلوبطرہ اک عورت ہے اور یقیناً اس کے بھائی ٹولمی نے اس کا حق سلطنت غصب کر لیا ہوگا، اپنا ایک سردار روانہ کیا کہ قلوبطرہ اور ٹولمی دونوں کو اس کے حضور لے آئے۔

(۳)

قلوبطرہ جسے اپنے حسن و جمال پر ناز تھا، جو سمجھتی تھی کہ دنیا کی کوئی بڑی سی بڑی قوت ایسی نہیں ہے جو اس کے روبرو جھک جانے کی لذت حاصل کرنے کے لئے بیتاب نہ ہو۔ آرائش کے کمرہ میں آئینہ کے سامنے کھڑی ہوئی بال سنوار رہی ہے اور مسکراتی جاتی ہے اس خیال سے کہ آج اپنا وہ حربہ استعمال کرے گی، جسے وہ اپنے بھائی ٹولمی پر نہ استعمال کر سکتی تھی اور جس کا معمول بننے کے لئے اکاسرہ و قیاصرہ ہی کی ضرورت تھی۔

نہایت باریک آسمانی رنگ کی ریشمی چادر، جس میں جا بجا موتی ٹنکے ہوئے تھے، اس کے خوبصورت جسم سے لپٹی ہوئی تھی اور باوجود کوشش کے بھی وہ سینہ و شانہ پر ٹھہرنے کی تاب نہ لا سکتی تھی۔ اس نے گیسو سنوارے، لباس درست کیا اور اُن تمام دلربایانہ اداؤں کے ساتھ، جو قدرت کی طرف سے مصر کی اس جوان ملکہ کے لئے مخصوص تھیں، نگہت کی طرح نکلی اور صرف ایک سردار کو ساتھ لیکر سیزر کے پاس روانہ ہو گئی۔

(۴)

سیزر اپنے درباری خیمہ میں منتظر بیٹھا تھا کہ خادم نے اطلاع کی کہ ایک سردار ملکۂ قلوبطرہ کی طرف سے کوئی ہدیہ لایا ہے اور پیش کرنا چاہتا ہے۔ سیزر نے اجازت دی اور ایک خوش رو نوجوان اپنی پشت پر ایک گٹھری لئے ہوئے آیا اور اُسے زمین پر رکھکر کھولنے لگا۔

سیزر منتظر تھا کہ اس کے اندر سے سیم و زر کی کشتیاں نمودار ہوں گی، الماس و عقیق سے جڑے ہوئے بیش بہا زیور نظر آئیں گے، لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اس کے اندر سے بجائے سیم و طلا و الماس و عقیق کے، اک سرد زریں، ایک مجسمۂ شباب، اک پیکر حسن و جمال، ملکۂ قلوبطرہ تنک و عریاں لباس میں اسی طرح نمودار ہوئی، جس طرح کبھی وینس (زہرہ) سطح آب سے اپنا بھیگا ہوا جسم لئے ہوئے پیدا ہوئی تھی۔

(۵)

ٹولمی کو مغلوب کرنے کے بعد سیزر، اسکندریہ میں وہی زندگی بسر کر رہا ہے، جو قلوبطرہ ایسی حسین عورت کی معیت

میں بسر کی جاسکتی ہے۔ اس کے لئے مہروماہ کا طلوع و غروب، شب و روز کا ظہور و خفا، بہار و خزاں کی آمد و شد اور فطرت کے تمام متضاد مناظر صرف قلوبطرہ کے مسرت و اضمحلال سے عبارت تھے اور وہ محسوس کرتا تھا کہ دنیا کا ہر تغیر صرف اس لئے عمل میں آتا ہے کہ قلوبطرہ کی خواہش یہی ہے۔

قلوبطرہ بیتاب تھی کہ دنیا کے اس مشہور جنرل کو شادی کرکے ہمیشہ کے لئے اپنا بنالے، لیکن چونکہ اس کی بیوی موجود تھی اور وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا، اس لئے وہ روم جانے سے قبل چاہتا تھا کہ اس کے جذبات مضمحل ہوجائیں اور جب وہ قلوبطرہ کی آغوش اور ساحلِ نیل سے جدا ہو، تو اس کی جملہ تمنائیں ختم ہوچکی ہوں۔

کچھ زمانہ تو سیزر نے ایسے خود فراموشی کے عالم میں بسر کردیا کہ خود اُسے بھی خبر نہ ہوئی کہ وہ کیا کر رہا ہے اور اُسے کیا کرنا چاہئے، لیکن جب اس کے احباب نے روم سے اُسے اطلاع دی کہ سلطنت روم کو اس کی واپسی کی سخت ضرورت ہے، تو اُسے ہوش آیا اور اُس کے تمام وہ مردانہ عزائم جو قلوبطرہ کی آغوش میں پہونچکر سوگئے تھے، پھر بیدار ہونے لگے۔ اس نے دفعتہً روم جانے کا ارادہ استوار کیا اور قلوبطرہ سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوجانا چاہا۔ مگر قلوبطرہ جو اس شکار کو اپنے قابو سے جانے دینا نہیں چاہتی تھی اور سمجھتی تھی کہ شاید روم پہونچکر وہ کسی تدبیر سے اس کو عقد نکاح میں لے آئے گی، اس پر راضی نہ ہوئی اور خود بھی اس کے بعد ہی روم کی طرف روانہ ہوگئی۔

(۶)

سیزر، بروٹس کے ہاتھ سے قتل ہوچکا ہے، روم میں انطانی اور بروٹس کے درمیان جنگ ختم ہوکر کامیابی کا سہرا انطانی کے سر باندھا جاچکا ہے اور قلوبطرہ کو مصر میں حکومت کرتے ہوئے تین سال گزر چکے ہیں۔

چونکہ قلوبطرہ کی عربدہ جو اور مصلحت اندیش فطرت، درپردہ بروٹس سے بھی لگاوٹ رکھتی تھی جو سیزر کا قاتل تھا اسلئے انطانی نے اُسے طلب کیا کہ اس الزام کی جوابدہی کے لئے حاضر ہو۔

قلوبطرہ نے، جو اپنے بھائی ٹولمی کو تباہ کراچکی تھی، جو سیزر کو بھی اپنی مسموم محبت سے آشنا کرکے ہلاک کرچکی تھی، اب اپنے سامنے اک نیا شکار پایا اور یہ معلوم کرکے کہ اس وقت انطانی کے اقبال کا طوطی بول رہا ہے، اس پر اپنے حسن کا جال ڈالنا چاہا۔

قلوبطرہ جس شان سے روانہ ہوئی، وہ تاریخ کا نہایت مشہور و دلچسپ واقعہ ہے۔ اس کا جہاز زرکار تھا، ارغوانی رنگ کے ریشمی بادبان اس کے پہلو میں اڑ رہے تھے، سرزمین مصر کی حسین ترین نوجوان لڑکیاں (اس حال میں کہ ان کے جسم پر اک تار بھی نہ تھا) اس جہاز کو چلا رہی تھیں اور قلوبطرہ باصد ہزار پندارِ حسن و رعنائی، بہترین وضع یعنی عریاں ترین ملبوس میں ایک جڑاؤ صندلی پر جلوہ افروز تھی۔

انطانی نے پیام بھیجا کہ ملکہ مصر کی پذیرائی کے لئے اس کے جہاز میں انتظام کیا گیا ہے، لیکن قلوبطرہ نے، جو اپنے ہی

جہاز کی آراستہ فضا میں اچھی طرح اپنے افسوں کو صرف کر سکتی تھی، انطانی کو وہیں بلا لیا اور اس کا نتیجہ بھی وہی ہوا، جو ہمیشہ حسن کے اس نوع کے عزم و ارادہ کا ہوا کرتا ہے۔ انطانی نے شکست کا اعتراف کر لیا اور قلوبطرہ کے پندارِ حسن کا نشہ اور دوچند ہو گیا۔

(۷)

انطانی، اسکندریہ میں وہی زندگی بسر کر رہا ہے جو یونانیوں کی خیالی دنیا میں باخوس (شراب کے دیوتا) کو حاصل تھی اور حسن کے تمام وہ بھلاوے، جن کو عالم قضا و قدر میں اک امتیازی درجہ حاصل ہے، اس پر مستولی تھے۔ جس حالت میں اس نے روم کو چھوڑا تھا، اس کا اقتضا یہ تھا کہ فوراً وہاں واپس جاتا اور اپنی نئی حاصل کی ہوئی قوت میں استحکام پیدا کرتا، لیکن قلوبطرہ کی کھلی ہوئی آغوش اتنی بڑی دولت اور ایسی وسیع سلطنت تھی کہ اس کی لذتیں حاصل کرنے کے بعد، انطانی کے لئے ساری کائنات کو قلوبطرہ کی آنکھوں کے عمیق سمندروں میں غرق کر دینا آسان ہو گیا تھا۔ چہ جائیکہ حکومت روم!

وہ مصروفِ نشاط رہا اور اُدھر اکیٹولیس سیزر نے روم پر اقتدار حاصل کر کے انطانی کو گرفتار کرنے کے لئے اسکندریہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ انطانی کو ہوش آیا مگر اس وقت جب آکیٹولیس کے جہاز سر پر پہونچ گئے، اس کا نشہ اترا مگر جب تدبیر کی منزل گذر گئی۔

....

....

جب قلوبطرہ کے بیڑہ کو شکست ہوئی اور وہ اپنے قصر کے اندر جا کر بند ہو گئی، تو انطانی کو شبہ پیدا ہوا کہ اس نے قصداً ایسا کیا اور اس لئے حد درجہ برہمی کے ساتھ دروازہ پر پہونچا اور اندر جانا چاہا، لیکن محافظین قلوبطرہ نے یہ خیال کر کے کہ انطانی کہیں برہمی کے عالم میں ملکہ کو کوئی ضرر نہ پہونچائے، عرض کی کہ "ملکہ اب کہاں وہ تو شکست کے غم میں کب کی جان دے چکی"

انطانی پر اس خبر سے ردِ عمل کی سی کیفیت طاری ہوئی اور حد درجہ تکلیف و تاثر کے عالم میں اپنی جائے قیام پر گیا اور ایک تیز تلوار سے اپنے جسم کو زخمی کر کے چند دن تک، قلوبطرہ کی تیمارداری کی آخری لذتیں حاصل کرنے کے بعد اس جہان سے رخصت ہو گیا۔

انطانی کے مرجانے سے، قلوبطرہ کو صدمہ ہوا یا نہیں، اس کا حال کسے معلوم؟ لیکن اس واقعہ کو دنیا جانتی ہے کہ جب انطانی کے بعد اکیٹولیس، روم کا ہیرو قرار پایا اسکندریہ میں اس کا اقتدار قائم ہونے لگا، تو قلوبطرہ نے اسے بھی مسحور کرنا چاہا اور اپنی وہی زہر آلود ادائیں جو اس سے قبل سیزر و انطانی کی جان لے چکی تھیں، اکیٹولیس پر بھی صرف کرنی چاہیں، اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کامیاب نہ ہوتی اگر فطرت، حسن کی ان قاتل تماشہ زائیوں سے بیزار نہ ہو گئی ہوتی۔

(۸)

اکیٹولیس (قلوبطرہ کے سرداروں سے):- "میں اک عورت کے خون سے، خواہ وہ کتنی ہی سفاک و ظالم کیوں نہ ہو، اپنی تلوار کو آلودہ کرنا پسند نہیں کرتا، اس لئے تم اپنی ملکہ سے کہدو کہ اس کی جان محفوظ ہے لیکن صرف اس شرط سے کہ وہ میرے پاس حاضر ہو اور جب

میرا جلوس روم کے بازاروں سے گذرے، تو وہ میری سواری کے پیچھے پیچھے پیادہ چلی آرہی ہو۔ میں اپنی فتوحات کی تمام لذتوں کو اس مسرت کے مقابلہ میں کہ قلوبطرہ میری حلقہ بگوش ہے، آسانی کے ساتھ بھلادینے کے لئے آمادہ ہوں۔ اس لئے جاؤ اور اُس سے کہدو کہ میرے اوپر اپنا جادو ڈالنے کی کوشش نہ کرے، کیونکہ اس باب میں میرا دل اک پارۂ سنگ ہے اور نسوانی سحر کاریوں کی دسترس سے بہت بالاتر!"

. . . .

قلوبطرہ نے اپنے قصر کے دروازے چاروں طرف سے بند کرالئے ہیں اور نہیں کہا سکتا کہ اب وہ کس تدبیر میں مصروف ہے۔ اکٹیولیس، جس نے جواب کے لئے صرف ایک رات کی مہلت دی تھی، صبح ہوتے ہی اپنی سپاہ لیکر آتا ہے اور قصر کے اندر بسر درانہ داخل ہوتا ہے کہ وہ قلوبطرہ کے حسین ہاتھوں میں زنجیریں ڈال کر باہر لائے گا، لیکن اسکی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی، جب وہ فرش پر قلوبطرہ کو بیہوش پڑا ہوا دیکھتا ہے، اس حال میں کہ اس کے عریاں سینہ پر اک چھوٹا سا سانپ لہرا رہا ہے اور خدا جانے کس لذت سے سرشار ہے کہ باوجود اس ہنگامہ کے وہ اپنے دانت قلوبطرہ کے سینہ سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتا۔

نیاز

غزل

تجسس ہو تو ملجاتا ہے سب کچھ دارِ امکاں میں
کوئی لمحہ خوشی کا، آہ، ڈھونڈھیں عمرِ انساں میں

چراغ اک انکی محفل میں ہے، اک میری شبستاں میں
یہاں تصویرِ مایوسی ہے، رونق بزمِ جاناں میں

جنوں کی یادگار اک آشیانہ ہے گلستاں میں
عبث تنکے چنے تھے میں نے کیا فصلِ بہاراں میں

نہ ہوتا عشق سے مضطر، تو کیا دل کو سکوں ہوتا!
سکوں کا ذکر ہی کیا، سایۂ گردونِ گرداں میں

کھلے ہیں پر کھلا ہے در، مگر کب، جب خزاں آئی
میں کہتا ہوں قفس میں مر رہوں اب یا گلستاں میں

میں لیتا رخصتِ یک نالہ، اور خاموش ہو جاتا
قفس اک بار اگر صیاد رکھ دیتا گلستاں میں

کبھی طرحِ دل آزاری تھی، لیکن ابتو اے مانی
ادائے جاں نوازی دیکھتا ہوں در ہجراں میں

مانی جائسی

گیسو

یہ تیری بے ترتیب و بے پرواز لف، جو تیرے بلوریں شانہ پر منتشر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کس استغناء کے ساتھ مجھے اُن لمحہ ہائے شوخ کی یاد دلا رہی ہے، جنکا تعلق صرف ایک عورت ہی کے مینائے جسم سے ہے

تو اِن نغمہ ہائے محبت کو یکجا کرنے کی کوشش نہ کر، کیونکہ گیسو بکھرنے ہی کے لئے جمع ہوتے ہیں، بگڑنے ہی کے لئے سنورتے ہیں۔

میرا دل اس «دامگاہِ عشق» یعنی تیری زلفِ محبت پناہ کا دائمی اسیر و نخچیر ہو کر رہ گیا ہے اور تیری زریں زلف کا ہر خم سحر آگین، جس میں اک «خلقتِ روشن» پنہاں ہے، میرے «عنقِ روح» میں زنجیر کی خدمت انجام دے رہا ہے لیکن ایک ایسی زنجیر کی جو مجھے عالم نور میں ادھر سے اُدھر آزاد لئے پھر رہی ہے۔

اے حسن حزیں، اے تاجدار گیسوے زریں، تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ میرے «شبہائے عشق» کے جذبات تیری ہی پراہتزاز زلفوں کے ساتھ وابستہ ہیں اور میری صبح تسلی انھیں کی راتوں میں پنہاں ہے۔

جب کبھی وہ میرے چہرہ پر پریشان ہو جاتے ہیں اور میں مسرور ہو کر انھیں چومتا ہوں، تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میری «بہارِ حیات» کا راز انھیں میں آسودہ ہے۔

جب تیرے پُروفا گیسو شبِ الم میں میرے سر پر بکھر جاتے ہیں، تو میں تیرے پہلو میں لیٹا ہوا اپنے آنسو اُن میں پروتا رہتا ہوں

آہ، میں اس گیسوے «تسلیت کار» اس عطر روح پرور کو کیونکر بھول سکتا ہوں۔

اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ تیری زلف «زرتار» میرا کفن ہو سکتی ہے تو میں اسی وقت مذہب پروانہ قبول کرنیکے لئے آمادہ ہوں۔

یہ تیرے پُرنکہت اور دل میں «کیفیتِ سکران» پیدا کر دینے والے بال، جبقدر میرے سحرزدہ سر پر پریشان ہوتے ہیں، اسی قدر میرے نقوش تمنا اُبھرتے جاتے ہیں۔

آ، اور اپنے گیسو کے معطر، منور اور ریشمی رومال سے میرے شانہ کو مست اور میری روح کو لرزاں بنا جا۔ (ترجمہ از ترکی)

نیاز

مجرم علومِ جدیدہ کی نظر میں

اگر کسی بچے کو جس کی عمر چھ سال سے زائد نہیں ہے، قید با مشقت یا سزائے موت کا حکم سنایا جائے، تو ہر شخص اس سزا کو وحشیانہ حکم خیال کرے گا، کیونکہ اس عمر کا لڑکا ضعف ادراک اور قصور عقل کی وجہ سے، صحیح و فاسد، نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اور اگر اسی کے ساتھ اس حقیقت کو بھی شامل کر لیا جائے کہ مجرموں کا بھی اکثر حصہ عقل و تمیز، احساس و ادراک کے لحاظ سے اک کمسن لڑکے سے زیادہ نہیں ہوتا (جیسا کہ گزشتہ چند سالوں کے اندر دماغی امتحانات کی بنا پر ثابت ہو گیا ہے) تو پھر قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں انھیں قید خانوں میں بند کیا جاتا ہے، جہاں بجائے اصلاح کے اُن کی طینت اور خراب ہو جاتی ہے اور کیوں نہیں ان کی دماغی اور اخلاقی حالت درست کی جاتی ہے۔ تاکہ اُن کا احساس و ادراک ترقی کرکے، قوتِ ممیزہ پیدا کر دے؟

زمانہ قدیم میں سزا کے طریقے ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) نے مرور زمانہ اور رفتار تمدن کے ساتھ ساتھ مجرموں کی سزا میں بھی مختلف طریقے اختیار کئے ہیں جن کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے جس قدر ترقی تمدن میں کی ہے اسی قدر جرائم کی سزا میں تخفیف کرتا چلا آیا ہے۔ ایک مشہور قانون دان کا قول ہے کہ "سزا کی تاریخ ایک متواتر تخفیف سزا سے عبارت ہے"

قدیم زمانہ کے لوگ جو سزا مجرموں کو دیتے تھے اگر اسکا آجکل کی متمدن دنیا کی سزاؤں سے مقابلہ کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئیگا، لیکن باوجود اس کے زمانہ حال کے مصلحین، قانون سزا کے متعلق ایک جدید دور کے منتظر ہیں جس میں مجرم کو تکلیف پہونچانے کے بجائے زیادہ تر اس کی دماغی اور اخلاقی حالت کی اصلاح پیش نظر ہو گی اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دور چنداں بعید نہیں ہے

دنیا نے سزا میں جو کچھ تبدیلیاں کی ہیں انھیں ہم اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کرتے ہیں اور اس کے متعلق کسی خاص قوم کا ذکر نہیں کرتے کیونکہ تمام قوموں میں یہ تبدیلیاں یکساں طور پر ہوئی ہیں۔

سزا عہد قدیم اور عہد جدید میں

انتقام شخصی ازمنہ قدیمہ میں سزا کی بنا محض طلب انتقام پر تھی کیونکہ اس زمانہ میں کوئی ایسی حکومت نہ تھی جو افراد کے باہمی اختلافات اور ظلم و تعدی کو مٹاتی۔ ہر شخص (یا اس کا خاندان) مجاز تھا کہ وہ اپنے حق کو دشمن سے حاصل کرے اور اس سے اپنا انتقام لے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کس قدر مظالم ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ صرف طاقتور افراد ہی دشمن سے اپنا حق اور انتقام لے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ سزا کی کوئی حد نہ تھی بلکہ بسا اوقات، سزا حد سے گزر کر بجائے خود ایک سنگین جرم ہو جاتی تھی۔

جب دنیا میں حکومت کی عمومی قوت پیدا ہوئی تو منجملہ اور انتظامات کے سزا میں بھی تحدید ہونے لگی، جیسا کہ اس قول ماثورہ سے ظاہر ہے:۔

ان النفس بالنفس والعین بالعین	بیشک نفس کے بدلے نفس، آنکھ کے بدلے آنکھ
والانف بالانف والاذن بالاذن	ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان
والسن بالسن والجروح قصاص	دانت کے بدلے دانت ہے اور زخموں کا بھی بدلہ ہے

سزا کی دوسری صورت یہ بھی قرار پائی تھی کہ جسمانی ایذا کا معاوضہ مال سے ادا کیا جانے لگا' قدمار نے اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ اس معاوضہ سے بحث کی ہے۔

انتقام قومی | جب حکومت کی طاقت اور اس کا نفوذ بڑھا تو افراد سے حق انتقام چھین کر حکومت نے اپنے قبضہ میں لے لیا اور رعایا کے درمیان اس کے ذریعہ سے امن قائم کیا۔ اب سزا نے ایک دوسری صورت اختیار کی یعنی اس میں انتقام شخصی کے علاوہ انتقام قومی کی حیثیت بھی پیدا ہوگئی۔ اجتماعی ترقی کے اس دوسرے دور میں سزا میں تخفیف اور ترہیب کا پہلو بھی شامل ہوگیا اور اب سزا کی بنا دو چیزوں پر ہوگئی۔ "انتقام قومی اور ترہیب"

اٹھارہویں صدی کے آخر میں فلاسفۂ یورپ نے جو خیالات اس مسئلہ میں ظاہر کئے ہیں ان کی وجہ سے علمائے قانون کے خیالات میں بہت کچھ انقلاب پیدا ہوگیا ہے۔ اور سزا کے مختلف نظریہ قائم کئے گئے ہیں جن میں سے یہ مشہور ہیں:-

۱۔ اتفاق اجتماعی | اس نظریہ کا واضع اول روسو ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ زمانۂ اجتماع سے پہلے انفرادی حالت میں رہتے تھے۔ بعد میں لوگوں نے اتفاق کرکے ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) کو قائم کیا اور اپنے حقوق کی حفاظت اور مجرمین کی سزا جو پہلے افراد کے ذمہ تھی ہیئت اجتماعی کے سپرد کی تاکہ باہمی قرارداد کی مخالفت کرنے والے پر جو حکم سوسائٹی کی طرف سے نافذ ہو اس کی تعمیل واجب قرار دی جائے۔

یہ نظریہ بالکل غلط ہے کیونکہ حیات انسانی ہمیشہ سے نظام اجتماعی کے ماتحت چلی آئی ہے اور کسی زمانہ میں بھی انسان اپنے ابنائے جنس سے علٰحدہ ہوکر انفرادی حالت میں نہیں رہا ہے۔ لہٰذا روسو کا یہ کہنا کہ انسان پہلے انفرادی زندگی بسر کرتا تھا اور بعد میں اس نے اتفاق کرکے ہیئت اجتماعیہ کو قائم کیا' تخیل محض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

۲۔ فائدہ عامہ | اس نظریہ کا قائل ایک انگریز بنتھام ہے۔ اس نے سزا کی بنا و محض فائدہ عامہ پر رکھی ہے یعنی قوت عامہ یا حکومت' صرف عام مفاد کی غرض سے مجرموں کو سزا دیتی ہے اور مجرم حقیقت میں ہیئت اجتماعی کے دشمن ہیں۔

اس نظریہ کا تقاضا یہ ہے کہ سزا اسی نسبت سے ہو جتنا کہ سوسائٹی کو ارتکاب جرم سے نقصان پہونچا ہے حقیقتاً یہ نظریہ سزا کے متعلق تخویف و ترہیب کے قدیم اصول کا اعادہ کرتا ہے اور اس نظریہ کی بنا پر متعدد قوانین بنائے گئے ہیں۔ فرانس کا قانون جرائم جو نپولین کے عہد میں (سنہ ۱۸۱۰ء) وضع ہوا تھا' اس میں اس نظریہ کی خاص رعایت رکھی گئی تھی۔

۳۔ عدل مطلق | یہ نظریہ ماسبق کی بالکل نقیض ہے۔ اس نظریہ کی رو سے مجرم کو اس لئے سزا نہیں دیجاتی کہ وہ ہیئت اجتماعی پر خراب اثر ڈالتا ہے بلکہ اس میں نفس جرم کا لحاظ ہوتا ہے۔ جس قدر جرم سنگین ہو اور آداب صحیحہ اور انصاف حقیقی کے مخالف ہو اسی نسبت سے مجرم کو سزا ملتی ہے۔

اس نظریہ کا قدیم ترین قائل افلاطون ہے، اور جرمن فیلسوف کنٹ کا بھی یہی مذہب ہے، لیکن یہ قول بھی ضعیف ہے کیونکہ اگر اسے صحیح مانا جائے تو قوانین اخلاق (جن کا مرتبہ نہایت بلند ہے) اور انسان کے قوانین موضوعہ میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ بہت سے جرم ایسے ہیں جو اخلاق کے خلاف ہیں۔ لیکن ہیئت اجتماعی کو اُس سے کچھ نقصان نہیں پہونچتا۔

۴۔ نظریہ متوسط اس نے دونوں اگلے نظریوں کو جمع کر دیا ہے۔ اس کے قائل فرانس کے فلسفی کوزن اور جیزو ہیں یہ کہتے ہیں کہ ہیئت اجتماعیہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی مجرم کو حد انصاف سے زیادہ سزا دے۔ یا سزا کی اس حد سے تجاوز کرے جس سے مقصود حاصل ہو سکتا ہو۔ اس نظریہ کے مطابق ۱۸۳۲ء میں فرانس کے قانون جرائم میں بہت کچھ ترمیم و تعدیل ہوئی ہے۔ مگر اس نظریہ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں مجرم کی نیت کا بڑا لحاظ ہے جس سے سزا میں بہت کچھ تخفیف ہو جاتی ہے۔

عہد حاضر کے اقوال

علم الحیات کا اثر علمائے علم الحیات کے نزدیک ہیئت اجتماعی ایک زندہ جسم سے مشابہ ہے، اس لئے وہ بھی زندہ جسم کی طرح قانون "حفاظتِ بقا" کے تابع ہے، لہذا سزا کے ذریعہ سے سوسائٹی اُن خطرات کو دفع کر دیتی ہے جو اس کی بقا کے راستہ میں حائل ہوتے ہیں اگر کسی مجرم کو سزا دی جاتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سوسائٹی اپنی ذات اور اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرتی ہے۔ حقیقت میں یہ خیال بھی مذہب "تخویف و ترہیب" کا اعادہ ہے۔

علم جرائم انسانی ابتدا میں اس علم نے یورپ کی قانونی دنیا میں بڑی ہل چل مچا دی تھی، لیکن جب لوگوں پر اس کے اصول کی کمزوری قواعد کا ضعف معلوم ہوا تو اس کی طرف توجہ کم ہو گئی۔

اس علم کے مدعی (جس کا پیشرو لومبروزو، اطالوی ہے) کہتے ہیں کہ مجرموں کی جسمانی حالت عام انسانوں کی طرح فطرت کے مطابق نہیں ہوتی، بلکہ اُن کی جسمانی ساخت میں کچھ ایسے غیر طبعی امتیازات اور خصوصیات ہوتے ہیں جو انہیں 'لامحالہ' ارتکاب جرائم پر مجبور کرتے ہیں، مثلاً لومبروزو کہتا ہے کہ ایک چور کے ہاتھ لمبے اور قاتل کے چھوٹے ہوتے ہیں اس طرح اُس نے مجرموں کی اور بہت سی جسمانی خصوصیات بیان کی ہیں۔ لیکن اگر یہ رائے صحیح مانی جائے تو انسانی ارادہ کوئی چیز نہیں رہتا اور نہ مجرم اپنے افعال کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے، نیز جو خصوصیاتِ اعضاء اور علاماتِ جسمانی، لومبروزو اور اس کے متبعین نے بیان کی ہیں، وہ غلط ہیں اور اُن پر عام مجرموں کی حالت کا قیاس نہیں کیا جاتا۔

علم جرائم اجتماعی علمائے اجتماعین کی ایک جماعت خیال کرتی ہے کہ جرائم کا سبب اولین، وہ ماحول ہے جس میں انسان تربیت پاتا ہے اور جرم نتیجہ ہے تربیت فاسدہ، غربت، قمار بازی اور شراب نوشی وغیرہ کا لیکن یہ کلیہ بھی اگر بالکل صحیح مان لیا جائے تو مجرم سے ذمہ داری کا بار بالکل اٹھ جاتا ہے۔

نتیجہ | اب دیکھنا چاہیے کہ ان مختلف خیالات اور متناقض اقوال سے ہم کیا اخذ کر سکتے ہیں بیشک ہر ایک مذہب میں ایک پہلو صحت کا بھی ہے، مثلاً اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ نسل اور صحت جسمانی کو تکوینِ عقلی میں بڑا دخل ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ انسان پر اس کے ماحول اور امراضِ اجتماعی موثر نہیں ہوتے - اس لئے آج اگر ہم جرائم کو روکنا چاہتے ہیں تو چاہیے کہ پہلے انسان کی اصلاح کریں اور پھر ماحول کی -

جس طرح کہ طب جدید کا اصل الاصول یہ ہے کہ علاج سے زیادہ حفظ صحت کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، اسی طرح آجکل کے ماہرینِ قانون، بمقابلہ سزا کے اُن اسباب کے دفع کرنے میں زیادہ کوشش کرتے ہیں، جو مجرموں کی افزائش اور ارتکاب جرائم کے موجب ہیں، مگر پھر بھی متمدن دنیا ابھی اس میدان میں نوآموز ہے اور راہ عمل میں اُسے بہت سے موانع دفع کرکے اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ایک کامیاب راستہ اختیار کرنا ہے، لہٰذا اب ہمیں بھی سوچنا ہے کہ اس کیلئے کون سا طریقہ زیادہ مفید ہو سکتا ہے - ہمارے خیال میں مناسب یہ ہے کہ ہر ایک مجرم کو اس کی حالت دماغی اور استعداد عقلی کے مطابق سزا دینی چاہیئے - کیونکہ ایسے دو مجرم بہت کم ملیں گے، جن میں وہ اسباب یکساں طریقہ پر پائے جائیں، جو ارتکاب جرم کا باعث ہوتے ہیں - اس لئے عدالتوں کو چاہیے، کہ سزا دینے سے پہلے مجرم کی حالت پر اور ان اسباب و ماحول پر غور کریں، جن کے ماتحت اس کی پرورش ہوئی ہے اور حسب ذیل اصولی مقاصد کو کبھی نظر انداز نہ کریں -

(۱) مجرم کے اثرات سے ہیئت اجتماعی کو بچانا -

(۲) سزا کا دوسروں کے لئے بھی باعث عبرت ہونا -

(۳) مجرم کے مستقبل کو اس کے ماضی سے زیادہ شاندار بنانا - اور اس کی اخلاقی اصلاح کو سزا پر مقدم رکھنا -

ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ وہ وسائل بیان کرتے ہیں، جن کے ذریعہ سے دنیا کو جرائم کے زہر آلود اثرات سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے - ان وسائل کا انحصار دو چیزوں پر ہے حفاظت اور علاج -

حفاظت

۱- اصلاحِ نسل : وبائی امراض اور ہر قسم کے زہریلے اثرات خاصکر مسکرات سے محترز رہ کر نسل کی اصلاح ہو سکتی ہے نسل کی اخلاقی حالت کو خراب کرنے میں مسکرات کو بڑی حد تک دخل ہے - اس کی کثرت سے نظام عصبی میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے اور ذرا سی تحریک سے ہیجان عصبی پیدا ہو کر ارتکاب جرم کا سبب بن جاتا ہے - یہ نظریہ کہ صفات انسانی کا انتقال بطریق وراثت ہوتا ہے مجرموں کی نسل دیکھنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے ہم مزید وضاحت کے لئے ذیل میں ایک نقشہ دیتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ضعف عقلی کس طرح اور کس نسبت سے والدین سے اولاد کی طرف منتقل ہوتا ہے

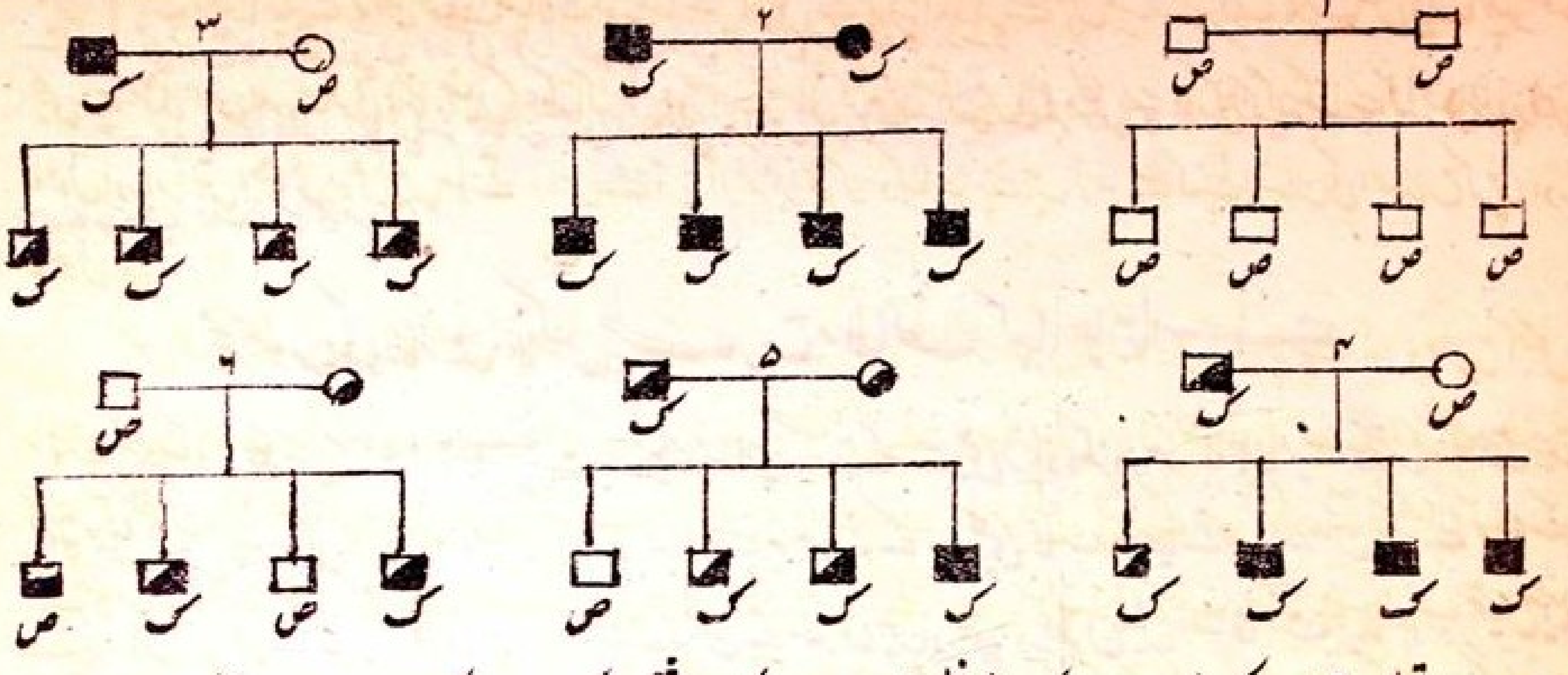

۲- تعلیم و تہذیب کی اشاعت: ایک مشہور فلسفی کا قول ہے کہ "جو شخص ایک مدرسہ کھولتا ہے وہ حقیقتاً ایک قید خانہ بند کرتا ہے۔" تعلیم حاصل کرنے سے انسانی مدارک و معلومات میں وسعت ہوتی ہے، روایات مذہبی و تاریخی، سیرت اکابر، علم الاخلاق وغیرہ کے مطالعہ سے، جو عقلی نتائج حاصل ہوتے ہیں وہ انسان کو ہر قسم کے برے خیالات سے روکتے ہیں اور اسے ارتکاب جرائم باز رکھتے ہیں۔

نظری تعلیم کی بہ نسبت عملی اور صنعتی تعلیم زیادہ مفید ہے۔ اگر والدین کی عقلی اور اخلاقی حالت کمزور ہو تو اولاد کو اُن کے قبضہ سے لے لینا چاہیے اور انھیں مفید پیشے سکھانا چاہئیں، جن میں بہترین پیشہ زراعت ہے۔

۳- امراض عصبی سے حفاظت: ایک مشہور ڈاکٹر نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اُن نوجوانوں کے لئے جو وراثت کے اثر سے ہیجان عصبی، کاہلی یا صرع وغیرہ عصبی امراض میں مبتلا ہیں، اُن کے لئے خاص شفاخانے کھولے جائیں، جہاں اُن کا دماغی علاج کیا جائے اور اُن کی عقلیں نقطہ اعتدال پر لائی جائیں۔

۴- جن افراد کی عقلی حالت تعلیم و تربیت سے درست نہ ہو سکے اور کسی قسم کا علاج اُن کے حق میں مفید نہ ہو تو اُن کی نوجیں مرتب کر کے دور و دراز کی نوآبادیوں میں بھیجدیا جائے، تاکہ عام ہیئت اجتماعی خراب اثرات سے متاثر نہ ہو۔

علاج

۱- حاکم عدالت کا ماہر فن ہونا اور نظام عدالت کی اصلاح۔

[1] اشکال مذکورہ میں دائرے عورت کی علامت ہیں اور مربعے مرد کی۔ حرف "ص" صحت جسمانی اور سلامت عقل کی علامت ہے اور کاف عقلی و جسمانی کمزوری کی۔ جو دائرہ یا مربع نصف سیاہ اور نصف سفید ہے وہ بتاتا ہے اس شخص میں بعض صفات اچھی ہیں اور بعض بُری۔ مثلاً شکل اول میں والدین کی جسمانی اور عقلی حالت اچھی ہے تو اولاد بھی ان ہی کی مانند ہے۔ شکل دوم میں والدین دونوں حیثیتوں سے گرے ہوئے ہیں تو اُن کی نسل بھی گری ہوئی ہے۔ شکل سوم میں باپ بُرا اور ماں اچھی ہے تو اولاد میں کچھ خوبیاں اور کچھ برائیاں ہیں۔ ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیے)

۲- مجرموں کا امتحان طبی اور عقلی اور اس کی جسمانی اور عقلی حالت کا اندازہ

۳- جدید شفاخانوں کا قیام، جہاں عصبی اور عقلی امراض میں مبتلا ہونیوالے مجرموں کا علاج کیا جائے اور یہی شفاخانے اُن کے لئے قید خانے کا کام دیں۔

مجرموں کی حالت کا کس طرح مطالعہ کیا جاتا ہے

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اکثر مجرم عقلی حیثیت سے چند سال کے لڑکے سے بھی زیادہ کمزور ہوتے ہیں ایسے لوگوں کے حق میں سزا کچھ مفید نہیں ہے، بلکہ اُن کے اخلاق بجائے اصلاح پذیر ہونے کے اور بھی فاسد ہوجاتے ہیں لہذا اُن کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ ایک عقلی مدرسہ میں رکھے جائیں، یہانتک کہ اُن کے اخلاق میں درستی اور عقول میں استقامت پیدا ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو ہمیں آبادی سے کسی دور مقام پر بھیجدیا جائے تاکہ عام سوسائٹی اُن کے شر سے محفوظ رہے۔

دنیا کی متمدن سلطنتوں نے اس کی طرف توجہ کی ہے اور مجرموں کی حالت کا نہایت غور سے امتحان شروع کیا ہے چنانچہ اسی غرض سے نیویارک میں امراض نفسانی کا ایک محکمہ کھولا گیا ہے، جس کا تعلق محکمۂ پولیس سے ہے۔ اس محکمہ کا ایک کارکن کہتا ہے

"ہم نے سرکاری طریقہ پر کام کرنے سے پہلے، پچاس روز تک ذاتی تجربے کئے۔ ہم روز چند مشتبہ اشخاص کا انتخاب کرتے تھے، جن کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی عقلی مرض میں مبتلا ہیں، پھر ہم اُن کا امتحان کرتے تھے اس مدت میں ہم نے ۴۰۹ آدمیوں کا امتحان کیا، جن میں سے ایک دیوانہ ۲ دجسم کے لحاظ سے ناقص، تین دائم الخمر، اور چودہ قاصر العقل تھے ۴۰۹ میں صرف آٹھ شخص ایسے تھے جن کی جسمانی اور عقلی حالت درست تھی۔ ہمارے تجربہ سے ابتک یہ ثابت ہوا ہے کہ گرفتار شدہ مجرموں میں کم ازکم پانچ فی صدی کے شعور میں خلل اور عقل میں نقصان ہوتا ہے"

امتحان عقلی کے بہت سے طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ مجرم سے چند سوالات کئے جاتے ہیں، جن سے اس کی قوت تمیز اور صحت عقل کا اندازہ لگایا جاتا ہے، ان سوالوں میں بعض مشکل اور بعض آسان ہوتے ہیں اور ہر ایک سوال کا جواب نموے عقل کے ایک خاص مرتبے پر دلالت کرتا ہے۔

امتحان کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے رکھ کر مجرم سے کسی چیز کی تصویر بنوائی جائے۔ اور لکڑی کے چند مساوی الحجم اور مختلف الوزن ٹکڑے اس کے سامنے رکھ کر اس سے کہا جائے کہ انھیں اُن کے وزن کی نسبت سے مرتب کرکے رکھے۔

نگارستان | کی صرف چند جلدیں باقی رہگئی ہیں۔ قیمت علاوہ محصول دو روپیہ۔
"منیجر نگار"

بہار کی دیوی

تمنا زا تھیں کیفیاتِ صبحِ صحنِ بستانی   فضا میں منتشر تھے نغمہ ہائے بادِ بارانی
ابھی تک ارغوانی تھی اُفق کی شعلہ سامانی   نہ تھا خورشید کا چہرہ ہنوز آگاہِ عریانی
تھی بلبل شاخِ گل پر۔ اور شبنم گُل کے دامن میں
تھی ہر شے خلوت آسودہ غرض اپنے نشیمن میں

صباحت جلوہ گر تھی اور اسمیں اک ترنم تھا   فضا خاموش تھی اور اُس میں پنہاں اک تکلم تھا
جدھر دیکھو، اُدھر امواجِ نکہت میں تلاطم تھا   زمیں تا آسماں گویا تبسم ہی تبسم تھا
وہ رنگِ صبح اور وہ اہتزاز نور کا عالم
تھیں گویا مجتمع رعنائی و دوشیزگی باہم

یہ تھی موسم کی حالت اور اسکی لطف فرمائی   کہ ناگہ ایک لڑکی صحنِ گلشن میں نظر آئی
وہ رنگت اُسکی جسکو دیکھکر بڑھ جائے بینائی   وہ رُخ اُسکا فدا جسپر دو عالم جلوہ آرائی
یونہی رفتار اُسکی، اک اضافہ تھا قیامت میں
لچک جانے کی پھر وہ اک ادائے خاص قامت میں!

تھے ڈورے آنکھ کے یا موجِ صہبا جامِ کوثر میں   تھی پتلی یا دُلھن کوئی سیہ اطلس کی چادر میں
نویدِ عشق تھا پنہاں نگاہِ کیف پرور میں   مژہ کہدیتے ہم اسکو لچک ہوتی جو نشتر میں
مسیحا کی زباں۔ اسکی نگہ اعجاز پرور تھی
خموشی اس کی گویا نطقِ عیسیٰ کے برابر تھی

تھا اُس کے حُسن دوشیزہ میں کچھ کیف جوانی بھی — لئے تھی یعنی مینا میں شراب ارغوانی بھی
تھا اُسکے حُسن کی سبزی میں رنگ زعفرانی بھی — تھی ساری اُسکی یعنی کندنی بھی اور دھانی بھی

وہ چل پڑتی تو ہر ذرہ جگہ سے اپنی ٹل جاتا
ٹھہر جاتی تو گویا نظم عالم پھر سنبھل جاتا

میں کہتا جسم کو الماس، اگر اس میں لچک ہوتی — سمجھتا زلف کو عنبر اگر اس میں چمک ہوتی
میں کہتا پھول کو عارض، اگر اسمیں یہ دمک ہوتی — دہن کو شعلہ کہدیتا، اگر اس میں مہک ہوتی

کہاں کافور میں وہ ضو کہ اس کا رنگ ہوجائے
جب اس کے رُخ کے آگے آئینہ بھی زنگ ہوجائے

سنہرے بال بھی تھے جابجا کچھ اُسکے گیسو میں — کرن جیسے اُلجھ کر رہ گئی ہو حلقۂ مو میں
تھا عکسِ زلفِ پُرخم اس جبین آئینہ خو میں — پڑی لہرا رہی تھی یا کوئی ناگن کسی جو میں

کہوں کیا جاذبیت کسقدر تھی اس کے سینہ میں
مگر بھر دی گئی تھیں بجلیاں اس آبگینہ میں

دم رفتار وہ اس کی ادائے دلربا یانہ — ہوا سے سروِ زریں کا تھا گویا سو لچک کھانا
قدم اِس کا اُٹھانا تھا کمر میں بل کا پڑ جانا — وہی بل ناگنوں نے جس سے سیکھا ایسا لہرانا

خرامِ ناز تھا اُسکا کہ تصویرِ نزاکت تھی
سلاست آب کی تھی یا نمودِ موجِ نکہت تھی

اُسے بلبل نے دیکھا اور گل رنگیں قبا سمجھا — اُسے قمری نے دیکھا اور سروِ دلکشا سمجھا
پتنگوں نے اُسے اک شعلۂ ظلمت ربا سمجھا — کسی نے مہر جانا اور کسی نے آئینہ سمجھا

مگر میں نے تو افکارِ ازل کا معجزہ جانا
اُسے فطرت کی یعنی اختراع فائقہ جانا

نیاز

لالہ رُخ کے دُو افسانے

بہشت اور پری

(۱)

صبح کی نورانی فضا میں دروازۂ عدن پر ایک پری حالتِ حزن و ملال میں کھڑی ہے۔ بہشت کا دروازہ کسی قدر کھلا ہوا ہے، فردوس کے چشموں کی روانی، اس کے سامعہ کو مسحور کر رہی ہے اور وہاں کی نورانی صباحت کا انعکاس اس کے بازوؤں کو تابناک بنا رہا ہے پری بے انتہا غمگین و ملول ہے اور اس کے بلوری رخساروں پر آنسو جاری ہیں، وہ نیم وا دروازہ کے اندر دیکھتی اور خیال کرتی ہے کہ" وہ پاک روحیں جو عدن کے اندر مصروف گلگشت ہیں، کس قدر خرم و مطمئن ہیں اور اس بہار رنگ و بو میں، جہاں افسردگی و پژمردگی کا کوئی مفہوم نہیں ہے وہ کس لطف سے ہمیشہ مقیم رہیں گی، ہر چند پرستان کے باغات و قصور بہت اچھے ہیں، ارض و بحر کی تمام پر فضا مناظر بھی میری ملکیت میں ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ خلد کا ایک غنچہ بھی دنیا کی تمام بہاروں کو افسردہ کر سکتا ہے کشمیر کی جھیلوں کی درخشانیاں، اس کے جزیروں کی آئینہ سامانیاں اور چشموں کے شیریں نغمے گو پر لطف ہیں، تبت کی رود زریں کی روانی بے حد تک تابناک ہے، لیکن حقیقت یہی ہے کہ سلسبیل و تسنیم کی روانی کے سامنے ان خوبیوں کا ذکر کرنا ہی کفر ہے، ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک پرواز کرتے رہنا، ایک دنیا سے دوسری دنیا تک سیر و سیاحت پر قادر ہونا، ہر خطہ اور ہر فضا کی مسرتیں اپنے لئے جذب کر لینا گو نہایت پر لطف بات ہے، لیکن یہ سب بہشت کے ایک لمحہ کے بھی برابر نہیں ہو سکتے"۔ باب النور کے محافظ، رضواں نے اسے زار و قطار روتے دیکھا، کسی قدر قریب ہو کر اس کا مغموم گیت سنا اور جذبۂ رحم سے ایک آنسو اس کی آنکھ میں آ کر اس طرح ٹھہر گیا، جس طرح بہشت کے فوارہ سے کوئی قطرہ اڑ کر گل نیلیں کی پنکھڑی پر قایم ہو جاتا اور چمکتا رہتا ہے رضواں نے اس پیکر حسرت سے کہا:-

"اے خطاکار مگر حسین نسل کی جمیل ترین دوشیزہ! تیرے لئے اب صرف ایک ہی امید باقی رہگئی ہے کتاب تقدیر میں درج ہے کہ پری اگر وہ تحفہ لائے جو خدا کو بہت پسند ہے تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے جا، اور اس تحفہ کی تلاش کر، تاکہ وہ تیرے گناہ کا کفارہ ہو سکے۔ مجھے بہت خوشی ہوتی ہے جب گنہگار ہستیوں کی خطائیں معاف ہو جاتی ہیں اور میں انھیں بہشت کے اندر جاتے ہوئے دیکھتا ہوں"

جس طرح شہاب ثاقب نہایت سرعت کے ساتھ آفتاب میں جذب ہو جاتا ہے، جس طرح رات کی تاریکی میں کوئی ستارہ ٹوٹ کر

نگاہوں سے غائب ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ پری بھی سرعت پرواز کیساتھ سقف نیلمی سے اتری اور صبح کے اولین تبسم کی روشنی میں بسیط فضائے ارض کو دیکھنے لگی، وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکتی تھی کہ اس تحفہ کو جو خدا کے نزدیک بہت محبوب ہے، کہاں تلاش کر اس نے خیال کیا:-

"چہل مینار کے ستونوں کے نیچے تابناک عقیق کے دفینے میرے علم میں ہیں، عرب کے جنوبی ساحلوں کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے جزائر عنبر میری نگاہ میں ہیں، میں اس مقام سے بھی واقف ہوں جہاں جام جمشیدی چھپا ہوا ہے لیکن میں جانتی ہوں کہ اس قسم کے تحفے مقبول عرش نہیں ہو سکتے پھر وہ جوہر تاباں کہاں مل سکتا ہے جو بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جا سکے؟"

ہنوز وہ اسی فکر میں تھی کہ اس کی نظر خطۂ ہندوستان پر پڑی، جہاں کی ہوائیں روح افزا ہیں، جسکے سمندر کی گہرائیوں میں عنبر کا فرش ہے، جس کے ساحلوں کی دیواریں مونگے کی ہیں، جہاں شعاع خورشید میں غسل کرنے والے پہاڑوں کے نیچے ہیرے کی کانیں جگمگاتی رہتی ہیں اور جس کے چشمہ ہائے رواں کی موجوں میں سونا حل کر دیا گیا ہے۔ لیکن آج اس کے دریاؤں کا رنگ قرمزی ہے انسانی خون سے چشمے رنگین ہو رہے ہیں اور باغات سے اس وقت موت کی بو آ رہی ہے اور ہر اس سانس میں جو سطح زمین سے بلند ہو رہی ہے۔ انسانی قربانی کی بو شامل ہے۔

پری اس منظر خونین پر ایک نگاہ ڈالتی ہے اور دیکھتی ہے کہ ایک بہادر کے ہاتھ میں تلوار کا صرف لالہ گوں دستہ رہ گیا ہے اور اس کے ترکش میں صرف ایک تیر باقی ہے۔ ایک پر غرور آواز اُس سے کہتی ہے:-

"اپنی جان کا دشمن نہ بن، اور موت کے ساتھ کھیلنا پسند نہ کر"

سپاہی دریا کے بہتے ہوئے رنگین پانی کو دیکھتا ہے اور اپنا آخری تیر کمان میں جوڑ کر اس کے جواب میں روانہ کر دیتا ہے، باوجود شست کے صحیح ہونے کے تیر خطا کرتا ہے، اور دشمن اس کو زخمی کر ڈالتا ہے۔ پری اس کو گرتے ہوئے دیکھتی ہے اور آفتاب صبح کی شعاع میں نہایت خاموشی کیساتھ اس مقام پر اتر آتی ہے اور قبل اس کے کہ زخم خوردہ سپاہی کی روح جسم سے رخصت ہو آخری قطرۂ خون حاصل کر کے آسمان کی طرف بلند ہو جاتی ہے، اور سوچتی جاتی ہے کہ:-

"خدا کرے یہی وہ تحفہ ہو، جس کے باعث باب النور پر میرا خیر مقدم ہو سکے۔ ہر چند کہ جنگ کے میدانوں میں بہہ جانے والا خون اکثر نجس و آلودہ ہوتا ہے، کیونکہ خود غرضی و طمع اس کی محرک ہوتی ہے لیکن جو قطرات خون، آزادی وطن کے لئے اور وطن کی حمایت میں بہائے جاتے ہیں، وہ ضرور مقدس و مقبول ہوتے ہیں۔ یہ خون، وہ پاک خون ہوتا ہے جس کے شامل کر دئیے جانے سے تسنیم و سلسبیل کا پانی بھی آلودہ نہیں ہو سکتا۔ پھر دنیا میں اگر کوئی شئے بھی ہو سکتی ہے جسے خداوند عالم پسند فرمائے تو وہ یہی قربانی ہے جو حریت کی دیوی پر چڑھائی جاتی ہے۔"

بہشت کا دروازہ آ جاتا ہے اور جب وہ اپنے اس ہدیۂ گراں قیمت کو جذبۂ اُمید و مسرت کے ساتھ رضواں کے سامنے لاتی ہے تو وہ کہتا ہے:-

کوئی شک نہیں کہ پرستاران وطن کے پُر شہامت جذبہ کی آسمانوں میں عزت کی جاتی ہے، مگر افسوس ہے کہ جنت کا بلوریں حلقۂ در

اسی طرح قایم ہے اور ذرا حرکت نہیں کرتا۔ لہذا تجھے اس سے بھی زیادہ مقدس چیز کی تلاش کرنا چاہیے جو تیرے واسطے باب جناں کو کھول سکے"

(۲)

پری یہ سن کر بہت افسردہ ہوئی اور پھر زمین کی طرف لوٹی۔ اس مرتبہ اس کا رخ، افریقہ کے دور افتادہ جنوبی گوشہ کی سمت ہوجاتا ہے اور جبل قمر کے دامنوں میں چشمہ مصر کی امواج پر اس کے بازو منعکس ہوتے ہیں نیل کا یہ منبع، بنی آدم کی نگاہوں سے مخفی، تنہا دغیر آباد جنگلوں کے وسط میں واقع ہے اور دریائی دیویاں اس گہوارۂ نیل کے گرد رقص کیا کرتی ہیں۔ وہ روح مجسم ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہوئی اس فضا میں چکر لگانے لگتی ہے۔ ایک وادی میں وہ قمریوں کو مصروف شیون دیکھتی ہے اور تمامتر اس طرف متوجہ ہوجاتی ہے، دوسرے مقام پر وہ ماہی گیروں کا غول دیکھتی ہے جو نیلگوں پانی کو متحرک کررہا ہے، جن کے سفید ملبوس کو رخصت ہونے والے چاند کی روشنی سفید تر بنا رہی ہے۔

ان روح افزا وادیوں کے پھلوں کا ماہتاب کی روشنی میں ڈوب ڈوب کر سنہرا ہوجانا، خرما کے درختوں کا ایک مغلوب خواب پرشباب دوشیزہ کی گردن کی طرح جھک جانا، اچھوتے کنولوں کا تمام شب اپنے حسن صبیح کو غسل شبنم دیتے رہنے کے بعد بیدار ہوکر آفتاب کی سب سے پہلی کرن کا انتظار کرنا یہ سب وہ مناظر تھے جن سے پری بہت متاثر ہوئی۔

ٹھیک اسی حالت میں ایک شاداب درخت نارنج کے سایہ میں جس کے پھول اور پھل ہوا کے جھونکوں کے ساتھ جنبش میں آجاتے تھے اس پری کے مکان میں کراہ کی آواز آتی ہے۔ شاید یہ کراہنے والی ذات اس عالم سکوت میں اس خاموش مقام پر موت کی تلاش میں آپہونچی تھی۔ وہ ہستی جس کی زندگی میں اس کی ہر ہر حرکت وعمل کی مشائعت میں صدہا قلب مضطرب ہوجایا کرتے تھے۔ اس وقت اس طرح تنہا چھوڑدی گئی تھی، گویا دنیا میں اس کا کوئی چاہنے والا نہیں، کسی کو اس کے ساتھ تعلق نہیں اور اس کے آخری سانسوں کو دیکھنے والی اس پر دو آنسو بہانے والی کوئی آنکھ نہیں ہے۔ اف کیا حسرت خیز منظر ہے! کوئی نہیں، جو اس وقت اس کے پاس ہوتا اور جو آگ اس کے سینے کے اندر لگی ہوئی ہے اُسے اس جھیل سے پانی کا ایک قطرہ لاکر جو سامنے اپنی خنکی وصفائی کو پیش کررہی ہے بجھا دیتا۔

کون جان سکتا ہے کہ اس بیکس جوان کے یہ لمحات آخریں، صرف ایک خیال کی لذت ومسرت سے آباد ہیں اور اس کی آمادۂ مفارقت روح پر اپنا سکون نازل کررہے ہیں۔ اس کی یہ آخری ساعتیں مطمئن ساعتیں کہی جاسکتی ہیں، کیونکہ اسے اپنی اس بیکسی کی پروا نہیں اس لئے کہ وہ دوشیزہ جس سے وہ ایک عمر سے محبت کرتا ہے اور ہمیشہ اپنی کہکر پکارتا تھا، اس ہلاکت نیم شبی کی اذیتوں سے محفوظ تھی۔ اپنے خاندان کے ساتھ شاہانہ مکان میں فواروں کے سیمیں تقاطرے جاری ہونیوالی روح فزا خنکی سے سکون حاصل کررہی تھی۔

ملفوف سحاب چاند کی روشنی میں، دور سے ایک جسم متحرک نظر آتا ہے جو نہایت آہستہ آہستہ اس افسردگی بار کنج کی طرف بڑھ رہا ہے یہ جسم نزدیک پہنچکر ایک پرشباب دوشیزہ کی شکل میں منتقل ہوجاتا ہے جس کے رخسار یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر گل تر مستور ہیں یہ دوشیزہ اسی جاں بلب نوجوان کی منسوبہ ہے اور اپنے حبیب کے پہلو میں ہلاک ہوجانے کو ساری دنیا کے حصول پر ترجیح دیتی ہے

یہ لڑکی بیتابانہ اپنے بازوؤں کو اس کی گردن میں ڈال دیتی ہے، اپنے رخساروں کو اُس کے رخساروں پر، اور اپنی سیاہ زلفوں کو جنھیں وہ جھیل کے پانی میں ڈبو کر لائی تھی، اس کی ملتہب ابرؤوں پر رکھ دیتی ہے۔

اف! کس قدر حسرت خیز نظارہ ہے وہ اس حالت کی تمنا بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مرنے سے قبل ایک ساعت ایسی بھی آئیگی، جب اس کی جان و روح کی ملکہ کے بازو اس کی گردن میں حمائل ہو جائیں گے۔ لیکن وہ جوان پھر ایک مرتبہ اپنی حالتِ زار کا احساس کرکے احتراز کرنا چاہتا ہے، گویا اس دوشیزہ کے لبہائے مرجاں رنگ میں جو اس وقت اس درجہ بے محابا پیش کر دیئے گئے ہیں، تمام عالم کا سم قاتل بھر دیا گیا ہے۔ اس صورت اجتناب نے اس لڑکی پر قیامت برپا کر دی اور اُس نے روتے ہوئے کہا:۔

"آہ اس فضا میں جہاں تم سانس لے رہے ہو، میرا سانس لینا پسند نہیں کرتے۔ یہ ہوا جو ہر چند ہلاکت بار ہے مجھے نوشدارو کے اثر سے لبریز نظر آتی ہے، کاش میرا خون شدہ دل اس زہر کے لئے تریاق ہو سکتا، لیکن میرے پاس تو صرف یہ آنسو ہیں۔ ہاں میرے گریۂ محبت کا تقاطر ہی میرا سرمایۂ حیات ہے، اور یہی تمہارے مرض کا علاج ہے۔ باور کرو کہ ابھی وقت ہے کہ یہ چشمۂ حیات تمھیں سیراب کر سکے ورنہ اس کے خشک ہو جانے پر یہ سارا نظام بدل کر رہ جائیگا۔ تم مجھ سے اظہار نفرت نہ کرو۔ اپنا منہ نہ پھیرو کیا میں تمہاری نہیں ہوں، تمہاری عروس محبت نہیں ہوں؟ میں تو تمہاری نگاہ لطف کا ایک ہدیۂ مقبول ہوں جس کیلئے دنیا میں اور اس کے بعد بھی، سوائے تمہارے پہلو کے کوئی مقام راحت و سکون نہیں۔ میری جانب دیکھو۔ قبل اس کے کہ میں دل کی آتش سوزان سے خاکستر ہو جاؤں، تمہارے سرد ہونٹوں کی پاکیزہ زندگی جبتک قایم ہے مجھے بھی اسی زندگی کا شریک رہنے دو۔"

فضا کی سمّ آلود ہوا اس کے چراغ حیات و محبت کو بھی گل کر دینا چاہتی ہے، وبا کا زہرناک تنفس اس کی آنکھوں کے شیریں نور کو ایک فشار دے دیتا ہے، اس کا دل بیٹھنے لگتا ہے اور وہ بیہوش ہو جاتی ہے۔

تپش و کرب کا ایک خفیف اظہار کرنے کے بعد درد، درد کی حد سے گذر جاتا ہے اور ٹھنڈا پڑ جاتا ہے دوشیزہ آنکھ کھولتی ہے ایک بوسہ اپنے محبوب کا لیتی ہے اور فرشتۂ موت بوسہ ہی کی شکل میں ان سے ملتا ہے اور ایک وداعی آہ کے ساتھ اس شمع کا شعلہ ماتمی لباس اختیار کر لیتا ہے۔

آمادہ سفر روح کے لبوں سے، جس کی وفاداری دنیائے نسائیت کے لئے بہترین نمونہ ہے، آخریں "آہ وداع" سنتے ہی پری کہتی ہے:۔

"آرام کر، آسودہ خواب ہو جا اور دنیائے تعطر میں ہمیشہ کے لئے راحت گزیں رہ۔"

ان الفاظ کی شکل میں اس پری نے فضا پر ایک علوی تنفس ساری کر دیا اور اپنے طرۂ تابناک کی حرکت سے اُس تاریک کنج کو روشن بنا دیا، جس میں یہ دونوں بے جان پڑے تھے۔ ان کے چہرے نورانی تھے اور انکی روحیں مطمئن!

افق پر اب نمودِ صبح کا رنگِ انفعال چڑھ جاتا ہے اور پری پاک جذبۂ محبت کی بے مثال قربانی کی یادگار، یعنی ایک

بیش بہا "آہ وداع" لیکر آسمان کی جانب بلند ہو جاتی ہے۔ اس دفعہ غرورِ مسرت سے اس کا دل غیر معمولی طور پر متحرک ہے، کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اس سے بہتر تحفہ دنیا کا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اُسے یقین ہے کہ یہ تحفہ خدا کے حضور مقبول ہوگا۔ اور وہ بہشت میں داخل ہو جائے گی۔ مسرور و مفتخر پری بہشت کے دروازہ پر پہونچتی ہے اور ایک پُر معنی تبسم کے ساتھ اپنا تحفہ رضوان کے سپرد کر دیتی ہے لیکن افسوس اس کی یہ امید بھی یاس ہی ثابت ہوئی، منشاءِ قدرت اب بھی اس کی آرزو کے مخالف نظر آیا۔ رضوان نے اس کا یہ تحفہ لیا اور نیم وا درِ جنت کو بند کر کے بولا "ابھی نہیں۔ بے شک اس غم نصیب دوشیزہ اور بدقسمت نوجوان کا فسانہ نہایت دلگداز ہے اور وہ لڑکی بیشک وفادار تھی۔ مگر اے پری، دیکھ کہ حلقۂ بلوریں اب بھی متحرک نہیں! بس وہ چیز جو تیرے لئے دروازہ جناں کو کھول دے اس "آہ" سے بھی زیادہ مقدس ہونا چاہیئے"

(۳)

نواحِ شام کے وسیع گلاب زاروں پر شام کی شفقی روشنی چھائی ہوئی ہے لبنان کی بلندی پر قرصِ آفتاب بصد شان دلربائی اپنا تاجِ زریں نمایاں کر رہا ہے، وہی لبنان جس کی چوٹیاں سرما میں یخ سے زیادہ سفید ہو جاتی ہیں۔ اور گرمی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پر فضا وادیوں میں بہار استراحت پذیر ہے، اور کوئی اچھا خواب دیکھکر پڑی مسکرا رہی ہے۔

اس آنکھ کے لئے جو، جو سما میں معلق ہو کر اس طلسمی منظر کا تماشا کر رہی ہو، اس رنگینیِ حیات کا نظارہ کس درجہ حسین اور دلفریب ہو سکتا ہے۔

شاداب و رنگین باغات میں، منور چشموں کے کنارے جہاں سرووں کے کھیت دور تک چلے گئے ہیں، معابد شکستہ کی دیوار پر بے شمار کبوتروں کے جھنڈ نظر آتے ہیں اور ان کے خوش رنگ اور بیتاب بازو سورج کی قرمزی کرنوں میں اس طرح چمک رہے ہیں گویا وہ قوس قزح کے ٹکڑے ہیں، اُس قوس قزح کے ٹکڑے، جو صرف پرستان کے پاکیزہ آسمانوں پر ہی طلوع ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس بدنصیب پری کی افسردہ دلی کے لئے اس دلکش فضا میں بھی کوئی وجہ شگفتگی نظر نہیں آتی۔ اس کے بازو خستہ ہو چکے ہیں، اور وہ آفتاب کی حالت غروب کو بغور دیکھ رہی ہے۔ تیرگی آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے جس میں ویران معبدوں کے بلند ستونوں کا سایہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا زمانہ نے اپنی رفتارِ عمر بتانے کے لئے سوئیاں قائم کر دی ہیں۔

لیکن کیا اس شکستہ ایوانِ خاوری میں کوئی طلسمی جوہر، کوئی حرزِ سلیمان ایسا مل سکتا ہے، جو اس پری کی آنکھوں کو روشن کر دے، اور اُسے معلوم ہو جائے کہ آفتاب و ماہتاب کے محور میں سمندروں اور خشکیوں کے تہ خانوں میں وہ نایاب شے کہاں پنہاں ہے کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے؟

پری نیچے اتر آنا چاہتی ہے، چشمِ آفتاب اُسی درخشانی کے ساتھ نگراں ہے۔ ہنوز وہ سطح زمین تک نہیں پہونچی تھی کہ اُسنے دیکھا کہ بعلبک کی وادی میں وسیع فرشِ گل پر ایک کم عمر بچہ، ایک نیلی لباس والی دوشیزۂ پراں، نقاشیِ فطرت کی اختراعِ جمیل یعنی ایک تیتری کے تعاقب میں دوڑ رہا ہے، جو ایک یاسمنی کنج کے اندر رقصاں ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک پھول ہے

جس کے پر لگ گئے ہیں، یا کوئی نگینہ ہے جس کے اندر رقص سرایت کر گیا ہے - وہ بچہ جب اس شغل سے تھک جاتا ہے تو اپنے خوبصورت اور ننھے سے جسم کو پھولوں پر گرا دیتا ہے اور اپنے چہرے کے لئے پھولوں کا ایک نشیمن بنا لیتا ہے -

ٹھیک اس حالت میں ایک شخص جو نہایت ماندہ و مضمحل نظر آ رہا ہے، اپنے گھوڑے سے اترتا ہے اور بیتابانہ اس ویران عمارت کے دامن میں بہنے والے چشمہ کے کنارے پہونچکر، پانی پینے لگتا ہے اور جب پانی پی چکتا ہے تو اس حسین بچہ کو دیکھتا ہے - پری بھی اس مسافر پر ایک نظر ڈالتی ہے اور اس کے درشت خد و خال میں وہ تمام تاریکیاں پاتی ہے جو کسی بدترین فطرت انسانی میں پائی جا سکتی ہیں - اس کی آنکھیں ظلم و بے رحمی کا مسکن نظر آ رہی ہیں، عورتوں کی عصمت دری اور مقدس جذبات مذہبی کی توہین و تذلیل اس کے بشرہ کی نمایاں خصوصیت معلوم ہوتی ہے، بیوفائی اور بدعہدی، اس کی پیشانی پر جدا جدا لکھی ہوئی ہیں - لیکن اسوقت یہ پیکر معصیت و مجسمہ گناہ بھی ایک سکون و اطمینان کی حالت میں فرش زمین پر پڑا ہوا اس طفل گلستاں کے کھیل کا تماشہ دیکھ رہا ہے - گویا شام کی ٹھنڈی فضا نے اس کے دل میں بھی کچھ نرمی پیدا کر دی ہے - با اینہمہ جب اسکی بھیانک آنکھیں اس بچہ کی معصوم و مسرت ناک نگاہوں سے مقابل ہو جاتی ہیں تو محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ دو مشعلیں ہیں جو تمام رات ناپاک و خبیثانہ افعال کے لئے روشن رہی ہیں -

کرۂ درخشاں کے تدریجی غروب کے ساتھ ہی دمشق کے بے شمار مناروں پر سے اذان کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور وہ بچہ اس پیغام صلوٰۃ کو سنتے ہی پھولوں کے تکیہ سے اپنا سر اٹھاتا ہے اور جانب جنوب کھڑا ہو کر اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتا ہے اور اس کے ہونٹھ ایزد ذوالجلال کے نام کی تکرار میں متحرک نظر آتے ہیں -

اس طفل معصوم کا یہ شغل عبودیت ایک نظارہ تھا جو صرف جنتوں ہی میں دیکھا جا سکتا ہے - اور اگر اس منظر سکون و طمانیت کو ابلیس لعین بھی دیکھ لیتا، تو اپنے گم کردہ سکون پر ایک آہ تاسف کئے بغیر نہ رہ سکتا - یہی باعث تھا کہ یہ مسافر بھی اس منظر تقدیس کو دیکھکر اپنے آنسو نہ روک سکا اور عمر گذشتہ کے تمام افعال شنیعہ، حافظہ نے اس کے پیش نظر کر دیئے - اس نے باوجود سعی و جستجو کے اپنی گزشتہ زندگی کے تاریک طوفان میں ایک لمحۂ سکون نہ پایا، اس کے جذبۂ انفعال و تاسف نے اظہار تاثر کا ذریعہ صرف آنسوؤں کو بنایا نہایت رقت قلب کے ساتھ عجز و فتادگی کے لہجہ میں اُس نے کہا:-

"ایک وقت مجھ پر بھی ایسا ہی گزر گیا ہے، میں بھی تیری ہی طرح معصوم تھا اور تیری ہی طرح میں بھی اپنے معبود کے سامنے سجدہ میں گر جایا کرتا تھا"

شرافت و انسانیت، امید و رجا کے جو جذبات ایک زمانہ سے اسکے اندر نیم مردہ حالت میں تھے، دفعتاً بیدار ہو جاتے ہیں جوش گریہ سے اُسکی آواز بلند ہو جاتی ہے - وہ روتا ہے اور آنسوؤں کا ایک طوفان جاری کر دیتا ہے - جو آنسو عمیق دل سے ندامت گناہ میں نکلتے ہیں، بے شبہ مقبول ہوتے ہیں - ایسی ہی قابل قبول اور عفو طلب روانی اشک میں ایک خاص قسم کی طمانینت کا اولین احساس ہونے لگتا ہے اور یہ احساس ایک گنہگار ہی کو ہو سکتا ہے -

یہی وہ قطرہ ہے جو ماہتاب سے ٹپکتا ہے، اور وادی نیل کے طوفان و بار کو دفعتاً معدوم کر دیتا ہے - نہ صرف یہ بلکہ

یہ وہ قطرۂ انفعال وندامت ہے، جو انسان کی اندرونی وبائے معصیت کو یکسر کالعدم کر کے اسے پاک ومقدس ہستیوں میں شامل کر دیتا ہے"

پری اب اس مسافر اور طفل معصوم کو پہلو بہ پہلو مصروف عبادت گزاری دیکھتی ہے اور محسوس کرتی ہے کہ سورج کی ایک بچھڑی ہوئی کرن گنہگار ومعصوم دونوں کے سروں پر یکساں تڑپ رہی ہے۔ وہ آسمان پر حمد وصلوٰۃ کا غل سنتی ہے کہ ایک خطا کار کی توبہ قبول ہوتی ہے، ایک گنہگار کی نجات ہوتی ہے۔

آفتاب کی آخری ضیائے زریں بھی غائب ہوگئی اور اس کی جگہ ایسی روشنی نمودار ہوگئی جس کی مثال کبھی کسی ستارے کی ضیا مہیا نہیں کر سکتی۔ اس نور سماوی میں اس شخص کے افسردہ رخساروں پر آنسو اس طرح چمکتے ہیں، جیسے دن بھر کے مرجھائے گلاب پر شبنم کے قطرے۔ انسانی نگاہیں ممکن ہے کہ اس روشنی کو شہابی ضیا سے تعبیر کریں، لیکن پری جس پر وجد کی کیفیت طاری ہے خوب جانتی ہے کہ وہ روشنی فرشتوں کا تبسم تھا جو انسانی ندامت وتوبہ کے مقبول ہونے پر ان کی مسرات کا ثبوت ہوتا ہے۔

پری اب اپنی مسرت کو ضبط نہیں کر سکتی تھی، اس لئے وہ جوش میں آکر پکار اٹھی:۔

"میرا مقصد حاصل ہوگیا۔ اب میرے لئے مسرت ہی مسرت ہے، میں اب داخل ارم ہوسکونگی اور اس کا دروازہ اب میرے لئے بند نہ رہے گا"

"الوداع! اے پژمردہ ہو جانے والے پھولو، جو میرے پرستانی باروں میں صرف چند لمحات کے لئے تبسم ہوا کرتے تھے' الوداع! کہ اب میرا حصہ تو وہ طوبیٰ ہے جو تخت الٰہی کے سایہ میں نشو ونما پا رہا ہے اور جس کے پھولوں کی ہر پنکھڑی سے حیات تازہ کی لہک بلند ہوتی ہے"

"میرا مقصد حاصل ہوگیا، اب میرے لئے مسرت ہی مسرت ہے، اب میں داخل جنان ہوسکوں گی اور اس کا دروازہ اب میرے لئے بند نہ رہے گا"

افسانۂ نور محل

وادی کشمیر، اس کے عدیم المثال گلاب اور سیوتی کے وسیع تختوں اور ان کی شادابی کا ذکر کس نے نہیں سنا، ہارون کے دلفزا کنجوں اور شفاف چشموں کی لطافت کے فسانے کون نہیں جانتا۔ وہ چشمہائے شفاف، جو محبت کا مسکن بننوالی آنکھوں کی طرح ہر وقت منور نظر آتے ہیں۔

اس وادیٔ حسین کا منظر، جب آفتاب غروب ہو رہا ہو، صرف آنکھ ہی دیکھ سکتی ہے کیونکہ اس کی سحر زائیاں الفاظ میں محدود نہیں ہو سکتیں، گرمیوں کی شام کو آفتاب کی آخری درخشاں شعاع جھیل پر اس طرح منعکس ہوتی ہے، جس طرح کوئی

نئی دولہن، وقت شب اپنے حجلۂ عروسی میں جاتے ہوئے آئینہ پر ایک آخری نگاہ ڈال لیتی ہے اور کسی بات کا خیال اس کے چہرہ کو رنگ انفعال سے رنگ دیتا ہے۔ برگ زاروں کے اندر نیم مستور سر بلند معابد کا اس فضا کے تقدس میں اضافہ کرنا، مؤذن کی مقدس موسیقی کا بلند ہو کر فضا پر محیط ہو جانا، مجوسی معابد سے بخور کا بلند ہو ہو کر ہوا کو معطر کرنا، اور مندروں کے سامنے رقص کا اپنے ماحول کو مرتعش رکھنا، یہ وہ معمولی مناظر ہیں جن سے وہاں کی سرزمین ہر وقت معمور نظر آتی ہے۔

اس نزہت گاہ کا منظر لطیف، جب ماہتاب ایک سیل نور کو جاری کر دیتا ہے اور اپنی لطافت بار روشنی سے باغات و معابد کو حسین تر بناتے ہوئے آبشاروں کے اندر شہاب ثاقب پیدا کرتا ہے، وہ حالت و کیفیت ہے کہ حواس انسانی تاویل کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔

غروب آفتاب اور نور ماہ کے علاوہ، اس جلوہ گاہ فطرت کے مطالعہ کا وقت نمود صبح کی ساعت بھی ہے، جبکہ اس کے تدریجی طلوع کے ساتھ دن کی روشنیاں، ہر لحظہ میں اک نیا جادو جگاتی ہیں اور رنگین پہاڑیاں، سفید گنبد، گوہر بار فوارے، سیال چشمے غرض ہر شے تاریکی کے غلاف سے اس طرح باہر نکل آتی ہے گویا وہ آفتاب کے اندر سے پیدا ہوئی ہے۔

جب نگہت، صبح کے ساتھ ہی پھولوں کے اندر سے انگڑائیاں لیتی ہوئی نکلتی ہے اور مست قطر نسیم، رندانہ وضع کے ساتھ بید مجنوں کی شاخوں سے ملاعبت کرنے لگتی ہے۔ یہانتک کہ وہ سرتاپا لرزش بن جاتی ہیں، تو وہ عالم ہوتا ہے کہ جسے دیکھ کر جینا دشوار ہو جاتا ہے۔ لیکن آج تک برشگال کی شبنمی راتوں اور تابستان کی نورانی صبحوں نے اس وادی ارم پرور کو لطافت و نزہت بہجت و مسرت سے اس قدر لبریز نہیں کیا تھا جتنی کہ وہ اس وقت ہے۔ اس کی فضا یکسر معمور حسن اور تمامتر لبریز محبت ہے۔ وہ دن کے وقت خیال بندی طلسم ہے اور رات میں سحر کاری خیال۔ ہر پیشانی مسرور نظر آتی ہے اور ہر غنچۂ دل نسیم بہجت سے شگفتہ ہوا جا رہا ہے۔ غرض ہر سمت لذت و انبساط جلوہ فگن ہے اس لئے کہ کشمیر کی مخلوق آج ''جشن شگوفہ'' منا رہی ہے۔ یہ وہ تقریب عیش و طرب ہے، جس کے طغیان ابتہاج اور طوفان لذات میں باشندگان کشمیر ڈوب جاتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جب بارہ مولا کے بلند و شاداب درختوں کی آڑ میں دن اپنی گرم شعاعوں کو تہ کر کے رکھ دیتا ہے، شام کی سکون پرور ساعتوں میں جھیل کا پانی ایک خنک لذت پیش کرنے لگتا ہے، کشمیر کی دوشیزہ لڑکیاں ریشمی تکیوں سے فرق ناز کو جدا کر کے چاندنی کے اندر زعفران زاروں پر اپنے طرز خرام سے وہ سحر پیدا کرتی پھرتی ہیں جو صرف حسن و فطرت کے متفق و ہم آہنگ ہو جانے کے بعد ہی نظر آ سکتا ہے۔

وادی کے ہر کنج میں صدہا مشعلیں متحرک ہیں، مناروں اور گنبدوں پر ہزارہا چراغ روشن ہیں اور دور و نزدیک پھولوں کے تختے اور باغوں کی روشیں کثرت چراغاں سے ایسا سماں پیدا کر رہی ہیں گویا انفاس زمین اشعۂ منور کی موجیں ہیں جن کا پرتو ہر ذرہ کو ایک دنیائے نور بنائے دے رہا ہے اور فضائے بسیط کا پیالہ نور و روشنی سے لبریز کر دیا گیا ہے، پھولوں کی پنکھڑیاں شاخوں سے جدا ہو کر گرتی اور روشنی کی موجیں بنتی جا رہی ہیں، اس شام تماشا اور تقریب مسرت کے موقع پر نازنینان کشمیر

اپنے نقابوں کو جدا کر دیتی ہیں اور اپنے رنگین رخساروں کو دکھا کر ایک دفعہ بلبل کو بھی بے نیاز بہار بنا دیتی ہیں۔

ہر متنفس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیائے اسباب میں کسی تعلق کی گرہ سے وابستہ نہیں ہے اور قطعاً آزاد ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے سے مل کر یہی کہہ رہا ہے کہ "شگوفہ" اس سے قبل کبھی اس قدر شادمان و فرحت ناک نہیں ہوا چاند نے اس سے لطیف تر چاندنی کبھی نہیں پیدا کی، اور گلاب کا پھول کبھی اس درجہ حسین اور شاداب نظر نہیں آیا۔

موج گل کی شدت نے سبزہ کو مغلوب رنگ کر لیا ہے اور تا بہ حد نگاہ پھولوں کی رنگینی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، طائرِ صبا کے بازو امواج نکہت سے اس قدر گرانبار ہیں کہ پرواز مشکل ہے، گویا کہ اس موقع پر پھولوں کی سالہا سال کی پیداوار کو بیک وقت منتشر کر دیا گیا ہے۔ جھیل کے پانی پر، مست تعطر غنچے اس طرح پڑے لوٹ رہے ہیں گویا کسی پری کا ہار ٹوٹ کر سطح آب پر بکھر گیا ہے سازہائے طرب کی آوازیں، رقاصہ ہائے زاہد فریب کے خلخال کی جھنکاریں، نارنجی کنجوں کے اندر ریشمی جھولوں میں جھولنے والیوں کے خندہ ہائے مسرور گویا سامعہ کے لئے شراب کیف پرور کے جام ہیں، جو پے بہ پے دیئے جا رہے ہیں۔

سطح آب پر بھی گوناگوں آوازیں ہنگامہ بپا کر رہی ہیں کشتیاں چاندنی میں جھیل پر ادھر سے اُدھر دوڑتی پھر رہی ہیں اور ان کی صدائے خاموش اور ملاحوں کے پتواروں کی پانی کاٹنے کی آواز، کنجوں، اور جھاڑیوں کے اندر چڑیوں کا زمزمۂ بے اختیار اور اسی قسم کی صدہا موسیقیاں، یہ معلوم ہو رہا ہے کہ موجوں کے ہر ہر بوسہ کا جواب ایک ترانۂ دلکش سے دیا جا رہا ہے۔

لیکن اس ہنگامہ موسیقی میں، وہ آوازیں جو موسیقی و ترنم کا مستقل جزو معلوم ہوتی ہیں وہ نرم اور سادہ سانسیں ہیں، جو کسی عاشق کی بانسری سے سہمی ہوئی نکل رہی ہیں۔ عشاق دل گرفتہ کی بانسری ایسی ساعت میں ایک آہ سرد ہوتی ہے کیونکہ مسرتوں میں مسرت تو اس کی مسرت ہے جو قرب یار سے شاد کام ہے، اور جو ماہتاب و موسیقی کے تلاطم میں اپنے محبوب کو پہلو میں لئے ہوئے کشمیر کی جھیل پر کشتی رانی میں مصروف ہے۔

عورت، جو ویران ترین مقام کو بھی رشک خلد بنا سکتی ہے، ظاہر ہے کہ وہ کشمیر کی فضا میں کیا کچھ نہیں کر سکتی۔ جہانگیر کو جب شوکت و حکومت اور تفاخر فتوحات خوش نہ کر سکے، تو وہ ان اشیا کی نمود و نمائش سے بھاگ کر کشمیر کی سرزمین میں تسکین و مسرت تلاش کرتا اور کوئی شک نہیں کہ وہ کشمیر کی فضا میں نور محل کی معیت سے اپنے مدعا و مقصود کو پا لیتا تھا۔ وہ دولت و عظمت کو فراموش کر کے، اپنی ملکہ محبوبہ "نور جہاں" کو ساتھ لے کر جھیل کے کنارے گلگشت کیا کرتا، اور ان منتشر پھولوں میں، جنھیں نور محل، چلتے چلتے توڑ لیتی اور گیسوؤں میں لگا لیا کرتی تھی، وہ شانِ دلفریبی دیکھتا جو اُسے اپنے تاج و نگین میں بھی نظر نہ آتی تھی اور نور محل کی سیاہ زلف کا ایک ہلکا سا چھلا، جو اس کے بلوریں گردن پر قائم ہو جاتا، جہانگیر کی نگاہوں میں ساری دنیا کی حکومت سے زیادہ عزیز و قیمتی نظر آتا۔

(۲)

نور محل، اگر کبھی غمگین و ملول ہوتی تو یہ معلوم ہونے لگتا کہ وہ رعنائی جو نازنینانِ عالم کے حسن کے لئے وجہ ناز ہو سکتی ہے،

صرف اسی کے حسن کا ایک جزوِ مستقل ہے۔ وہ جب کبھی برہم ہوتی تو اس کا فوراً رفع ہو جانے والا غصہ اس کے اندر ایک نئے حسن کو بیدار کر جاتا۔ جس طرح ہوا کا ہلکا سا جھونکا پھولوں کی ڈالیوں کو متحرک کر دیتا ہے، اور وہ اس جنبشِ لطیف میں زیادہ حسین نظر آنے لگتے ہیں اسی طرح نور محل کا غصہ بھی اُسے بے انتہا حسین بنا دیتا تھا۔ جب اس کے دل میں رحم و کرم کے جذبات پیدا ہوتے، تو اُس کے آنکھوں کی سیاہی کا رنگ زیادہ گہرا اور مقدس ہو جاتا، اور اس کے اندر اس کے محسوسات کی روشنی اس طرح چمکتی، جس طرح اندرونِ خانقاہ سے نزولِ برکات ہوتا ہے۔ جب وہ مسرور ہوتی تو اس کی کیفیات قلم و الفاظ کی دسترس سے بہت بلند و بالاتر ہو جاتیں۔ اور اس کی خوش طبعی اس طائرِ وحشی سے کہیں زیادہ ہو جاتی جو موسمِ برشگال میں ہمہ تن پرواز ہو کر فضا میں بال کشا ہو جاتا ہے۔ وہ ایسی جودت و ذہانت و ذکاوت و ظرافت کا مرکز ہوتی، جس سے حکماء عقلا مسحور ہو جاتے ہیں۔ جب وہ بشاش و خندہ ریز ہوتی تو دیکھنے والے کے لئے یہ معلوم کرنا دشوار ہو جاتا کہ اس کی ہنسی کس جگہ جلوہ فروز ہوئی ہے، کیونکہ اس کے رخسار، آنکھیں، بلکہ ساری ہستی دمکنے لگتی تھی، گویا وہ کسی چشمہ کا مصفا پانی ہے جس پر ہوا کے جھونکوں سے صدہا غبغب پیدا ہو جاتے ہیں۔

یہ تھی نور محل کے حسن بے مثال کی نیرنگی۔ یہ تھی اُس کے جمال بے نظیر کی عشوہ پردازی، جس نے مشرقِ عظمیٰ کے سب سے بڑے شاہنشاہ کو اس کا غلام بنا رکھا تھا۔

لیکن آج کی شب جبکہ ہر دل مسرور و سرشار ہے۔ نور محل کہاں ہے، اس رونق و شادمانی میں، وادی کی اس شبِ عیش و طرب میں نور محل کا جلوۂ طلسم پرور کیوں نظر نہیں آتا؟

اس حال میں کہ عیش و نشاط کا جوش، لطف و طرب کا شوق، کشمیر کے حسن و شباب کو یہاں کھینچ لایا ہے، کیا اُسے، جو شباب کی ملکہ اور حسن کی دیوی ہے، خاموشی و غمگینی میں مستور رہنا چاہیئے۔

حیف کہ ایک ادنیٰ سی بات اور ایک بے حقیقت واقعہ، عشاق کے دلوں میں کشیدگی پیدا کر دیتا ہے۔ غریقِ محبت ہستیوں کا ہجر و فراق میں مبتلا رہنا، جہاز کی اسی غریق کی مثال ہے، جو طغیانِ بحر میں تو بہتا رہے لیکن جس وقت سمندر حلیم و ساکن ہو تو ڈوب جائے وہ محبت جسے طوفان مصائب جنبش میں نہیں لا سکتا، کبھی ایک لفظ سے، ایسی ناگوار و نازیبا صورتِ حال پیدا کر لیتی ہے۔ کہ اس کی لطافتیں ایک ایک کر کے زائل ہونے لگتی ہیں، اور وہ دل جو حد درجہ متحد تھے، سحابِ منتشر کی طرح آوارہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ محبت کرنے والی ہستیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ محبت کو تو صرف پھولوں کی بدھیوں سے باندھ کر رکھا جا سکتا ہے، کیونکہ محبت کا دیوتا بھی آسمانوں کے چمن زارِ مسرت میں، اپنے تخت پر گلاب ہی کے ہاروں سے جکڑا ہوا بیٹھا ہے۔

اس قسم کا ایک بے حقیقت اختلاف، اُس رشتہ کو جس میں لبریزِ شوق دل بندھے رہتے ہیں، توڑ دیتا ہے۔ محبت کی رنجش آسمانوں پر اس ابر کی طرح ہے، جو ابتدا میں تو نہایت خفیف مگر وسعت پا کر خوفناک رعد و برق کا مسکن بن جاتا ہے، یہی ابر کثیف ہے جو اس وقت شاہنشاہ جہانگیر کے دل پر محیط ہے۔ نور محل، اس کی حرم، اس کی دنیا، اس کی زندگی، کسی ایسی ہی شکر رنجی کے باعث اس کی آنکھوں سے اوجھل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شبِ عیش و تنعم میں جبکہ زعفران زاروں اور کنجہائے باغ میں خنابہ

لذت اندوزی نے ایک دنیائے محبت کو آزاد چھوڑ دیا ہے اور ہر متنفس اپنے مدعائے زندگی اور مقصودِ حیات کو پہلو میں لئے ہے۔ وہ بیگانۂ مسرت پھر رہا ہے۔ پری جمال کنیزوں کا وہ ہجوم جو اس فردوسِ ارض میں مہیا ہو سکتا ہے، اس کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہے، لیکن اس کا رنگ زرد ہے، اس کی آنکھیں پُرنم ہیں اور وہ ایک تمثالِ بے حس بنا ہوا ہے۔ آہ، سچ ہے، باغ میں دنیا بھر کے پھول موجود ہوں، تو ہوا کریں، لیکن اگر وہاں گلاب نہیں تو بلبل کو ان سے کیا غرض!

(۳)

جشنِ طرب اور تقریبِ عیش و انبساط سے بہرہ اندوز نہ ہونے کی جو وجہ جہانگیر کے لئے باعثِ بیزاری و دل گرفتگی ہے، وہی وجہ نور محل کو بھی اس لطف و شادمانی سے محروم کئے ہوئے ہے۔ ایک نوجوان خادمہ نعمانہ اس کے ساتھ ہے جو اپنی وفاداری و محبت کے لحاظ سے تمام کنیزوں سے زیادہ ممتاز ہے۔ ان خوبیوں کے علاوہ وہ سحر و پریخوانی کے فن سے بھی واقف ہے، جس نے اس کی ہستی کو اور زیادہ عجیب و غریب بنا دیا ہے۔

نعمانہ تسخیرِ ارواح کی ماہر تھی اور تمام نفوسِ آتشیں اس کے مطیع تھے۔ آج کی شب اس نے تہیہ کر لیا ہے کہ اپنے علم کی پوشیدہ طاقتوں کو ملکہ کے لئے صرف کر دے گی اور بادشاہ کا تبسم ایک مرتبہ پھر نور محل کے لئے وجہِ انبساط ہو کر رہے گا۔

نصف شب گزرنے کے بعد نعمانہ اس طرح اپنی گفتگو شروع کرتی ہے:-

"وہ ساعت یہی ہے جس میں پھول اور پودوں پر ایک اثرِ سحر محیط ہو جاتا ہے اور اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس وقت پھول چن کر ہار گوندھ لئے جائیں تاکہ نور محل کی پیشانی پر، جو اس وقت محوِ خواب ہے باندھ دیئے جائیں اور جن کے طلسمی اثر سے بادشاہ کی نیند بھی ان خوابوں سے معمور ہو جائے، جن کے راز سے صرف کرۂ آتشین کے رہنے والے ہی واقف ہیں۔"

نور محل، غمزدہ ملکہ، یکبارگی بیدار ہو جاتی ہے اور بیتاب ہو کر نعمانہ کا قطعِ کلام کر کے پکار اٹھتی ہے۔

"میرے لئے، اچھی نعمانہ، میرے لئے! ہاں، آج کی رات وہ ہار میرے لئے ضرور بناؤ۔" یہ کہتی ہوئی نور محل بسرعتِ تمام غزالِ ختن کی طرح ریحان زار میں داخل ہو جاتی ہے کہ اس طلسم بند اور سیمیا اثر سہرے کیلئے تمام پروردۂ ماہتاب پھولوں کو جمع کرلے، جو اپنی مقدس نکہت کی وجہ سے کیوپڈ کی زہرپاش تیر و کمان ہو سکتے ہیں۔

الغرض وہ جملہ قسم کے پھولوں سے اپنی گود بھر رہی ہے اور جب اس میں مزید گنجائش نہیں رہ جاتی تو نعمانہ کے پاس آکر اپنے اس خزینۂ رنگ و بو کو اس کی گود میں بکھیر دیتی ہے۔

ساحری فن، نعمانہ جب اس ساعتِ تبریک و قبول کی نورانیت میں غسلِ شبنمی پائے ہوئے پھولوں اور غنچوں کے انبار کو دیکھتی ہے، تو خوشی کی ایک لہر اس کی آنکھوں اور رخساروں کو دمکا دیتی ہے۔ وہ کچھ گنگنانے لگتی ہے اور تعطرِ رنگین کے اس انبار پر جھک جاتی ہے۔ اس پر ایک کیفِ بیخودی طاری ہو جاتا ہے اور ماحول پر وہ ایک مقدس اثر طاری ہوتے محسوس کرتی ہے۔

آخرکار وہ اس نکہت سے سیر ہو کر عمل شروع کر دیتی ہے اور پھول گوندھتی ہوئی گنگناتی جا رہی ہے۔

"میں جانتی ہوں کہ وہ روحیں، فرشِ شب جن کا بازی گاہ ہے کہاں رہتی ہیں؟ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ اپنے شہپروں کو دن کے وقت پھولوں کے کن پنکھڑیوں میں چھپا دیتی ہیں۔ اس لئے اے سہیلی، ہمیں اپنا ہار جلد گوندھ لینا چاہیئے کیونکہ کل تک تو پھول کمہلا جائیں گے اور وہ خواب پر لگا کر اڑ جائیگا۔"

"محبت کا دیوتا، شوقِ مجسم بن کر پہونچتا اور گلہائے یاسمن کا تنفس چرا کر لے جاتا ہے، یاسمن کے وہ پھول اس دوشیزہ کی طرح جس کے لئے کیوپڈ یہ تحفۂ نگہت لے جاتا ہے، سایہ کے اندر اپنی سانسوں میں اپنی روح شامل کر دیتے ہیں، بادام کی بے برگ شاخوں میں نقرئی شگوفے اس طرح پھولے ہیں، جیسے کسی مصیبت زدہ پیشانی کو آئندہ راحت و مسرت کا خیال چمکا دیتا ہے۔ اس لئے اے سہیلی، ہمیں اپنا ہار جلد گوندھ لینا چاہیئے کیونکہ کل تک تو پھول کمہلا جائیں گے اور وہ خواب پر لگا کر اڑ جائیگا' وہ ہستیاں جو مدفون خزینوں کی چمک دمک، اہل دنیا پر اکثر روشن کر دیتی ہیں، اُن پہاڑی جھاڑیوں میں رہتی ہیں جن کے کھانے سے مویشیوں کے دانت سونے کے ہو جاتے ہیں، لیکن وہ ہاتھوں سے نہیں چھوئی جا سکتیں۔ کیونکہ اُن کا نظارہ تو ایک خونی انسان کو بھی خوف زدہ کر دیتا ہے۔ اس لئے اے سہیلی، ہمیں اپنا ہار جلد گوندھ لینا چاہیئے کیونکہ کل تک تو پھول کمہلا جائیں گے اور وہ خواب پر لگا کر اڑ جائے گا۔"

"اس مجروح دماغ کا خواب جو انسانی غلط کاریوں پر تبسم ہوتا ہے، الائچی کے اس تنہ کی طرح ہے جو زخمی تیشہ ہو کر زیادہ تعطر بیز ہو جاتا ہے، اس لئے اے سہیلی ہمیں اپنا ہار جلد گوندھ لینا چاہیئے کیونکہ کل پھول کمہلا جائیں گے اور وہ خواب پر لگا کر اڑ جاے گا۔"

پھولوں کا طرہ تیار ہو جاتا ہے اور نعمانہ اس تاجِ گل کو نورجہاں کے زیبِ سر کر دیتی ہے۔ نورجہاں کی مست خواب آنکھیں نیند سے مغلوب ہو جاتی ہیں۔ اور جس آہستگی و سکون کے ساتھ گرمیوں میں خوشبو آتی ہے اُسی خموشی اور ترقی کے ساتھ اس کے پپوٹوں پر نیند کا سحر طاری ہو جاتا ہے اور دفعتہً نسیم نیم شبی، ہلکے ہلکے سروں کی ہم آہنگی سے لبریز، جاری ہو جاتی ہے اور موسیقی کی روح جو نعمانہ کے عمل کی موکلہ ہے فضا پر محیط ہو جاتی ہے اور جب اس کے بازو جنبش میں آ جاتے ہیں تو عجیب دلفریب شیرینی سے مملو موسیقی پیدا ہونے لگتی ہے۔ یہ روح فضا میں چکر لگا رہی ہے اور کہہ رہی ہے:۔

"ایک فوارۂ موسیقی نواز میرا مسکن ہے اور شب ماہ کے طرہ ہائے گل نے مجھے یہاں کھینچ بلایا ہے، ایک چشمہ میرا مامن ہے جہاں میں صبح و شام اور روز و شب امواجِ ترنم کے اندر راحت پذیر رہتی ہوں، جہاں کی ہوائیں بانسریوں کی لے سے ملی جلی ہوتی ہیں، جہاں ہر وقت بارشِ نغمات ہوتی رہتی ہے اور جہاں دل سے نکلنے والی ہر آہ ہونٹوں سے جدا ہو کر گیت بن جاتی ہے۔

میں اپنے پرستانی مسکن سے آئی ہوں اور اگر موسیقی میں اثر سحر ہے تو میں اس تنفس کی قسم کھا کر کہتی ہوں جو شب ماہ کے پردہ ہائے سیمیں سے جاری ہے کہ تیرا عاشق پھر ایک دفعہ تیرے قدموں کو اپنی سانسوں سے پُرنم کر رہا ہوگا۔

میرا نغمہ، وہ نغمہ ہے جو بسہولت وسعت اختیار کرتا ہے اور میرے سُرودِ ہلکے سُر ہیں جو سمندر پر باران یخ کے نزول اور اس کی گرمی سے فوراً پگھل جانے کی طرح، خونِ دل میں شامل ہو جاتے ہیں اور دل کو پاک و منزہ کر دیتے ہیں۔ میرا سحر وہ سحر ہے جس کے پُراسرار اثر کے سامنے، مسرات ماضی کی روحیں اظہارِ اطاعت میں جھک جاتی ہیں، میرے طلسم ترانہ نواز کی صدا کے ساتھ،

یہ ارواح گروہ درگروہ جمع ہوجاتی ہیں، اور یہ راگ گیت وہ گیت ہے جو داعیاتِ محبت کو ایک دل سے دوسرے دل تک اسی طرح پہونچا دیتا ہے، جس طرح ایک چڑیا دلکشا ہواؤں میں تیرتی ہوئی الائچی کے بیج ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہونچا دیتی ہے۔

میرے ایک خفیف لمس سے ایک جنگجو کا دل ایسا نرم و مطیع ہوسکتا ہے، جیسے اُس کی کلغی کے سفید پر جو جنگ کی ہلاکت باریوں میں سربلند و چمکیلے نظر آتے ہیں۔

میں اپنے پرستانی مسکن سے آئی ہوں اور اگر موسیقی میں اثر سحر ہے تو میں اس تنفس کی قسم کھا کر کہتی ہوں جو شب ماہ کے طرۂ گل سے جاری ہے کہ تیرا عاشق پھر ایک دفعہ تیرے قدموں کو اپنے سانسوں سے نم آلود کر رہا ہوگا۔

صبح کی طلعت نظارہ فروز ہوتی ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ کیوں اثر انفعال سے متاثر ہوکر پھر ایک دفعہ اپنے نقاب شب رنگ میں روپوش ہوجاتی ہے۔ گویا نمود صبح وہ معشوقِ مست خواب ہے جو نیند سے بیدار ہوکر ایک ہلکی سی انگڑائی لیتا اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے"

نورمحل کی وہ آنکھیں، جن میں رات آکر پناہ لیتی ہے، اس وقت بیدار ہیں۔ وہ اپنی نے نوازی میں محو ہے۔ اس وقت اسکا لحن کمتر انسانی اور بیشتر ملکوتی ہے، کیونکہ اس ساعت سے قبل کسی مطرب و مغنی کسی لحن طراز و گلوپرداز کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی ایسے تازہ نغمات قدس کسی انسان کے ہونٹوں سے ادا نہیں ہوئے وہ انفاس ملائکہ سے زیادہ شیریں ہیں، اور وہ الوہیت جو فرشتوں کی سانس میں ہوتی ہے اس نغمہ و موسیقی سے کم ہے"

نورمحل پر اس حالت و کیفیت سے ایک عالم وجدان طاری ہوجاتا ہے وہ تاب نہ لاکر پکار اٹھتی ہے:۔

خدا کرے یہ حالت، یہ کیفیت، یہ سمان رات ہونے تک قائم رہے، اگر ایسا ہوا تو پھر وہ میرا اور ہمیشہ کے لئے میرا ہوجائے گا"

وہ پھر گانے لگتی ہے، اور ہر ساعت کے بعد نیا گیت شروع کرتی ہے، اس خوف سے کہ مبادا یہ ربانی کیف و اثر شام ہونے سے قبل ہی زائل ہوجائے۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ جن چیزوں میں اس درجہ سماویت ہوتی ہے وہ سریع السیر ہوتی ہیں۔ لیکن اس کا یہ خطرہ اُس کی موسیقی کا تقدس ہر لحظہ بڑھا رہا ہے۔ یہ غنا کی دیوی، موسیقی کی ملکہ، اندیشۂ دل سے مجبور ہوکر بانسری کے ایک ایک سُر پر بہت دیر تک قائم رہتی ہے اور ہر سُر سے جداگانہ ایک گیت نکالتی ہے یہانتک کہ اپنی نوائے نغمہ اور زمزمۂ موسیقی کی کیفیت میں خود بھی مست و بیخود ہوجاتی ہے، (جس طرح (Echo) الہۃ الصدا خود اپنے گیت پر عاشق ہوکر اُس کے نشہ میں سرشار ہوجاتی ہے) اس توقع میں کہ نغمہ اپنی طرب انگیزی سے، سرور اپنی نشاط پروری سے اور کیف جام اپنی سرخوشی سے شاید اس کے دل کو اس عذاب غیبت سے نجات دلاسکے جہانگیر نے شالامار میں آج شام کو ایک جشن قرار دیا ہے، وہ شالامار جس کے کنجوں میں، اس وقت جب ستارۂ شام آئینہ آب میں اپنی پہلی جھلک دیکھتا ہے، کشمیر کی حوریں جمع ہوجاتی ہیں۔ صنف نازک کے بہترین افراد، نزاکت و رعنائی کے ساتھ باغ کی روشوں پر خراماں خراماں جاتے ہیں اور وہاں کے تسنیم و سلسبیل سے حُسن کی شعاعیں پی پی کر شاد کام ہوتے ہیں۔

اس محشر ستانِ حسن و جمال میں، نازنینانِ کشمیر کے علاوہ، حور وشاں حرم شاہی بھی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ رونق فزا ہیں وہ پری جمالانِ حرم، جن میں زریں زلفوں والی دوشیزگانِ مغرب، خرام رعنا رکھنے والی نازنینانِ مصر، قبرص کے دامنِ کوہ کی رہنے والیاں جن کا لباس بارہائے الماس سے مزین ہوتا ہے، اور خطا کی خواب آلود آنکھوں والی کنواریاں بھی شامل ہیں۔

الغرض ربع مسکوں کا منتخب نمونۂ حسن و شباب، شالامار کے لئے وجہ زینت و افتخار بنا ہوا ہے، لیکن حیف! نور محل، وہ ملکۂ جمال جس کے ضیائے تبسم سے دنیا کی روشنیوں میں نور اور جس کی رعنائی سے عالم کے حسینوں میں شانِ دلربائی قائم ہے نہیں ہے۔ شاہنشاہ کا دل و دماغ اس کا آماجگاہ بنا ہوا ہے اور عیش و عشرت کی یہ نمائش بجائے وجہ دلبستگی ہونے کے اس کے لئے وحشت و تنفر کا سامان ہے، کیونکہ نور محل کے سوا اور اس کے بغیر کوئی شے اسے اپنی طرف راغب نہیں کر سکتی۔

نور محل ایک عرب دوشیزہ کے لباس میں، نفیری والوں کی چوکی میں ملی ہوئی وہاں موجود ہے اور اس کا سحر نغمہ تمام فضا پر چھایا ہوا ہے، چونکہ اس نے عرب کنواریوں کی طرح اپنا چہرہ نقاب کے اندر چھپا رکھا ہے اس لئے وہ ابھی تک پہچانی نہیں جا سکی ہے۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ چاروں طرف اس انتظار و جستجو میں پھر رہی ہے کہ جب مخصوص ساعت آوے تو وہ اپنی بانسری کا جادو آزمائے کہ آیا اس کی صدا میں اس وقت تک وہ اثر باقی ہے یا نہیں۔

باغ میں جا بجا چوکیاں بچھا دی گئی ہیں اور کشمیر کی ریشمی چادروں سے ڈھکی ہوئی ہیں، جن پر نظر فریب فواکہ و مشروبات بکثرت موجود ہیں۔ تاکستان قزوین کے چمپئی انگور، سمرقند کے سرخ انار، جن کو فشار دینا ایسا ہے گویا کسی سیال شے کا نچوڑ لینا، کشمیر کی ناسپاتیاں، کابل کے سرخ سیب، بخارا کے پرحلاوت زرد آلو، سمرقندی اخروٹ، خرمائے بصرہ، ایرانی خوبانیاں، خوشنما اور دلفریب برتنوں، صندلیں کشتیوں میں رکھے ہوئے ہیں اور حسین و نادر ظروف بلوریں مشروبات سے لبریز ہیں۔ ان نیلمیں واخضریں زریں واحمریں میناؤں کے چاروں طرف ایک جلوۂ سیال مستقلاً قائم ہو کر رہ گیا ہے، بحر اخضر کے تاکستانوں میں پھوٹ نکلنے والی بادۂ انگور، شبنم متجلی معلوم ہو رہی ہے، شراب شیراز کے رنگ کا یہ عالم ہے کہ گویا وہ عقیقِ نادر و نایاب، جس کے لئے قبلائی خاں نے ایک شہر کی دولت پیش کر دی تھی، مینا کے اندر رقیق ہو کر رہ گیا ہے۔

(۵)

جہانگیر الم زدہ جہانگیر ان شرابوں کے جام پیہم پی رہا ہے، کثرت مینوشی سے اپنے خلائے دل کو پُر کرنا چاہتا ہے کہ یہ سیلاب ناب اُس کے دل میں اس درجہ طوفان خیز ہو جائے کہ پھر وہاں طائرِ محبت کی پرواز کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے، مگر اس نے شاید بھلا دیا ہے کہ محبت کا شرر دیتا تو ساغر مے کی لہروں پر بھی شناوری کرتا اور انھیں اپنے ابتسام دائمی سے تجلی ریز بنا دیتا ہے۔ مطربانِ ہند نے اپنے ادبی تخیل میں کامدیو کو گل رنگ کنول ہی پر گنگا کی امواج متبسم میں تیرتا ہوا دیکھا ہے۔

دور ساغر کا لطف بے مزہ ہے، اگر اس آتش سیال کو نغماتِ موسیقی کا تنفس نہ لے اڑے۔ چنانچہ ایک پرشباب لڑکی اطرح لحن طراز ہوتی ہے:۔

"دن کی روشن ساعتوں میں اور رات کے تاریک لمحوں میں ہم لذتوں سے سرشار ہیں، وہ لذتیں جو کبھی ختم نہیں ہوتیں، جس طرح تابستانی سمندر کہ ایک موج کے بعد دوسری ویسی ہی اور اتنی ہی دلفریب پیدا ہوتی رہتی ہے، وہ محبت جو اپنی انتہا کو پہونچ چکتی ہے اپنے دم والپسیں میں دوسری محبت کی تخلیق کا باعث ہوتی ہے۔

اس فضا میں دوشیزگانِ مہوش سانس لے رہی ہیں اور اس کا یہ تنفس اس پھول کی طرح معطر ہے جو شہد کی مکھیوں کے بوسوں سے ابھی ابھی کھلا ہے، اُن کے اشکِ محبت گوہر بار ابر نیساں کی طرح قابل قدر ہیں بلکہ اس بوسہ اور قطرۂ اشک کی قیمت تخمین و اندازہ کی رسائی سے باہر ہے۔

یہاں وہ آبِ نشاط جلوہ افروز نگاہ ہے، جسے محبت نے گدازِ لطافت سے مملو کر دیا ہے اور جس کی دلکشی فرشتوں کو اپنے سماوی مسکن سے کھینچ لاتی ہے وہ فرشتے اس بادۂ ارضی کے لئے تسنیم و سلسبیل کو خیرباد کہدیتے ہیں اور بنات الارض کی تجلی نظر میں انجم فلک کو بھول جاتے ہیں پھر ان صراحیوں کی عنبر زا خوشبو کو کون سی روح آسمانی کو دنیا پسند کرے گی؟"

جارجیا کی اس حسین دوشیزہ کے نغموں سے ہنوز فضا خالی نہ ہوئی تھی کہ اسی بحر اور انھیں سروں میں ایک سرود ہم آہنگ ہو جاتا ہے اور کچھ ایسی لاہوتی موسیقی سے فضا کو معمور کر دیتا ہے کہ ہر متنفس نقشِ حیرت بن جاتا ہے کہ موسیقی کے اس مخرج کو معلوم کرے گویا یہ نشید صورِ اسرائیل کی سب سے پہلی صدائے ہوش ربا تھی، جس نے ہر شخص کے محسوسات کو اپنے سحر سے مغلوب کر لیا تھا۔

اسی وقت ایک لحن روح نواز اسی سرود کی طرح مبہوت کر دینے والا ساز کے تاروں پر موج زن ہو جاتی ہے اور ساز سے اس درجہ ہم آہنگ ہے کہ سننے والے تمیز نہیں کر سکتے کہ آیا کس میں زیادہ سماویت ہے، ساز سامعہ نواز میں یا لحن روح پرور میں۔ الغرض نغمہ و موسیقی ایک ـــــ نیا عالم پیدا کر دیتے ہیں۔ متعدد آوازیں بیک وقت ہم آہنگ ہو جاتی ہیں کہ "یہ تو وہ نقاب پوش عرب لڑکی ہے" سلیم، جو اس غنار کا سب سے زیادہ معمول اثر ہو کر کچھ دیر کے لئے مبہوت و بیخود ہو گیا تھا، ہاتھ کے اشارہ سے مزید نغمہ کا طلبگار ہوتا ہے اور یہ وجدانی نغمہ ہر شے پر چھا جاتا ہے:۔

"چل میرے ساتھ جنگلوں میں نکل چل۔ کیونکہ ہمارے عربی خیمے تیرے لئے موزوں نہیں ہیں، بہر قطع لیکن آباد محبت خیموں اور خوبصورت لیکن محروم محبت تاج و نگین کے درمیان انتخاب کرنے میں کون ایسا دل ہے جو غلطی کر سکے؟

ہر چند ہمارا مسکن ہے مگر متبسم مرد کی ادا کچھ کم محبوب نہیں۔

ہر چند ہمارے صحرا بے برگ و شجر ہیں، لیکن اُس کے دامنوں میں نقرئی پاؤں رکھنے والے غزالانِ دشت اس طرح محو خرام ہیں گویا وہ شاہی محل کے فرش مرمریں پر چل رہے ہوں،

دنیا کی نگاہوں میں ایسی نظریں بھی ہیں، دنیا کی آوازوں میں ایسے لہجے بھی ہیں جو دلوں کے اندر مسرت بن کر تیر جاتے

ہیں جب پہلی مرتبہ تیری چشم کرشمہ پرور مجھ پر جلوہ فگن ہوئی اور پہلی مرتبہ تیرے لبوں نے مسیحا طرازی کی تو ہر نظر اور ہر آواز مجھ تک ایسے ہی اثر میں ڈوبی ہوئی آئی، اور گو میرے لئے ان میں اس قدر اجنبیت تھی کہ میں نے انھیں کسی دوسرے ہی عالم سے منسوب کیا، لیکن ان کی پذیرائی میں نے اس طرح کی کہ گویا میں ان سے ہمیشہ کی واقف تھی۔

اس لئے اگر تیرا دل کسی اور شعلہ کا آشنا نہیں ہوا تو میرے ساتھ نکل چل۔ لیکن اگر میرے لئے تجھے اور کسی سے بیوفائی کرنا پڑے اور اس حور کو جس کی تو نے پرستش کی ہے چھوڑ دینا پڑے تو مجھے رخصت کردے، کیونکہ اس صورت میں مجھے اپنا مسکن کسی یخ بستہ جھیل پر بنا لینا قابل ترجیح ہوگا۔

اس نغمہ میں وہ سوز و گداز تھا کہ نعمانہ کے اثر فن کے بغیر بھی سلیم کے دل سوزاں میں گھر کر لیتا، اس کا ہر تنفس اور ہر ترانہ وہ چیز تھی جس سے دنیا کے ہونٹھ اور ساز محروم تھے، اس کے تاروں کی ہر لرزش اور گیت کے ہر بول میں نغمہ و موسیقی کی دیوی کی روح شامل تھی "وہ کیا تھا" یہ نہیں بتایا جاسکتا مگر یہ کہ "وہ سب کچھ تھا" بالکل مسلم ہے۔

(۶)

جہانگیر ہوش میں آکر سنبھلتا ہے، اور لبریز ساغر کو جو ابتدائے نغمہ و ترنم سے اس کے ہاتھ میں تھا اور ہونٹوں تک نہ جاسکا تھا زمین پر دے مارتا ہے اور اس نئی مطربہ کو جس کا نام اس وقت تک کوئی نہ جانتا تھا، اس نئی مغنیہ کو جسے اس وقت کوئی نہ پہچانتا تھا بے اختیارانہ پکارتا ہے "نور محل، آہ میری نور محل" یہ سحر طراز نغمہ اگر تو نے مجھے پہلے سے سنایا ہوتا تو میں اسی وقت تیرے قصور سے چشم پوشی کرتا اور تیری آنکھوں کے سامنے سے پھر کبھی علیحدہ نہ ہوتا۔

نقاب الٹ جاتا ہے، سحر اپنا کام کر چکتا ہے اور سلیم، نور جہاں کو اپنی نور محل کو اپنی آغوش میں چھپا لیتا ہے۔ احساس رنجش زائل ہو جانے کے باعث اس کی آنکھوں میں ہر نگاہ حسن و دلفریبی سے مملو تر اور خوبی و دلربائی سے آباد تر ہے، اس کے ہونٹوں پر آ آکر کھیلنے والے تبسم کی ہر نمود زیادہ دلنشین ہے اور اس کی آہیں نکہت مسرت سے مالا مال ہیں۔ اُس کا چہرہ جہانگیر کے شانے پر استراحت پذیر ہے اور وہ اپنی خندہ بار آنکھوں سے دیکھتی ہے اور کہتی ہے "میرے محبوب آقا بھول نہ جائیے کہ آج جشن شگوفہ ہے"

(ل۔ احمد)

ظریف شاعروں کا تذکرہ

تقریباً نصف چھپ چکا ہے باقی نصف بھی انشاء اللہ بہت جلد طیار ہوگا۔ اس لئے جن حضرات کا روپیہ وصول ہو چکا ہے وہ مطمئن رہیں جس وقت یہ کتاب چھپ گئی فوراً ارسال خدمت ہوگی۔ "منیجر نگار"

علوم اسلامی پر ایک مؤرخانہ نظر

علوم عرب قبل اسلام

ہر چند میر بیگسٹال (مشہور جرمن مستشرق) کا یہ قول بڑی حد تک صحیح ہے کہ عرب اور عربی لٹریچر کی صحیح تاریخ اسوقت سے شروع ہوتی ہے، جب وہاں آفتاب رسالت طلوع ہوا، لیکن مطلقاً اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قبل عہد اسلام، عرب میں کسی علم کا رواج ہی نہ تھا اور "زمانہ جاہلیت" علمی نقطہ نظر سے بالکل تاریکی وظلمت کا زمانہ تھا۔

علامہ شہرستانی نے اپنی مشہور تصنیف، الملل والنحل میں لکھا ہے کہ قبل اسلام، عرب میں خصوصیت کے ساتھ چار علوم کا زیادہ رواج تھا:- (۱) علم الانساب (۲) تاریخ (۳) تعبیر الرویا اور (۴) علم النجوم

شاہان حیرہ وغسان نہ صرف علوم وفنون کی قدر کرتے تھے بلکہ وہ خود بھی شعر کہتے تھے اور ان میں بعض بعض اچھے شاعر تھے۔

منذر، اپنی سیاسی ذہانت کی وجہ سے، تاریخ میں بہت نمایاں نظر آتا ہے اور اس کے بیٹے عمرو کے دربار میں المتلمس اور طرفہ دو مشہور شاعر رہا کرتے تھے، جن میں سے موخر الذکر معلقات میں سے ایک قصیدہ کا مصنف تھا۔ منذر کے جانشین، نعمان نے جس سیرچشمی سے نابغہ اور لبید شعراء کی قدر کی وہ تاریخ کا روشن واقعہ ہے۔

بنو غسان کا آخری بادشاہ، جبلہ ابن الایہم، جو خلیفہ ثانی کے عہد تک زندہ رہا، اپنے عہد کا مشہور شاعر تھا، اور فرمانروایان عرب کی صف میں امراؤ القیس کو جو مرتبہ شاعری کے لحاظ سے نصیب ہوا، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آج دنیا میں وہ شاعری کی حیثیت سے مشہور ہے اور بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ حیرہ کا تاجدار بھی تھا۔

حیرہ کی تاریخ اٹھا کر دیکھیے تو معلوم ہوگا، کہ فن تحریر کو رواج دینے میں یہی رہنمائے اولین تھا، کیونکہ اہل حجاز نے اس فن کو حیرہ یا انبار ہی سے حاصل کیا تھا۔ اور پھر جب ایک صدی بعد خلیفہ ثانی کے عہد میں کوفہ کی بنیاد قایم ہوئی، تو یہ فن وہاں بھی رائج ہو گیا۔ جسے آج بھی کوفی خط سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس سے قبل اس مسئلہ میں اختلاف تھا کہ عربوں میں فن تحریر کا رواج کب سے ہوا اور بعض لوگ اسکی قدامت ثابت کرنے میں بہت مبالغہ سے کام لیتے تھے، لیکن اب یہ واقعہ پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا ہے کہ قدیم ترین عربی تحریریں وہ ہیں، جو عہد رسالت سے ایک صدی قبل لکھی گئی تھیں۔ اس سے پہلے کسی تحریر کا پایا جانا یا اس فن کا رائج ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ قبل اسلام کی جو تحریریں پائی گئی ہیں، ان میں قصاید کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں۔ جو

اظہار تفاخر میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے سامنے بڑھا کرتا تھا۔ اس لئے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ عہد رسالت سے پہلے ایام جاہلیت میں، مذاق شعری، اعراب میں پوری طرح پایا جاتا تھا، اور سوسائٹی کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جو اس سے متاثر نہ ہو چنانچہ قبیلۂ ہذیل کی نظموں کا مجموعہ یا حماسہ وغیرہ کافی شہادت اس امر کی ہے۔

علم الانساب بھی، حسب بیان شہرستانی، ان میں رائج تھا، لیکن جہاں تک معلوم ہے اس کی طرف پوری توجہ حضرت عمر کے عہد سے ہوئی، جب مجاہدین کی تنخواہیں مقرر کرنے کے لئے اسم نویسی کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس سلسلہ میں بلاذری کی انساب الاشراف، خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے

علاوہ شاعری اور علم الانساب کے، اہل عرب میں، قبل ظہور اسلام قصہ گوئی کا بھی کافی ذوق پایا جاتا تھا چنانچہ ابو عبیدہ، عہد جاہلیت کے مشہور اور بے نظیر داستان گو سمجھے جاتے تھے۔

عہد رسالت و خلفائے راشدین

جب آنحضرت نے تبلیغ اسلام شروع کی، تو جن مصائب کا سامنا آپ کو کرنا پڑا، وہ سب پر ظاہر ہے اور ایسی صورت میں جبکہ لاکھوں افکار آپ کے پیش نظر تھے، علوم و فنون کی طرف کوئی توجہ نہ ہو سکتی تھی، تاہم جب آپ کے پیش نظر کوئی ایسا موقع آیا، تو آپ نے ضرور فائدہ اٹھایا، چنانچہ آپ نے بدر کے قیدیوں کو صرف اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ لوگوں کو لکھنا سکھائیں۔ پھر اس کے ساتھ اگر رسول اللہ کی احادیث کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ نے کن کن طریقوں سے لوگوں کو علوم و فنون سیکھنے کی طرف رغبت دلائی ہے رسول اللہ کے بعد خلیفہ اول کا عہد شروع ہوا، لیکن افسوس ہے کہ وہ بہت کم رہا۔ خلیفہ دویم نے نسبتاً طویل زمانہ پایا لیکن آپ کو حکومت اسلام کی بنیاد ہی استوار کرنے سے فرصت نہ ملی تھی کہ قدرت نے اس عجیب و غریب ہستی کو اپنے پاس بلا لیا۔ خلیفہ ثالث کا عہد بیشک طویل تھا، لیکن آپ کی صداقت اور نیکی سے لوگوں نے اسقدر ناجائز فائدہ اٹھایا کہ آخر کار اندرون ملک میں انتشار و افتراق کی آگ مشتعل ہو گئی، جس کی چنگاریاں صدیوں بعد تک تمام اکناف عالم میں اڑتی رہیں۔ خلیفہ چہارم نے باوجود اس کے کہ درجہ بدامنی کی حالت میں عنان خلافت ہاتھ میں لی، اور حکومت اسلام کے دو حصے آپ کے عہد ہی میں ہو گئے، تاہم آپ علم کیطرف سے غافل نہیں رہے اور آپ ہی کے اشارے سے ابو الاسود الدؤلی نے زبان عربی کو صحیح لکھنے اور صحیح بولنے کے قواعد مرتب کئے۔ اس کے بعد خلیل نے علم عروض کے قواعد مرتب کئے اور آخر کار بصرہ و کوفہ مسلمانوں کی ادبی تحریکات کا مرکز ہو کر رہ گئے۔ جن سے کسائی اور سیبویہ کی مشہور ہستیوں کو کبھی جدا نہیں کیا جا سکتا۔

عہد بنی امیہ

عہد بنی امیہ کے ساتھ ہی حکومت اسلام کا رنگ بدل گیا اور یہ اک تاریخی حقیقت ہے کہ وہ مذہبی حکومت، جو خلفائے راشدین کے عہد میں پائی جاتی تھی، مفقود ہو گئی اور اس کے بجائے دنیاوی جاہ و جلال کے مناظر ہر طرف نمودار ہونے لگے، لیکن اسی کے ساتھ یہ کہنا کہ بنوامیہ نے ترقی تعلیم و تہذیب کی طرف توجہ نہیں کی حقیقتاً انصاف کا خون کرنا ہے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ "اسپرٹ آف اسلام" کے مصنف نے کیونکر ایسا غلط الزام بنوامیہ پر

لگا کر اپنی عصبیت کو اس بری طرح سے ظاہر کر دینا پسند کیا۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خاندان بنی امیہ کے بعض افراد (مثلاً ولید ثانی، یزید ثالث اور مروان ثانی) ایسے تھے جن پر یہ الزام عاید ہو سکتا ہے لیکن کیسا صریح ظلم ہے کہ ان بعض افراد کے حال پر قیاس کر کے سارے خاندان بنی امیہ کی نسبت تو یہ حکم لگا دیا جاتا ہے لیکن خاندان بنی عباس میں (جس کی علم پروری کے افسانے اسقدر مشہور ہیں) مستنجد اور مقتدر کے واقعات کو پیش نظر رکھکر سارے خاندان عباسیہ کو علم و تہذیب کا دشمن قرار نہیں دیا جاتا۔

امیر معاویہ، جو خاندانِ بنی امیہ کے موسّس اولین ہیں (ان کی نسبت خواہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کہے) لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ بڑے دل والے اور سیر چشم آدمی تھے۔ آپ نے اپنی مسیحی رعایا کے ساتھ حسن سلوک کو روا رکھا اگر اسکو بازنطائن فرمانروایان کے طرزِ عمل کے ساتھ ساتھ ملا کر دیکھا جائے، تو معلوم ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہ کس قدر فراخ دل رکھتے تھے۔ دنیا کو معلوم ہے کہ آپ ہی نے ایک مسیحی طبیب ابن اثال کو اپنے دربار میں بلا کر حکم دیا تھا کہ طب کی کتابیں، عربی میں ترجمہ کرے اور آپ ہی نے عابد کو صنعا سے طلب کر کے مجبور کیا تھا کہ وہ شاہان یمن کی تاریخ کو ایک جگہ کتابی صورت میں محفوظ کر دے۔

امیر معاویہ کا بیٹا اور جانشین، یزید بھی اچھا شاعر تھا اور شعرا کی قدر کیا کرتا تھا اور خالد ابن یزید کو تو علوم کی طرف خاص شغف تھا چنانچہ اس نے متعدد آدمی متعین کئے تھے کہ وہ مختلف کتابیں عربی زبان میں منتقل کریں اور اگر ابن ندیم اور ابن ابی اُصیبعہ کی روایت پر اعتماد کیا جائے، تو خالد کے اکتسابات علمیہ کا درجہ بہت بلند نظر آتا ہے۔

عمر ابن عبد العزیز، مصر کے گورنر ہی تھے کہ یونانی علوم کی طرف آپ کو توجہ ہوئی، چنانچہ ابن ابجر سے جو اسکندریہ میں یونان کے علوم فلسفیہ کا بہت بڑا ماہر تھا، آپ نے ملاقات پیدا کی اور یہ مراسم اس حد تک مستحکم ہوئے کہ جب آپ خلیفہ ہوئے تو ابن ابجر کو سارے محکمہ حفظان صحت کا منتظم بنا دیا۔

ابن ابی اُصیبعہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی کے عہد میں یونان کے بہت سے علوم و فنون مصر سے انطاکیہ اور حرّان میں منتقل ہوئے اور وہاں سے دیگر بلاد اسلامی میں۔

ہشام بن عبد الملک، اک اعلیٰ درجہ کا محارب ہونے کے ساتھ ہی جیسا قابل و فاضل خلیفہ تھا، وہ تاریخ کا روشن واقعہ ہے۔ اسکا وزیر یا کاتب خصوصی وہی سالم تھا جو اپنے عہد کا بڑا مشہور زباندان تسلیم کیا جاتا تھا اور جس نے ارسطاطالیس کی متعدد کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کیا۔ سالم کے بیٹے جبلہ نے بھی متعدد تاریخی کتابیں فارسی سے عربی میں ترجمہ کیں۔

ابن ندیم نے بیان کیا ہے کہ اکاسرۂ عجم کا جو علمی خزانہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا، اس میں ایک تاریخ ایران بھی تھی جو نہایت بسیط و مفصل ہونے کے علاوہ مصور بھی تھی، چنانچہ خلیفہ ہشام نے سنہ ۱۱۳ھ میں اسکا ترجمہ عربی میں کرایا۔ جسے مسعودی نے خود بمقام اصطخر سنہ ۳۰۳ھ میں دیکھا تھا۔

عبد القاسم حمّاد، جس کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ اس نے ایک بار ایک نشست میں ۲۹۰۰ قصیدے شعراء جاہلیت کے سنا دیئے،

ولید ابن عبدالملک اور ہشام ہی کے دربار کا شخص تھا، اور اگر انصاف سے کام لیا جائے، تو اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ انہیں خلفاء کی کوشش تھی جس نے قدیم شعراء کے کلام کو محفوظ رکھا ورنہ آج ایک لفظ بھی عہد قدیم کے لٹریچر کا نظر نہ آتا۔

ہر چند ہشام کے ساتھ عہد بنی امیہ کے عروج کا بھی خاتمہ ہو گیا، تاہم اسوقت تک جو کچھ ہو چکا تھا وہ بھی کم نہ تھا اور حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ بنیاد تھی جس پر بعد کو بنو عباس نے اپنی عمارت قایم کی اور اگر اسی کے ساتھ اسپین کی اموی خلافت قرطبہ پر لحاظ کیا جائے جس نے قرون وسطیٰ میں اپنے علم و تہذیب کے کارناموں سے دنیا کو متحیر کر دیا، تو شاید خاندان بنی امیہ کے احسانات علمیہ کا کوئی استقصار ہو ہی نہیں سکتا۔

عہد بنی عباس

جب بنو عباس کا عہد شروع ہوا، تو انہوں نے عہد بنی امیہ کے علمی باقیات الصالحات کو نہ صرف محفوظ رکھا، بلکہ اس میں ترقی پیدا کرنے کی کوشش تام کی۔ چونکہ حکومت بنی عباس کے اصول بنو امیہ سے الگ تھے اور انکے امیال و عواطف زیادہ تر عجمی عنصر سے متعلق تھے اسلئے انکی کوششیں بھی جدا تھیں اور علمی مساعی کے حدود بھی بنو امیہ سے ذرا مختلف تھے۔

اس زمانہ میں نہ صرف تاریخ پر توجہ کی گئی، بلکہ علم الفقہ، فلسفہ اور دیگر علوم عقلیہ کی طرف بھی کافی اعتنا کیا گیا اور چونکہ اس عہد میں یونانی تہذیب کے ساتھ عجمی مذاق بھی مل گیا تھا، اس لئے انہوں نے شائستگی کی طرف نہایت سریع قدم اٹھایا۔ لیکن اسی کے ساتھ انحطاط و زوال کے وہ جراثیم بھی پیدا ہو گئے جو دنیاوی جاہ و جلال، مادی دولت و ثروت اور انسانی تہذیب و شائستگی کے اجزاء لازم ہیں، اور جنہوں نے آخرکار دولت عباسیہ کا شیرازہ منتشر کر دینے میں کوئی دقیقہ کوشش کا فروگذاشت نہیں کیا۔

عرب میں یونانی علوم و فنون کا رواج تین ذرائع سے ہوا۔ اسکندر اعظم کے وقت سے دجلہ و فرات کے درمیان کا حصہ تمام تر یونانی تہذیب سے متاثر تھا۔ چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب شاہ اسپارٹا کے دربار میں کراسس کی موت کی خبر پہونچی، تو اسوقت وہاں یوریدس (یونان کا نہایت مشہور شاعر و ڈرامہ نگار) کا ایک ڈرامہ جو ٹریجڈی سے متعلق تھا، دیکھا جا رہا تھا، اس کے بعد ۵۳۱ء میں ساسانی بادشاہ خسرو نوشیرواں نے خوزستان میں جندشاپور کے مقام پر ایک اکیڈیمی (مجلس علمیہ) قایم کی، جو ساسانی حکومت کے زوال کے بعد بھی تین صدی تک قایم رہی۔ یہاں یونانی طب و فلسفہ کی بھی تعلیم دیجاتی تھی۔

اس کے بعد شامیوں نے دوآبہ دجلہ و فرات میں عربوں کے اندر یونانی فلسفہ کا مذاق پیدا کیا اور یہ مذاق ان میں اس حد تک رچ گیا کہ مذہب عیسویت کے متعلق جو خیالات انہوں نے قائم کئے وہ بھی اس رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے اور اسطرح حکومت بازنطائن نے جو فائدہ اس سے اٹھایا وہ تاریخ کا کھلا ہوا واقعہ ہے۔

چونکہ حکومت بازنطاین کے زیر اثر، یونانی اور رومن حکماء سے اہل عرب کو تبادلہ خیالات کا بہت موقع ملتا تھا، اس لئے وہ اقلیدس، افلاطون اور ارسطاطالیس کی کتابیں عام طور سے پڑھتے تھے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ علاوہ اس کے انطاکیہ اور موصل کے درمیان شامی عیسائیوں کی جماعتیں خانقاہوں کے اندر یونانی کتابیں عربی میں منتقل کر رہی تھیں، اور اسطرح علوم یونانی کے ساتھ ساتھ مسیحی خیالات بھی آہستہ آہستہ عربوں میں پھیلتے جاتے تھے۔

حرّان کے رہنے والے (شام کی یہی جماعت ایسی تھی جو اپنے اصلی مذہب پر قایم رہی) بھی خاص ذریعہ ہیں جنسے عربوں نے یونانی تہذیب کو حاصل کیا، چونکہ اہل حرّان عربی زبان نہایت اچھی جانتے تھے اسلئے جو تراجم انکے ذریعہ سے ہوئے وہ نہایت مکمل تھے۔

خاندانِ عباسیہ کے عروج کا بنیادی پتھر منصور نے رکھا اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے عہد میں زبان عربی کو بہت ترقی حاصل ہوئی، سیبویہ، کسائی، خلیل، اسی عہد کے درخشندہ گوہر تھے اور اسی نے کسائی کو اپنے بیٹے مہدی کی تعلیم کے لئے بہ حیثیت اتالیق مقرر کیا تھا۔ اصمعی بھی اسی زمانہ میں ہوا ہے، جو اپنی قوتِ حافظہ کے لحاظ سے تاریخ عرب کی ایک نہایت ہی مشہور ہستی ہے۔

ذہبی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۴۳ھ میں علمار اسلام نے فقہ، حدیث اور تفسیر کی کتابیں مدوّن کرنا شروع کیں۔ چنانچہ ابن جریج مکہ میں اور امام مالک (صاحب موطّا) مدینہ میں، اوزاعی شام میں، ابن ابی عروبہ، حماد، ابوسلمہ بصرہ میں، معمر یمن میں، اور سفیان الثوری کوفہ میں مصروفِ تصنیف و تالیف تھے۔

جب سنہ ۱۴۸ھ میں خلیفہ منصور، بیمار ہوا اور اس کے دربار کے اطبار نے جواب دیدیا، تو اس نے جارج کو جو جندیشاپور کی مجلس علمیہ کا مہتمم تھا، طلب کیا اور اس کے علاج سے فائدہ ہوا، چنانچہ اسکے بعد سے دربار خلیفہ میں متعلقین اکیڈیمی کا اثر قایم ہوگیا اور بعد کو جارج کا پوتا (جبریل) ہارون الرشید کے دربار کا خاص طبیب مقرر کیا گیا۔

منصور کے عہد میں ایک اور شخص ابن مقفع بھی تھا، جو عربی اور فارسی کا بڑا زبردست ماہر تھا۔ اس نے کلیلہ دمنہ کا ترجمہ عربی زبان میں کر کے سب سے پہلے عربوں میں رومان کا مذاق پیدا کیا، جسکی ارتقائی صورت الف لیلیٰ نظر آتی ہے۔ ابن مقفع نے شاہنامہ کا ترجمہ بھی عربی میں کیا اور یہی وہ تصنیف تھی جو بعد کو شاہنامہ فردوسی کی بنیاد قرار پائی۔

معقولات کو، جن کی ابتدا حسن بصری سے ہوئی تھی، ابتدار عہد عباسیہ میں زیادہ ترقی حاصل ہوئی اور خلیفہ منصور نے غیر مذاہب کی کتابوں کا بھی ترجمہ عربی میں کرایا، چنانچہ تعلیمات مانی کی کتابیں بھی اسی عہد میں ترجمہ کی گئیں۔ اسکے علاوہ سنسکرت کی کتابوں پر بھی توجہ کی گئی۔ جنمیں سے ایک سدھنتا خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ اس وقت، معقولات کا رواج زیادہ ہوتا جاتا تھا، لیکن اس کے ساتھ منقولات کو بھی پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا تھا اور انکا اثر اسقدر قایم تھا کہ مامون بھی خلق قرآن کے مسئلہ کو عام طور سے رائج نہ کر سکا۔

عہدِ عباسیہ کے ابتدائی دس سال کے اندر علم الفقہ شروع ہو کر مرتب ہوگیا، عہدِ منصور میں ابوحنیفہ عہد ہارون میں مالک شافعی اور عہدِ مامون میں احمد ابن حنبل وہ ہستیاں تھیں، جن سے آج بھی ہر مسلمان اچھی طرح واقف ہے۔ خلیفہ مہدی کا زمانہ چنداں قابل ذکر نہیں کیونکہ اس نے علوم عقلیہ کی سخت مخالفت کی، لیکن اس کے بعد ہارون نے اس کی بہت کچھ تلافی کردی۔

ہارون نے اک بیت الحکمۃ ہی صرف اس لئے قایم کیا تھا کہ وہاں نہ صرف پہلی کتابیں محفوظ رہیں بلکہ اور جدید تصانیف،

مختلف علوم کی شایع کی جائیں۔ فضل ابن نوبخت کو فارسی کتابوں کا مہتمم بنایا گیا، اور وہ یونانی کتابیں جنہیں ہارون ایشیائے کوچک کی طرف سے لایا تھا، یوحنا ابن ماسویہ کے سپرد کی گئیں۔ ہارون الرشید اپنے علم پروری کے لحاظ سے عجیب و غریب خلیفہ گذرا ہے۔ اسنے ایک بار سفیان ابن عینیہ کو ایک لاکھ درم اور اسحاق موصلی کو دو لاکھ درہم بطور علمی انعام کے دیدیئے، اور یہی وہ خلیفہ تھا، جس نے مروان ابن ابی حفصہ کو صرف ایک نظم کے صلہ میں پانچہزار دینار، ایک خلعت زریں، ایک گھوڑا اور دس یونانی کنیزیں ایک وقت میں بخش دیں۔

الغرض اسکا دربار علماء و شعراء، حکماء و فضلاء کا مرکز تھا اور اس کی قدردانیِ علم کی شہرت تمام اطراف عالم میں پھیل گئی تھی، لیکن اسی کے ساتھ وہ معقولات و منقولات کی تطبیق کا سخت مخالف تھا۔

اس کے بعد جب مامون کا عہد آیا تو مذہبی آزادی زیادہ بڑھ گئی اور اس نے خلقِ قرآن کے مسئلہ کو خود پیش کرکے، علماء عصر کی تصدیق کرانی چاہی، جس میں وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوا۔

مامون، لٹریچر، فلسفہ اور دیگر علوم و فنون کا بہت بڑا قدرشناس تھا اور اس کے عہد میں علوم اسلامی نے اسقدر ترقی کی کہ اس کی نظیر کسی اور بادشاہ کے عہد میں نہیں ملسکتی۔

چونکہ مامون کی ماں اور بیوی دونوں ایرانی النسل تھیں اور علاوہ اس کے اسکا ابتدائی زمانہ مرو میں بسر ہوا تھا، جہاں ایرانی تہذیب کے مناظر کثرت سے نظر آتے تھے، اسلئے اس کے عہد میں ایرانیوں کو بہت درخور حاصل ہوگیا اور اس نے اپنے تمدن کو ساسانی بادشاہوں کے انداز پر قایم رکھنا چاہا، جو بظاہر بہت خوش نما بات تھی، لیکن وہی آخر زوالِ خلافت کا باعث قرار پائی۔

ہارون الرشید کے عہد میں جو بیت الحکمۃ قایم ہوا تھا، اس کو مامون نے اور زیادہ ترقی دی اور اس نے قیصر روم کے پاس سے یونانی کتابیں منگوا کر عربی میں ان کا ترجمہ کرایا۔ حنین اور یعقوب کندی مخصوص طور پر یونانی کتابوں کا ترجمہ کرنے پر مامور تھے ان کے علمی کارنامے اس قدر ہیں کہ ان کے ظاہر کرنے کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے

مامون کو علم ہیئت و نجوم کی طرف بھی خاص رجحان تھا، چنانچہ اس کے اشارے سے یحیٰی ابن ابی منصور المامونی نے الزیج الممتحن اور کتاب العمل کا مصنف ہے، بغداد و دمشق کے قریب رصد گاہیں قایم کیں۔ لیکن مامون کی بے وقت موت کی وجہ سے یہ کام انجام کو نہ پہونچ سکا۔ محمد ابن موسیٰ بن شاکر کا زمین کی پیمائش کی طرف متوجہ ہونا بھی مامون ہی کے حکم سے ہوا تھا۔

مامون کے بعد المعتصم کا عہد شروع ہوا، جو ایک سپاہی مزاج خلیفہ تھا، اس لئے علوم و فنون کا وہ سیلاب جو مامون کے عہد میں رونما ہوا تھا، اس کے عہد میں رک گیا اور تقریباً دس سال تک اسی حالت میں رہا۔

جب ۲۲۷ھ میں واثق سریر آرائے خلافت ہوا تو پھر وہی علمی بیداری ہر جگہ نظر آنے لگی، جو عہدِ مامون میں پائی جاتی تھی۔

اس کے عہد میں بھی کثرت سے غیر زبانوں کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں اور مذہبی آزادی بہت بڑھ گئی۔ یوحنا ابن ماسویہ اس کا دست راست ہو گیا اور بے شمار انعامات اس نے حاصل کئے۔ مسعودی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ واثق نے اس کو تین لاکھ درہم اٹھا کر دے دئیے

اس کا جانشین، المتوکل ہر چند ایسا علم دوست نہیں تھا، تاہم ترجمہ و تالیف کا کام اس کے زمانہ میں بھی جاری رہا، متوکل کے بعد خاندان عباسیہ کا زوال شروع ہو گیا لیکن اب بھی کچھ نہ کچھ سلسلہ علوم و فنون کا جاری یہاں تک کہ شروع سے لیکر زوال خلافت عباسیہ تک بغداد کی سرزمین جو کچھ ہو گیا وہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اگر اس کی تفصیل بیان کیجائے تو ایک مستقل تصنیف مرتب ہو سکتی ہے۔

اسی سلسلہ میں ہم یہاں یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ خلافت بنی عباس کی تاریخ پانچ دوروں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اسکا بہترین زمانہ جسے عہد زریں کہنا چاہیے، مامون پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا دور وہ جب جماعت اتراک کو درخور حاصل ہو گیا۔ یہ زمانہ ۳۳۴ھ تک قایم رہا، تیسرا دور بویہی خاندان کے اثر و اقتدار کا تھا، چوتھا سلاجقہ کی قوت کا اور پانچواں وہ جب انحطاط کی آخری منازل شروع ہوئیں اور آخر کار مغلوں نے آکر بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

ہر چند ۲۰۰ھ کے بعد سے ۶۵۶ھ تک کا زمانہ انتشار و انشقاق کا ہی تھا اور بہت سی چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں قایم ہو کر، وہ مرکزی اقتدار جاتا رہا تھا جو مامون کے عہد تک پایا جاتا تھا۔ تاہم علم دوستی کا وہ مذاق جو اس سے قبل پیدا ہو چکا تھا، مفقود نہیں ہوا اور جہاں جہاں اسلامی حکومتیں قایم ہوئیں وہیں علوم و فنون کی قدر کی گئی۔

اسلئے اگر آپ خلافت عباسیہ کے سارے عہد کو پیش نظر رکھ کر (جس میں تمام چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں بھی شامل ہیں) صرف یہ معلوم کرنا چاہیں کہ اس تمام زمانہ میں کتنے علماء گذرے ہیں تو ان کی صحیح تعداد بھی نہیں معلوم ہو سکتی۔ لیکن اگر صرف مشاہیر و اکابر ہی کو لیا جائے تو ان کی فہرست مرتب کرنے کے لئے بھی اک دفتر درکار ہے۔

فارابی، ابو بکر الرازی، ابو بشر، بو علی سینا، ابن رشید، غزالی، فخر الدین رازی وغیرہ بہت سی ایسی مشہور ہستیاں ہیں جو اس عہد میں رونما ہوئیں اور اپنے نقوش صفحات تاریخ پر ہمیشہ کے لئے ثبت کر گئیں۔

فارابی، ترکستان میں پیدا ہوئے اور مختلف زبانیں انھوں نے حاصل کیں، جس وقت یہ بغداد گئے تو ابو بشر کے خطبات فلسفہ میں شریک ہوئے اور اس کے بعد حران جا کر، ابو یوحنا ابن خیلان سے فلسفہ مسیحیت سیکھا، جب وہ بغداد واپس آئے تو یہاں خود فلسفہ کی تعلیم لوگوں کو دینے لگے۔ ان کو تفلسف کی طرف اس قدر رجحان تھا کہ انھوں نے ارسطا طالیس کی بعض بعض کتابیں چالیس چالیس مرتبہ پڑھیں اور پھر بھی اپنی عمر کی طرف سے بیوفائی کی شکایت لے گئے۔

ان کی بہت سی تصانیف، جو ان کی شہرت کا باعث ہوئیں، بغداد ہی میں لکھی گئی تھیں۔ اس کے بعد یہ دمشق چلے گئے اور وہاں سے مصر، مصر سے واپس آنے کے بعد وہ سیدھے شام آئے اور اس جماعت علماء میں داخل ہو گئے جو سیف الدولہ حاکم حلب کے دربار میں پائی جاتی تھی، سیف الدولہ بڑا علم دوست شخص تھا، اس نے ان کی بہت قدر کی اور جب دمشق گیا تو انہیں بھی اپنے ساتھ لے گیا۔

ابو بشر، منطق میں فارابی کا استاد تھا، یہ عیسائی تھا اور بغداد اسکا مسقط الراس تھا، منطق میں اسکو بڑا تبحر حاصل تھا اور اسی علم کی خدمت کرتے کرتے اسنے اپنی عمر تمام کر دی۔ طبقات الحکما میں اسکے تصانیف کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔

ابو بکر الرازی، خلیفہ مقتدر کے دربار کا طبیب خاص تھا۔ اسنے چیچک پر اک عجیب و غریب رسالہ لکھا جو، اب ولایت میں مع ترجمہ و حواشی کے شائع بھی ہو چکا ہے۔

سامانی فرمانروا، منصور ابن نوح نے بھی اس کی سرپرستی کی تھی جس کے لئے اس نے ایک رسالہ، طب پر المنصوری کے نام سے تحریر کیا تھا۔

حکمت عملی کے سلسلہ میں حسن ابن حسین، ابو الوفا اور ابن یونس خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں اور حکمت نظری کے لحاظ سے غزالی اور فخر الدین رازی اپنے عہد کے بینظیر علماء میں سے تھے۔ غزالی نے نظام الملک طوسی کی سرپرستی میں ترقی کی اور اسقدر شہرت حاصل کر لی کہ خود ان کے استاد بو علی سینا کو بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

ہر چند خلفاء عباسیہ کا سیاسی اقتدار، امتداد زمانہ کے ساتھ کم ہوتا جاتا تھا اور اس کے ساتھ علمی ذوق و شوق میں انحطاط ہو رہا تھا (یہاں تک کہ الراضی باللہ، آخری خلیفہ تھا جس نے ممبر پر کھڑے ہو کر قابل ذکر خطبہ دیا اور اپنے دربار و نظام حکومت کے لحاظ سے فی الجملہ خلیفہ کہا جا سکتا تھا) تاہم یہ عجیب و غریب بات ہے کہ خلافت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے بعد بھی مختلف خود مختار اسلامی حکومتوں نے علم و حکمت کی قدر دانی کو ترک نہیں کیا۔

اسد الدولہ نے علوم و فنون کی ترقی میں جس قدر حصہ لیا وہ اس سے ظاہر ہے کہ عبد الرحمن، مشہور ماہر علم ہیئت اسکے دربار کا جوہر تابندہ تھا۔ اسی طرح المنصور سامانی، سیف الدولہ حمادی نے فارابی کی سرپرستی کر کے اپنی فضل شناسی کا جو ثبوت پیش کیا وہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ نظام الملک طوسی (الپ ارسلان اور ملک شاہ کے وزیر) سے کون واقف نہیں ہے کہ اس نے کیسے کیسے اہل کمال کو یکجا کر دیا تھا اور سب جانتے ہیں کہ صلاح الدین کی صحبت میں ہمیشہ بہاؤ الدین، قاضی افضل اور امام الدین کاتب ایسے نفوس رہا کرتے تھے۔

کوئی اسلامی حکومت ایسی نہ تھی جہاں کتب خانے اور دار العلوم کثرت سے قائم نہ ہوئے ہوں اور ہر حکومت دوسری حکومت سے اس مسئلہ میں بڑھ جانے کی کوشش نہ کرتی ہو۔

بصرہ، کوفہ، بغداد، دمشق، مصر اور اور سارے عجم میں گھر گھر علم کا چرچا تھا۔ مسجدیں اور خانقاہیں اہل کمال کے فاضلانہ خطبات سے گونجا کرتی تھیں اور ممالک اسلامی کے ایک ذرہ ذرہ سے علم و فضل کا دریا ابل رہا تھا۔

کیا بصرہ کی تاریخ، واصل بن عطاء اور جماعت اخوان الصفاء کو کبھی فراموش کر سکتی ہے؟ کیا وہاں کی مسجدیں اس روایت کو کبھی فراموش کر سکتی ہیں کہ علم و ادب، فلسفہ و ریاضی، ہیئت و نجوم کے کیسے کیسے اہم مسائل انہیں کی چار دیواریوں کے اندر حل ہوتے تھے؟ کیا قدیم قاہرہ، جامع الازہر پر بجا طور سے فخر نہیں کر سکتا جہاں سے ہزاروں ہستیاں فضل و کمال کا بہترین طرۂ امتیاز حاصل کر کے باہر نکلیں؟۔

کیا مسجد دمشق اُن واقعات کو بھول سکتی ہے کہ ابن ہشام المخزومی، روزانہ وہاں علمی مباحث جاری رکھتے تھے؟ کیا کوفہ کی مسجد سلیمی کے ان دروس قرآنی کو بھول جائے گی، جن سے روزانہ اس کے درو دیوار گونجا کرتے تھے؟ اور کیا کوئی شخص، دارالعلوم نظامیہ اور مستنصریہ کو کبھی فراموش کر سکتا ہے؟ یہ حال تھا خاص خاص درسگاہوں کا، ورنہ یوں تو ممالک اسلامی میں اسقدر کثرت سے مدارس طیار ہوئے کہ آج کوئی انکا شمار بھی نہیں کر سکتا۔ پھر اس کے ساتھ جب آپ اس حقیقت پر غور کریں گے کہ شوق علمی، صرف مردوں میں نہ تھا بلکہ عورتیں بھی اس میں حصہ دار تھیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ علمی لہریں ممالک اسلامی کے مخفی ترین حصوں میں دوڑ گئی تھیں اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو ان سے فیضیاب نہ ہو۔

ازرادیہ کا دارالحکمت، نورالدولہ کی بیٹی ہی نے قایم کیا تھا اور دمشق میں بھی دو اکیڈمی ایک خاتون ہی نے قایم کی تھیں جسکا نام ست الشم تھا۔

حکومت مصر مصر میں، فاطمین اور فرمانروایان مملوک نے بھی خاندان عباسیہ سے کم علم کی قدردانی نہیں کی۔ علامہ سیوطی نے حسن المحاضرۃ میں تفصیل کے ساتھ اس عہد کے علمی کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ المعزاور اسکے بعد تین فرمانرواؤں نے ترقی علم و تہذیب کے لئے اپنی پوری کوششیں صرف کیں اور بعض اوقات تو خلفاء فاطمین کی مساعی اس باب میں خلفاء عباسیہ سے بھی سبقت لے گئے۔ چنانچہ الحاکم بامر اللہ کا قایم کردہ دارالحکمہ، تمام اسلامی ممالک کے مدارس سے زیادہ وسیع تھا۔

حکومت اسپین اسپین کی حکومت اسلام پر جب آپ مورخانہ نگاہ ڈالیں گے، تو یہاں بھی آپکو عجیب و غریب علمی مناظر نظر آئینگے اور آپکو حیرت ہوگی کہ کیونکر ایسے دور دراز ملک میں پہونچکر مسلمانوں نے اس قدر ترقی کر لی اور کسطرح انہیں مسیحی دشمنوں کے درمیان رہ کر اسقدر فرصت نصیب ہوئی کہ علوم و فنون کو بھی اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

اسپین کا مشہور مصنف، ابن سعید لکھتا ہے کہ "قواعد اور علم بیان و معانی میں، اندلس والوں کو اسقدر انہماک تھا، کہ انہوں نے خلیل اور سیبویہ کے عہد کو بھی شرمادیا" پھر اسی کے ساتھ دیگر فنون میں بھی انہوں نے کم ترقی نہیں کی۔

ابن زہر کی کتاب التیسیر (جو علم طب کی بے مثل کتاب ہے اور جسکا ترجمہ اب یورپ کی تمام زبانوں میں ہو چکا ہے) ازہراوی کی تصنیف فن تشریح پر، یحییٰ کی کتاب علم الادویہ پر، دولت ہسپانیہ کے عہد حکومت کے خاص کارنامے ہیں۔

حکم ثانی کے زمانہ کو دیکھئے تو معلوم ہو سکتا ہے، کہ اسوقت علم کا کیسا چرچا تھا۔ یہ کتابوں کا حد درجہ شایق تھا اور اس نے تمام ممالک مشرق میں آدمی بھیج بھیجکر اسقدر نادر نسخے فراہم کئے تھے، کہ اُن کی فہرست صرف چالیس جلدوں میں مرتب ہوئی تھی۔ ابن باجہ اور ابن رشد اُسی کے عہد میں رونما ہوئے جنکے علمی کارنامے بیان کرنے کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

اسپین کے مسلم عہد حکومت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عورتیں حد درجہ مہذب و شایستہ ہوگئی تھیں۔ ولادہ (المستکفی کی بیٹی) اپنے عہد کی بڑی زبردست شاعرہ تھی اور علم بیان و معانی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی، اسیطرح عائشہ (شاہزادہ احمد کی

بیٹی) اس قدر فاضل تھی کہ اس کے خطبات، قرطبہ کے دار العلوم میں پڑھے جاتے تھے اور لوگ ان سے فصاحت و بلاغت کا درس لیا کرتے تھے۔ یہ حال طبقہ اُمرا کی عورتوں کا تھا لیکن معمولی طبقہ بھی اس سے محروم نہیں تھا چنانچہ لبنی، قرطبہ کے ایک معمولی خاندان کی لڑکی تھی، لیکن ادب و فلسفہ میں مشکل سے کوئی مرد بھی اس کے سامنے بروئے کار آسکتا تھا۔ اور خلیفہ حکم نے اس کے انہیں اکتسابات بلند کو دیکھ کر اپنے پرائیوٹ سکریٹری کی جگہ دیدی تھی، جو اس سے قبل و بعد کبھی کسی عورت کو نصیب نہیں ہوئی۔ اسی طرح ایک خاتون، مریم (یعقوب الانصاری کی لڑکی) تھی جو ادب و شعر کی تعلیم لوگوں کو دیا کرتی تھی۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ ہسپانیہ میں، اس وقت ستر کتب خانے موجود تھے۔ اس سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہاں کے مسلمان فرمانرواؤں کو علم کا بہت ذوق تھا، بلکہ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مذاقِ علم وہاں پبلک میں بھی عام ہو گیا تھا۔ یہ تھا اک اعام تبصرہ مسلمانوں کے مذاقِ علمی کا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کے کارنامے کیا کیا تھے اور شاہانِ اسلام کی سرپرستی میں کیسے کیسے لوگ پیدا ہوئے اور علوم و فنون کا کیسا معتدبہ ذخیرہ فراہم ہو گیا۔

حاجی خلیفہ نے بارہ سو، صرف تاریخی کتابوں کے نام اپنی فہرست میں درج کئے ہیں اور اس میں وہ کتابیں شامل نہیں ہیں جن کا پتہ اُسے نہیں ملسکا۔

مورخ ابن ہشام سے لے کر (جو خلیفہ منصور کے عہد میں پائے جاتے تھے) ابن خلدون کے زمانہ تک (جو تیمور کا ہم عصر تھا) جتنی تاریخی کتابیں مُدون ہوئی ہیں، اگر آج وہ سب دستیاب ہو جائیں تو کئی کتب خانہ صرف تاریخ کی کتابوں سے بھر سکتے ہیں۔ تمام مورخین میں سے آج ہمیں صرف طبری، ابن اثیر، مسعودی، بلاذری، ابن قتیبہ، خلدون، ابن خلکان وغیرہ کے چند نام معلوم ہیں۔ اور نہیں کہہ سکتے کہ اور کتنے تھے جن کے کارنامے آج دنیا کے سامنے موجود نہیں۔

اسی طرح فنِ جغرافیہ میں ہمیں ابن خوردادبہ، قدامہ، مقدسی، یاقوت، ابو الفدا اور ذخیرہ سے اور دیگر علوم میں بھی صرف مخصوص افراد سے آگاہی حاصل ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف علوم، اسلامی کی مفصل تاریخ لکھنے بیٹھے، تو باوجود اس کے کہ لاکھوں کتابیں مفقود ہو گئیں ہیں، ہزاروں مصنفین کے نام ذہنوں سے محو ہو گئے ہیں، اپنی پوری عمر صرف کرنے کے بعد بھی وہ اس فرض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

نیاز

ضرورت ہے

اگر آپ کو خیمے دریاں اور حرمی سامان کی ضرورت ہو تو فوراً ہمیں کارڈ لکھئے ہمارے یہاں ہر قسم کا نہایت ارزاں ملتا ہے والی ریاست بڑے بڑے رؤسا ہمارے ہی یہاں سے منگاتے ہیں۔ فہرست اُردو ہندی یا انگریزی کی منگا کر ملاحظہ فرمائیے، ہمارا کارخانہ صداقت کی وجہ سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو گیا ہے۔ محمد حسین اینڈ کو ٹنٹ مرچنٹ فتح گڑھ (یوپی)

علم ہیئت میں حرارت کی اہمیت

جس وقت ہم حرکاتِ اجرام، قانونِ کیپلر، گردشِ اقمار وغیرہ کے متعلق بحث کرتے ہیں تو قدرتی طور پر ہمارا ذہن یہ فرض کر لیتا ہے کہ تمام اجرامِ فلکی سخت اور منجمد اجسام ہیں اور ان کا سرد یا گرم ہونا گردش سے زیادہ تعلق نہیں رکھتا۔ اس میں شک نہیں کہ نظامِ شمسی کے تمام اجرام، خواہ وہ گرم ہوں یا سرد، باقاعدہ طور پر اک زمانہ غیر متعین سے لے کر اسوقت تک گردش کر رہے ہیں، اور بظاہر مسئلہ حرارت، علم الہیئت کے قوانین و مفروضات پر اثر پذیر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر نظرِ غائر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ حرارت کے اثرات نظامِ شمسی میں بڑے بڑے تغیرات پیدا کر چکے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ آیندہ اس نظام پر کس صورت سے موثر ہونگے۔ سب سے پہلے کرۂ ارض کو دیکھئے کہ بظاہر ایک ٹھوس اور سرد جسم معلوم ہوتا ہے، لیکن چشمِ حقیقت بیں آگاہ ہے کہ آتش فشاں پہاڑ، گرم پانی کے فوارے، کھولتے ہوئے چشمے جو مختلف مقامات میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، اس امر کا کافی ثبوت پیش کرتے ہیں کہ زمین کے اندر بہت گرمی پائی جاتی ہے، اگر ہم ایک تھرمامیٹر لیکر کسی معدن میں چلے جائیں، تو معلوم ہوگا کہ ہم جس قدر زیادہ گہرائی میں پہونچتے ہیں اسی قدر درجۂ حرارت بڑھتا جاتا ہے، حتی کہ اگر ہم بیس میل کی گہرائی تک پہونچنے پر قادر ہوں تو وہاں اتنی حرارت ہوگی جتنی اک تپائے ہوئے لوہے میں پائی جاتی ہے۔

• الغرض تمام اجرامِ فلکی میں موجودہ اور گذشتہ حرارت کا کافی ثبوت پایا جاتا ہے۔ چاند کے دیکھنے سے ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ کسی وقت اسمیں حرارت بہت زیادہ پائی جاتی تھی، کیونکہ اسکی سطح پر کثرت سے بڑے بڑے آتش فشاں پہاڑ پائے جاتے ہیں جو اب زمانۂ دراز سے خاموش ہیں، اسی طرح مشتری اور زحل میں دوربینی مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں زمین کی نسبت بدرجہا حرارت زیادہ پائی جاتی ہے اور آفتاب میں اسقدر اشتعال پایا جاتا ہے کہ اسکا اندازہ کرنا مشکل ہے، علاوہ سیاروں کے بہت سے ثوابت ایسے ہیں جو آفتاب کی طرح حالتِ اشتعال میں نظر آتے ہیں اور اگر ان اجرام کا ذکر کیا جائے جو بخاری حالت میں ہیں تو حرارت کے کرشموں کا بغیر کسی مزید ثبوت کے قائل ہونا پڑتا ہے۔

اس سے بہر نوع یہ امر ثابت ہے کہ اجرامِ سماوی میں کم و بیش اسوقت بھی حرارت پائی جاتی ہے جنمیں شموس زیادہ گرم ہیں البتہ ان اجرام کا شمار نہیں ہو سکتا جو فضائے عالم میں منتشر ہیں اور جن کی حرارت زائل ہو کر برودت ان پر طاری ہو گئی ہے۔

قانونِ برودت، یا ازالۂ حرارت ہمکو بتاتا ہے کہ ہر جسم اپنی حرارت کو خارج کرتا ہے اور جب جسم کی حرارت اپنے فضائے محیط کی نسبت سے بڑھتی ہے تو خارج ہونیوالی حرارت کی مقدار بھی بڑھ جاتی ہے، یہ قانون اس قدر عام ہے کہ تمام اجرامِ فلکی اس کے

ماتحت گردش کر رہے ہیں اور کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں اسلئے یہ ظاہر ہے کہ تمام ثوابت و سیارے بھی فضائے عالم میں اپنے چاروں طرف ایک غیر منقطع چشمہ حرارت کا منتشر کر رہے ہیں اور یہی اخراج حرارت ہے جس سے بڑے بڑے اہم نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً آفتاب کی وہ حرارت جو ناقابل قیاس طریقہ سے فضائے کائنات میں منتشر ہو رہی ہے، ہماری زمین کو واسطہ یا بلا واسطہ نہایت قلیل مقدار میں میسر آتی ہے، لیکن اسی کے یہ برکات ہیں کہ آج یہ کرہ آباد نظر آتا ہے اور تہذیب و تمدن غیر منقطع ہنگامہ سے معمور ہے۔

آفتاب کی حرارت کس درجہ کی ہے، اسکا حقیقی علم تو از بس دشوار ہے لیکن اگر ولسن اور گرے کی تحقیقات کو اس باب میں کوئی وقعت دی جا سکتی ہے، تو ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ انسانی قوت زیادہ سے زیادہ چار ہزار درجہ تک حرارت پیدا کر سکتی ہے اور آفتاب کا درجہ حرارت کم از کم چودہ ہزار ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اگر ۴۳ ½ فٹ موٹی چادر برف کی آفتاب کے گرد بچھا دی جائے تو وہ ایک منٹ کے اندر گل کر بہ جائے گی، سر جان مارشل کا خیال ہے کہ اگر ۴۵ میل قطر کی گول برف کی چادر روشنی کی رفتار سے سورج کے اندر جاتی ہوئی فرض کی جائے تو اس چادر کا سرا بغیر کسی توقف کے گلتا ہوا چلا جائیگا۔ جرم آفتاب کے ہر مربع فٹ سے اتنی حرارت پیدا ہوتی ہے جتنی ۱۶ سو اڑتن کوئلہ سے یعنی اس سے سیکڑوں گھوڑوں کی قوت کا انجن کامل ایک سال تک متحرک رہ سکتا ہے یا بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ اگر چند ایکڑ سطح آفتاب کی حرارت میسر آجائے تو تمام دنیا کے انجن اس سے حرکت میں آسکتے ہیں۔ اس لئے جب ہم پورے کرۂ آفتاب کی حرارت کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو عقل متحیر رہ جاتی ہے اور مطلق سمجھ میں نہیں آتا کہ کن اعداد سے اسکی حقیقت ظاہر کیجا سکتی ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آفتاب اپنی حرارت کو اسقدر بے دریغ ہر وقت صرف کر رہا ہے تو ہم کب تک اس سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ اور کس وقت تک اس میں یہ حرارت باقی رہے گی۔ یہ سمجھنے کے لئے سب سے پہلے ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اسوقت تک جبکہ ایک غیر متناہی زمانہ اس کی حرارت کو صرف ہوتے ہوئے گذر گیا ہے، سورج میں کوئی نقصان پیدا ہوا ہے یا نہیں۔ جب سے یہ عہد تاریخ شروع ہوا ہے اسوقت سے لیکر اسوقت تک کوئی علامت ایسی نہیں پائی گئی جس سے آفتاب کا مضمحل ہونا ثابت ہوتا ہو۔ گذشتہ ایک ہزار سال کے اندر خفیف سا بھی تغیر اس میں پیدا ہوتا، تو نباتات و حیوانات کی پیدائش میں بھی کوئی نہ کوئی فرق ضرور رونما ہوتا۔ لیکن یورپ و ایشیا کی آب و ہوا جو اب سے ہزاروں سال قبل پائی جاتی تھی وہی اب بھی نظر آتی ہے اور جس جگہ جو جو نباتات اگتے تھے وہیں اور اسی طرح اب بھی نشو و نما پاتے ہیں، مگر ہمیں اس دلیل پر اعتماد نہیں کر لینا چاہئے، کیونکہ ممکن ہے نباتات کی نشو و نما میں جو کیمیاوی تدابیر انسان نے صرف کی ہیں انہوں نے ان تغیرات کا مقابلہ کر کے، تغیر آفتاب کے اثرات کو دور کر دیا ہو، البتہ اسقدر کہہ سکتے ہیں کہ عہد تاریخ سے لے کر اسوقت تک کوئی محسوس و نمایاں تغیر نظر نہیں آیا۔ اگر ہم عہد تاریخ سے گذر کر اور قدیم زمانہ میں چلے جائیں گے تو بیشک معلوم ہوگا کہ کرۂ ارض میں بہت تغیر پیدا ہو گیا ہے جیسا کہ علماء طبقات الارض کے بیان سے واضح ہوتا ہے۔

منطقۂ شمالیہ میں جو معدن کوئلہ کی پائی گئی ہیں ان کو دیکھ کر قیاس کیا جاتا ہے کہ کسی وقت یہاں تیز حرارت پائی جاتی ہوگی، جو اب گھٹتے گھٹتے بالکل زائل ہو گئی ہے، لیکن یہ کوئی معتبر ثبوت اس امر کا نہیں ہے کہ آفتاب کی حرارت بہ نسبت پیشتر کے کم ہو گئی ہے؛

کیونکہ منطقہ معتدلہ وہی ہے جہاں زمانہ قدیم میں یہی حالت پائی جاتی تھی جو اب منطقہ شمالیہ کی ہے۔ اگر آفتاب کا زوال حرارت منطقہ شمالیہ کی برودت کا باعث ہوا ہے تو منطقہ معتدلہ کو اب اور زیادہ سرد ہونا چاہئے تھا۔ درانحالیکہ وہ منطقہ شمالیہ سے بہت زیادہ گرم ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ تغیرات جو زمین میں واقع ہوتے ہیں ان کا تعلق آفتاب کی حرارت سے نہیں ہے بلکہ خود زمین کی ذاتی واندرونی تبدیلی سے ہے۔

اس لئے اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ آفتاب میں اس قدر حرارت کہاں سے پیدا ہوتی ہے، کہ باوجود اسقدر اسراف کے اس میں کمی پیدا نہیں ہوتی۔ اگر لوہے کے دو گیند (ایک بڑا ایک چھوٹا) ایک ہی بھٹی میں رکھکر سرخ کئے جائیں تو نکالنے کے بعد اُن میں سے چھوٹا گیند جلد ٹھنڈا ہو جائے گا اور بڑا گیند دیر میں سرد ہوگا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جس قدر بڑا کرہ ہوگا اسی قدر زیادہ دیر سے اس کی حرارت زائل ہوگی، پھر چونکہ آفتاب بہت بڑا کرہ ہے، اسلئے لاکھوں کروڑ ہا سال تک اس کا مشتعل رہنا اور حرارت پہونچانا بعید از عقل نہیں ہے۔ لیکن اگر آفتاب کی حرارت واقعی ذاتی حرارت ہے اور اسمیں اضافہ نہیں ہوتا رہتا تو اس کی حرارت کو ہر سال چند درجہ گرجانا چاہئے، اور ایک ہزار سال کے اندر اسکی حرارت میں نمایاں فرق ہونا چاہیئے۔ درانحالیکہ تجربات بالکل اسکے خلاف ہیں، اسلئے معلوم ہوا کہ اسکے اشعہ حرارت کا پیدا ہونا صرف اسکے مشتعل مادے کے ٹھنڈے ہونے پر منحصر نہیں ہے بلکہ اسکے کچھ اور اسباب بھی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ آفتاب کو اپنی حرارت قایم رکھنے میں بہت کچھ مدد اُن شہابی مادوں سے ملتی ہے جو وقتاً فوقتاً اس کی سطح پر گرتے رہتے ہیں۔ چونکہ کرۂ ارض پر شہاب ثاقب کے گرنے سے جو زیادتی حرارت میں پیدا ہو جاتی ہے وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ فضائے عالم میں جو بے شمار شہاب آوارہ پھرتے رہتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں ان میں کا اکثر حصہ آفتاب میں جذب ہو جاتا ہے، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اُن کا مادہ سورج کی روشنی اور حرارت میں اضافہ نہ کرتا ہے لیکن جسوقت اس نظریہ کو اصول ریاضی کے ماتحت دیکھا جاتا ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کر شہاب ثاقب کو آفتاب کے قیام حرارت کا باعث تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

فرض کرو کہ ایک کرہ جو ہمارے چاند کے برابر ۲۰۰۰ میل کا قطر رکھتا ہے اگر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آفتاب میں جذب ہو جائے تو یہ ایندھن یقیناً ایک سال سے زائد کے لئے گھٹنے والی حرارت کو اصلی حالت پر قایم رکھے گا یا اگر کرہ ارض کے ٹکڑے کرکے آفتاب کی بھٹی میں ڈالدیا جائے تو ایک صدی تک حرارت کا نقصان پورا ہوتا رہے گا اسی طرح اگر نظام شمسی کے تمام کرے سورج کے نذر ہو جائیں تو زیادہ سے زیادہ ۴۵ ہزار سال تک سورج کی حرارت کو اسکی اصلی حالت پر قایم رکھ سکتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا ایسا ہوتا بھی ہے یا نہیں۔ یعنی ہر ۴۵ ہزار سال کی مدت میں بمقدار پورے ایک نظام شمسی کے شہاب ثاقب کا آفتاب میں جذب ہونا امر واقعی ہے بھی یا نہیں؟ جہاں تک ہمارا خیال ہے کوئی صحیح الدماغ شخص اسکا جواب اثبات میں نہیں دے سکتا کیونکہ اگر فضائے عالم اسقدر کثیر التعداد شہاب ثاقب سے معمور ہو تو نا ممکن ہے کہ نظام شمسی کے سیاروں سے ان کا تصادم نہ ہو اور زمین کی حرارت

ناقابل ضبط درجہ تک نہ بڑھ جایا کرے۔ اس میں شک نہیں کہ شہاب ثاقب آفتاب میں جذب ہوتے ہیں اور آفتاب کی حرارت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن صرف اسی کو بقائے حرارت کی وجہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔

اس لئے قابل غور امر یہ ہے کہ علاوہ اس کے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے اگر کوئی کرہ گیسی حالت میں متحرک فرض کیا جائے تو گردش کے ساتھ وہ اپنی حرارت کو کم کرتا جائے گا، لیکن یہ ضروری نہیں کہ اسکا ٹمپریچر بھی گر جائے۔ ہرچند یہ بالکل خلاف عقل معلوم ہوتا ہے کہ حرارت کے ساتھ درجہ حرارت کم نہ ہو، لیکن قانون حرارت و قانون گیس کی رو سے یہ کسی طرح مستبعد نہیں ہے۔

چونکہ کرہ گردش کر رہا ہے، اس لئے اس کرہ گیسی کی بالائی سطح یقیناً مرکز کی طرف جذب ہو رہی ہے، لیکن چونکہ قانون توازن بھی مسلم ہے اور جذب ہونیوالے حصہ کے نیچے جو طبقہ گیس کا ہے اس کے دباؤ سے یہ کشش ضعیف یا معدوم ہو جاتی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ کشش جسقدر زیادہ ہوگی اسی قدر دباؤ زیادہ ہوگا، پھر اگر کمی حرارت کے ساتھ درجہ حرارت کا کم ہونا بھی تسلیم کیا جائیگا تو اسی کے یہ معنی ہوں گے کہ گیس کا دباؤ بھی کم ہو گیا، درانحالیکہ گردش کے ساتھ ساتھ قوت جذب وہی باقی ہے اور قوت جذب کے ساتھ گیس کے دباؤ کی ایک نسبت ہونی چاہئے۔ اس کو دوسرے طریقہ سے یوں سمجھ سکتے ہیں۔ حرارت کچھ نہیں ہے مگر کرہ کی قوت گردش۔ اس لئے جب کرہ سے حرارت خارج ہوتی ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی قوت گردش کم ہو رہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کرہ کی قوت کا ایک حصہ اس درجہ پر منحصر ہے، لیکن زیادہ اہم سبب اس کے اجزاء کا انتشار ہے پھر اسکے اجزاء جسقدر باہم متصل ہوتے جائیں گے، اسی قدر قوت کم ہوتی جائے گی، اور جو قوت اسطرح آزاد ہو جائے گی وہ حرارت کی صورت اختیار کرلے گی۔ درانحالیکہ اجزاء کرہ کا اتصال کرہ کے سکڑنے کا باعث ہو رہا ہے۔ یعنی جسقدر کرہ سکڑ جاتا ہے اسی قدر اسکی قوت کا ایک حصہ حرارت میں تبدیل ہوتا جاتا ہے، یا بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ جسقدر حرارت کرہ کے سکڑنے سے پیدا ہوتی ہے اس سے بہت کم خارج ہوتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک کرہ کا درجہ حرارت باوجود سکڑنے اور اپنی حرارت صرف کرنے کے بڑھ رہا ہے۔

بہرحال گیسی کروں کے متعلق یہ قانون عام ہے کہ جس قدر حجم ان کا گھٹتا جاتا ہے اسی قدر ان کا ٹمپریچر بڑھتا جاتا ہے لیکن آفتاب پر اس قانون کا پورا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اب ان منازل کو طے کر رہا ہے جو گیسی حالت اور کیفیت انجماد کے درمیان ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ جسقدر وہ سکڑتا جاتا ہے اسی نسبت سے اس کا درجہ حرارت اپنی اصلی حالت پر قایم ہوتا ہے۔ یعنی عام گیسی کروں کی طرح اسکا درجہ حرارت بڑھتا نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ آفتاب کی سیال حالت مائل بہ انجماد ہو رہی ہے، لیکن اسکی رفتار اس قدر بطی ہے کہ مشکل سے کوئی شخص اس کا اندازہ کر سکتا ہے اس وقت آفتاب کا قطر ۸۶ ہزار میل ہے، اگر اس کا قطر ہر سال ۵۰۰ فٹ گھٹتا رہتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اب سے ایک صدی قبل اس کا قطر دس میل زائد تھا، دس ہزار سال قبل ایک ہزار میل۔ ایک وقت وہ رہا ہوگا جب وہ موجودہ حجم سے دوچند رہا ہوگا اور

غالباً وہی زمانہ اس کی سدیمی حالت کا ہوگا اور یہی وہ نظریہ ہے جسے لیپ لیس نے قایم کیا ہے۔

پھر جس طرح آفتاب نے رفتہ رفتہ گیسی حالت سے گھٹ کر موجودہ صورت اختیار کرلی ہے اسی طرح اک زمانہ آئے گا کہ یہ بالکل منجمد ہو کر اپنی حرارت کو ضائع کردے گا۔ اور سارا نظام شمسی درہم برہم ہو جائے گا۔ لیکن کب؟ اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔

نیاز

رموز انقلاب

حصولِ مقصدِ فطرت تھا ہجرتِ اسلام — نہاں تھے قصر بہ آغوشِ خانماں تبہی
حریفِ خاکِ عرب ہو سکا نہ آخرکار — غرورِ خسروی و افتخارِ کجکلہی
تھی اپنی چینِ جبین وجہِ رعشۂ و بیم — تھی اپنی چشمِ غضب لرزشِ صفِ شہی
بنائے دولتِ اندلس بنا گئی ہمکو — نہ مٹ سکے گا ستم سے غرورِ بےکلہی
ہر اک شکست ہی سامانِ صد ہزار عروج — نویدِ نشۂ شب ہے خمارِ صبحگہی

قفس گذار و بہ سامانِ صد بہار بیا
سپند وار برون شو، سمند وار بیا

کسے خبر تھی کہ یہ پردۂ جہانبانی — کرے گا پیشِ نظر منظرِ جہاں سوزی
قسم بہ شوقِ جفایت کہ آ گیا پھر یاد — طریقِ ملک ستانی، اصولِ فیروزی
فشارِ تاک میں پنہاں ہے رونقِ محفل — ہے سوزِ شمع سے وابستہ بزم افروزی
نہ خون سینہ سے بہتا نہ یادِ گل آتی — بڑا ہی لطف تھا تیرِ جفا کی دلدوزی
تمہاری تیغِ ستم بھی دو نیم ہوگی، اگر — ہماری خوئے وفا ہو گئی بدآموزی

مرا بہ دامن اگر آتشے میسر گشت
ہزار شکر کز و جادہ ام منور گشت

(نیاز)

ایک مصلح بت تراش

شہاب، فطرتاً نقاش تھا اور ایسا نقاش کہ ہر منظر اس کے قلم سے چھو جانے کے بعد، ذی حیات نظر آنے لگتا تھا اور اسکے ہاتھ کا ہر نقش، یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا فطرت کسی تخیل میں مصروف ہے۔

صبح و شام کی کیفیات، باغ و صحرا کی دلفریبیاں، کوہ و دریا کے مشاہد، جس خوبصورتی کے ساتھ اس کے قلم کی جنبش میں منتقل ہو جاتے تھے، اس سے ہر شخص واقف تھا، لیکن یہ صرف اس کے خاص احباب ہی کو معلوم تھا کہ جب اسکا موضوعِ نقاشی "نسائیت" ہوتا تھا، تو وہ ایک نقاش کے حدود سے متجاوز ہو کر، اک پجاری کی حیثیت بھی اختیار کر لیتا تھا اور اسلئے ہر عورت کی تصویر، اسکے قلم سے پرستیدہ جذبات، امعبودہ حیات ہو کر نکلتی تھی۔

اس کے پاس جنسِ نازک کی تصویروں کا ایک عجیب و غریب مرقع تھا، جسے خود اسی نے اپنی زندگی کی تنہائیوں میں طیار کیا تھا، لیکن وہ انہیں کسی کو دکھاتا نہ تھا، کیونکہ اس کے نزدیک وہ سب ناقص و نامکمل تھیں اور وہ کہا کرتا تھا کہ جب تک عورت کے خیال سے میرے کلیجہ کا منھ تک آجانا کم نہ ہوگا، میں فن کے لحاظ سے کبھی اسکی صورت گری میں کامیاب نہیں ہو سکتا وہ سب یوچھتا کہ یہ کب ممکن ہوگا، درآنحالیکہ اس کی جوانی روز بروز سنگین ہوتی جاتی اور اس کے ساتھ ہی اس کے سینہ کی وسعت جذبات کے لئے گھٹتی جاتی تھی، جسے وہ کلیجے کے منھ تک آجانے سے تعبیر کرتا تھا۔

ان تصویروں میں سب سے بہتر تصویر، اسکے نزدیک وہ تھی، جس میں ایک نوجوان لڑکی آئینہ کے سامنے اپنے بال سنوار رہی تھی اور کسی کی آہٹ پاکر دفعتہً دروازہ کی طرف گردن موڑ کر متحیرانہ و پُر اضطراب انداز سے دیکھتی ہوئی ظاہر کی گئی تھی، وہ کہا کرتا تھا کہ مجھ سے یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں تصویر میں بھی کسی عورت کے پورے چہرہ کو بے حجاب دیکھ سکوں، کیونکہ صفحہ کاغذ پر جسقدر زیادہ اس کے خد و خال نمایاں ہوتے جاتے ہیں، اسی قدر صحیح معنی میں نقاشی کی اہلیت مجھ سے سلب ہوتی جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ ایک رخ کی تصویر بنانے کا عادی تھا، اس منظر میں البتہ وہ نصف سے زائد چہرہ، صرف اتنا زائد کہ دوسری آنکھ کی پلکیں نظر آتی تھیں، بنانے پر قادر ہو گیا تھا۔ جس کو وہ اپنی بہترین کامیابی سمجھتا تھا۔

امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس کا ذوق بڑھتا گیا اور رات دن وہ اسی فکر میں مستغرق رہنے لگا کہ کیونکر عورت کی جذباتی زندگی یا اسکی حیاتِ معاشقہ کو وہ نقوش میں ظاہر کر سکتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اول اول تو اس کے عنفوانِ شباب کی حیاؤں نے اس میں کامیاب نہیں ہونے دیا، کیونکہ وہ عورت کے متعلق اپنے جذبات کا خیال کر کے کانپ اٹھتا تھا، اور بے انتہا کوشش کے بعد بھی اس کی کاوش اس سے زیادہ مشکور نہ ہو سکی تھی کہ وہ اور اس کا قلم ایک مستقل لرزش ہو کر رہ جائے، اور بعد کو

جب اس میں کچھ بیباکی پیدا ہوئی تو وہ حد سے زیادہ حریص ہو گیا اور عریاں ترین نقوش بھی اس کی حسیات کو تسلی دینے کے لئے بالکل ناکافی ثابت ہوئے۔ الغرض اس کی نقاشی اس فن کے دونوں کناروں ہی سے متعلق رہی اور درمیانی منزل پر جس سے کامیابی کا یقینی تعلق تھا۔ اس کے شباب نے اسے قیام نہ کرنے دیا۔

(۲)

اک زمانہ گذر گیا اور شہاب بدستور اپنے شغل میں مصروف رہا۔ میری اس کی جدائی ہو چکی تھی، کیونکہ میں اپنے اسباب حیات فراہم کرنے میں آوارہ و سرگشتہ ہو رہا تھا، مجھے ایک عرصہ تک اس کے حالات سے بیخبری رہی۔

ایک شام ساحل قلابہ پر بیٹھا ہوا ان فطری و غیر فطری مناظر کے تماشہ میں جنہیں صرف بمبئی کے ساحل ہی پیش کر سکتے ہیں، مصروف تھا کہ دو جوان لڑکیاں میرے پاس ہی بنچ پر بیٹھ گئیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا گفتگو کر رہی تھیں اور غالباً آخر وقت تک اس سے بے خبر رہتا اگر ان کا یہ فقرہ کہ "شہاب اسوقت یقیناً ہندوستان کا بہترین بت ساز ہے اور نمائش میں سب سے زیادہ قیمتی انعام اسی کو ملنا چاہیئے تھا" مجھے نہ چونکا دیتا۔

شہاب! بت ساز!! نمائش، انعام!!! میں متحیر تھا اور سخت بیقرار، کہ کیونکر ان سے گفتگو کر کے سارا حال معلوم کر دوں، پھر خیال آیا کہ ممکن ہے یہ کوئی اور شہاب ہو، لیکن جب ان میں سے ایک نے انعام حاصل کرنے والے بت ساز کی خصوصیات کو ظاہر کرنا شروع کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ سوائے اس شہاب کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

میں بے اختیار ہو کر اس بنچ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ تہذیب مانع ہوئی اور اس خیال کے ساتھ کہ آج اخبار میں بھی ضرور اس کا ذکر ہو گا۔ وہاں سے چل دیا۔

(۳)

شہاب:۔ "ہاں اب میں بت تراش ہوں، بت ساز ہوں، مجسمے تیار کرتا ہوں، پتھر کی مورتیں بناتا تھا، نقاشی سے زیادہ بیکار کوئی چیز نہیں، میری نگاہیں اس کو دیکھتے دیکھتے تھک گئیں، میرا ہاتھ صورت تو بنا سکتا تھا لیکن اسے چھو نہ سکتا تھا، مگر اب میں نے اپنی خواہش کے مطابق عورت اور اس کے شباب کو قابل لمس بنا لیا ہے، میں ایک ایسا خالق ہوں جو اپنی مخلوق کو اپنی آغوش میں بھی لے سکتا ہے۔ میرا وہ خیال جو پہلے صرف سطح پر مرتعش نظر آتا تھا، اب ابھر کر مجسم ہو گیا ہے، اس نے صورت اختیار کر لی ہے اور ہر چند اب میں پہلے سے کہیں زیادہ بیتاب و مضطرب ہوں، لیکن اس اضطراب میں واقعیت ہے، اس بیتابی میں حقیقت ہے، اور میں محسوس کرتا ہوں کہ صورت نے میرے دلکو معمور کر رکھا ہے وہ میرے حیات جسمانی میں بھی میرے پیش نظر ہے، میرے کمرہ کا ایک ایک کونہ اس سے آباد ہے، میں اوس کو چھو سکتا ہوں، اس کے سامنے دوزانو ہو سکتا ہوں اور جب چاہوں اس کے آگے سر بسجود ہو کر اپنی پرستارانہ اشکباری سے، اس کے خوبصورت جسم، اس کے حسین شباب کو پُرنم کر سکتا ہوں۔"

میں سن رہا تھا اور حیرت کر رہا تھا کہ وہ شہاب، جو اب سے پانچ سال قبل بے انتہا خاموش زندگی بسر کرنے کا عادی تھا کیونکہ

ایسا عملی آدمی بن گیا، وہ اگر پہلے نقاشی کی طرف مائل تھا تو صرف اپنے ادبی ذوق کی بنا پر لیکن اب وہ اپنی بت سازی کے لئے دلائل بھی پیش کر سکتا تھا، یعنی اگر وہ پہلے صرف اک شاعر نقاش تھا تو اب اسکی حیثیت اک فلسفی بت تراش کی تھی، میرا جی چاہتا تھا کہ وہ شروع سے اپنے حالات زندگی مجھ سے بیان کرے لیکن میں دیکھتا تھا کہ وہ "حال" میں اسقدر مستغرق ہے کہ اس سے "ماضی" کی نسبت کوئی سوال کرنا گویا بھولا ہوا خواب یاد دلانا ہے۔

میں نے پوچھا کہ اس کی بت گری کی ابتدا کیونکر ہوئی، یہ سُن کر اسکا چہرہ سرخ ہوگیا اور بولا یہ سوال فضول ہے، لیکن اک عجیب و غریب واقعہ تمہیں سناتا ہوں :-

"میری بت تراشی کی ابتدا تھی اور ابھی تک میرا کوئی خیال میری خواہش کے مطابق پتھر میں منتقل نہ ہو سکا تھا۔

ایک دن ہفتوں کے غور و تامل کے بعد میں نے ایک مجسمہ کی تشکیل شروع کی، میں سمجھتا تھا کہ اگر اس میں کامیاب ہوگیا، اگر میں اپنی تمناؤں کو اس طرح منجمد و متشکل دیکھ سکا، تو اسوقت تک کی محنت کی داد حاصل کر سکوں گا، تمہیں شاید نہ معلوم ہو گا کہ ایک بت کی تعمیر ہمیشہ سر کی جانب سے شروع ہوتی ہے، لیکن میں نے عام دستور کے خلاف پاؤں کی طرف سے ابتدا کی اور کامل ایک ماہ کی محنت اور سینکڑوں نمونے بنانے بگاڑنے کے بعد دو ننھے ننھے نازک پاؤں جسمیں ایک پورا اور دوسرے کا صرف پنجہ زمین پر قائم تھا، بنا سکا اس کے بعد میں سخت الجھن میں پڑ گیا کیونکہ پنڈلیوں کو عریاں بنانا صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ سارے مجسمے کو عریاں بناتا اور اس کی ہمت میں اپنے ضعیف قلب میں نہ پاتا تھا، آخر کار میں نے حد درجہ اضطراب کے عالم میں ایک فیصلہ کرلیا اور چھ ماہ تک روز و شب اسی شغل میں مصروف رہنے کے بعد ایک عورت، وہ عورت جو اس قبل میرے خیال پر حکمراں تھی، پیدا کرلی اور وہ عالم اجسام میں رونما ہوگئی، وہ اس درجہ حسین تھی کہ مشکل سے کسی کا تصور اس کے حسن تک پہونچ سکتا تھا، وہ ایسی جوان تھی کہ شاید ایسی جوانی کسی انسان میں پائی جا سکتی ہے، اگر میں کہوں کہ اس کا شباب نہایت سنگین تھا تو کوئی عجیب بات نہ ہوگی، کیونکہ وہ واقعی پتھر کی تھی لیکن حیرت تو یہ ہے کہ میں جب اوس کے جسم کو مضطرب و بیتاب ہو کر چھو لیتا تھا تو گرمی بھی محسوس کرتا تھا اور جب اوس کے چہرہ پر نگاہ پڑ جاتی تھی تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ گفتگو کرکے ابھی خاموش ہوئی ہے۔

میں گھنٹوں بیٹھا ہوا اسے دیکھا کرتا تھا، رات رات بھر اوس کے چہرہ کو، اس کے جسم کو، جسم کے ایک ایک عضو کو، اعضا کے تناسب کو بجلی کی روشنی میں دیکھا کرتا اور صبح کے وقت جب زیادہ مغلوب خواب ہوتا تو اوس کے قدموں پر سر رکھ کر سو جاتا۔ رفتہ رفتہ سارے مشاغل چھوٹ گئے، میرے تمام اوقات خراب ہوگئے حتیٰ کہ خواب و خور ترک ہوگیا اور آخر کار میں نے محسوس کرلیا کہ مجھے اوسکے ساتھ محبت ہوگئی ہے۔

میں گھنٹوں اوسکے سامنے بیٹھ کر روتا، سر بسجود ہو کر اپنی تمنائیں پیش کرتا، اس کے سکوت و جمود کو برہمی سے تعبیر کرتا اور الحاح و زاری میں مصروف ہو جاتا اور کبھی ایسا محسوس کرتا کہ شاید وہ مسکرا رہی ہے۔ لیکن جب میں بیتاب ہو کر اس کے قریب پہونچتا تو پھر وہ اسی طرح سنجیدہ و غیر متحرک نظر آتی اور میں فرش پر گر کر بے ہوش ہو جاتا۔

ایک رات جبکہ میری دیوانگی بہت بڑھ گئی تھی اور میرے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار نہ رہ گیا تھا کہ اس کے قدموں پر گر کر اپنے کو ہلاک کر دوں، اس مجسمہ میں حرکت ہوئی، اس کے اعضا میں جنبش محسوس ہونے لگی اور دفعۃً میری آغوش میں آ کر مجھے بے ہوش کر گئی۔

یقیناً ایک مجسمہ کا زندہ ہوجانا، بجائے خود ایک ایسی بات تھی کہ مجھے فرطِ حیرت سے دیوانہ ہوجانا چاہئے تھا، لیکن میرے دل و دماغ میں اس کی محبت، اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی مسرت نے کسی اور خیال کے لئے کوئی جگہ ہی باقی نہ رکھی تھی اور بغیر اس حقیقت پر غور کئے ہوئے کہ ایسا کیونکر ممکن ہے، قدرت میری کس ادائے طلب سے مالوف ہوکر رحم کرنے پر مجبور ہوگئی، میں اس میں جذب ہوگیا اور اس زندگی میں اوّل بار میں نے محسوس کیا کہ عورت کا مفہوم کیا ہے اور اس کی ترکیب کن آلہانہ لذات سے ہوئی ہے۔ جو دن گذرتا تھا، میں اسکی ملکوتی نرمی اور سماوی شفقت کو زیادہ قوت کے ساتھ محسوس کرتا جاتا تھا، یہاں تک کہ میری ہستی اس کے لطف و رافت سے اسقدر معمور ہوگئی، کہ میری روح نے بغاوت شروع کردی اور میں ایسا محسوس کرنے لگا کہ شاید میں اس سے بیزار ہوگیا ہوں۔ وہ میری خدمت کرتی تھی اور میں اس میں کوئی عجیب بات نہ دیکھتا تھا، وہ مجھ پر مٹی جاتی تھی، لیکن میں یہ سمجھ کر کہ اسطرح وہ اپنا فرض ادا کررہی ہے، بجائے اسکی طرف کھنچنے کے اپنے اندر اک پندار محسوس کرتا تھا اور سمجھتا کہ شاید فطرت نے عورت کو اسی لئے وضع کیا ہے کہ وہ مرد کی خدمت کرے اور کوئی احسان نہ رکھے، اور مرد کی تخلیق کا منشا یہی ہے کہ وہ عورت سے کام لے اور منت پذیری کے جذبات اسمیں نہ پیدا ہوں۔

اب میری برہمی اس کی طرف سے بڑھتی جاتی تھی، میں ذرا ذرا سی بات پر مشتعل ہوجاتا تھا، اگر کوئی ادنیٰ سی بات بھی میرے خلافِ مزاج ہوجاتی تھی تو میں غصہ سے بھوجاتا تھا، وہ میری جھڑکیاں سنتی تھی اور ہنستی تھی، وہ میری سختیاں دیکھتی تھی اور پھر اس طرح مسرت و انہماک کے ساتھ اپنے فرائض کے ادا کرنے میں مصروف ہوجاتی تھی، میرے اندر بجائے اس کے کہ اس طرزِ عمل سے نرمی و رافت پیدا ہوتی زیادہ سختی بڑھتی جاتی تھی اور اب میں اس سے بالکل متنفر ہوگیا تھا۔

برسات کی ایک رات جب کہ میں باہر سے بھیگا ہوا اور پریشان داخل ہوا، تو میں نے اُسے اپنے کمرہ میں نہ پایا جہاں ہمیشہ کہ وہ انتظار کیا کرتی تھی، یہ دیکھتے ہی مجھے سخت طیش آگیا اور گھر میں اس کی جستجو کرنے لگا، میں نے دیکھا کہ وہ ایک کونے میں کرسی پر سر ڈالے ہوئے کانپ رہی ہے (وہ حقیقتاً میرے اس وقت تک گھر نہ آنے کی وجہ سے رو رہی تھی) اس منظر نے مجھے غیر معمولی طور سے غضبناک بنا دیا، اور نہایت ہی خشن لہجہ سے میں نے اوس کو آواز دیکر چونکا دیا۔ وہ میری آواز سنتے ہی آنسو پونچھتی ہوئی اٹھ بیٹھی، لیکن میری برہمی کو دیکھ سہم گئی اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہٹتے اسی کونہ میں جاکر کھڑی ہوگئی، جہاں میں نے اس کا بت طیار کیا تھا اوس کے طرزِ عمل نے مجھے حد درجہ غضب آلود کردیا اور بے اختیار ہوکر میں نے ایک لکڑی جو میرے ہاتھ میں تھی اس کے نرم و نازک جسم پر ماری، لیکن اس ضرب سے ایسی آواز پیدا ہوئی جیسے دو سخت چیزوں کا تصادم ہوتا ہو! اس سے میں اور زیادہ برہم ہوا اور دوسری لکڑی اس سے زیادہ قوت کے ساتھ ماری، میری لکڑی کے دو ٹکڑے ہوگئے اور میں نے چاہا کہ ہاتھ سے پکڑ کر اسے گھسیٹ لوں، لیکن جب اوس کے قریب پہونچا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک مجسمہ تھی ساکن و بے حس، وہ ایک مورت تھی بارد و سنگین، وہ ایک پیکر حسین تھی، لیکن گہرے خواب میں مصروف۔

یہ فسانہ نوم طویل کا ہو یا خواب کا۔ بہرحال یہ یقینی ہے کہ اس کے بعد حقیقی معنی میں میری آنکھ کھلی اور میں نے محسوس کیا کہ اسوقت تک میں نے جس چیز کو عورت سمجھا تھا وہ عورت نہ تھی، کیونکہ عورت نام اوسکے حسنِ جسمانی اور تناسبِ اعضاء کا نہیں ہے، بلکہ اسکے حسنِ صفات کا ہے، جس سے بہتر درسِ اخلاق دینے والی چیز دنیا میں اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

یقیناً میں اس واقعہ کے بعد بھی اپنے مشاغل میں بدستور مصروف رہا، لیکن اس قبل، میں جو مجسمے طیار کیا کرتا تھا، ان میں میرے جذبات حیوانی بھی شامل ہوتے تھے اور اس لئے وہ صنعت کے نقطۂ نظر سے (جو حد درجہ معصوم چیز ہے) نا قابل التفات ہوتے تھے۔ اور اب اُن سے وہ جذبات ظاہر ہوتے ہیں جو صحیح معنی میں فطرت نسوانی سے متعلق ہیں، اور اسی دور کا ایک مجسمہ تھا جس نے میری بنیادی شہرت کو بھی مکمل کرکے دکھا دیا۔

کیا اب بھی تم مجھے ملامت کروگے، ببمئی کی شاید ہی کوئی حسین لڑکی ایسی ہوگی، جس نے مجھ سے ایسی خواہش نہ کی ہو کہ میں اسے پتھر میں تبدیل کردوں، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اون کے مجسمے اس دور سے متعلق ہوں گے، جسے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، میں اون کی یہ خواہش رد کردیتا تھا کیونکہ یہاں کے مغربی تمدن نے عورتوں کی نسائیت کو سلب کرلیا ہے اور وہ اب وفن خواہش نفسانی کی دیویاں ہیں جن کو دیکھ دیکھ کر میری روح لرز جاتی ہے۔

(۴)

میں نے اس مجسمہ کو جاکر دیکھا، جس نے شہاب کو غیر فانی بنا دیا ہے۔

"ایک عورت جو ہزار دشواریوں سے کچھ سامان غذا فراہم کرسکی ہے بوسیدہ لباس میں اپنے اندھے شوہر کے سامنے کھڑی ہوئی اپنی دن بھر کی محنت کا ثمرہ پیش کررہی ہے اور اپنے دونوں چھوٹے بچوں کو جو بھوک سے بیتاب ہوکر اس سے پیٹے جاتے ہیں ہاتھ سے علحدہ کررہی ہے تاکہ وہ سب سے پہلے اوس ہستی کی تکلیف کو دور کرسکے جس کے لئے ہندوستان کی عورت جان دینا بھی ادنی خدمت خیال کرتی ہے"

شہاب اب نقاش و بت ساز نہ تھا، بلکہ جنس لطیف کا اک رفارمر و مصلح تھا، جس نے باوجود حد درجہ مادہ پرستی کے بھی فضائے بمبئی میں روحانیت کی لہر دوڑا دی تھی۔

نیاز

فراست الید

یعنی ہاتھ اور اسکی لکیروں کو دیکھکر انسان کی خصوصیات سیرت اور اس کے ماضی و مستقبل کے حالات پر حکم لگانے کا علم۔

یہ کتاب نہایت معتبر ذرایع سے مرتب کیگئی ہے اور ہاتھوں کے نقشے دے دیکر نہایت آسان زبان میں اس فن کے تمام نکات حل کئے گئے ہیں۔ دبیز عمدہ کاغذ پر جیبی اڈیشن میں شایع ہوئی ہے قیمت علاوہ محصولڈاک ایک روپیہ ؏

مینجر نگار لکھنؤ سے طلب کیجئے۔

جنگل کی شاہزادی

پیوست ہے جو دل میں وہ تیر کھینچتا ہوں
اک ریل کے سفر کی تصویر کھینچتا ہوں

کچھ تازہ شعر پڑھتا مسرور جا رہا تھا
اجمیر کی طرف سے جے پور جا رہا تھا

طوفان پہ جھینگروں کا، چڑیوں کا تھا بسیرا
گنجان جھاڑیوں کے سایہ میں تھا اندھیرا

تیزی سے جنگلوں میں یوں ریل جا رہی تھی
لیسلے ستار اپنا گویا بجا رہی تھی

کچھ دور پر تھا پانی، موجیں رکی ہوتی تھیں
تالاب کے کنارے شاخیں جھکی ہوئی تھیں

خورشید چھپ رہا تھا رنگیں پہاڑیوں میں
طاؤس پر سمیٹے بیٹھے تھے جھاڑیوں میں

مستی شراب کی سی آنکھوں میں چھا رہی تھی
ہر سانس اک چھلکتا ساغر پلا رہی تھی

لہروں میں کوئی جیسے دل کو ڈبو رہا تھا
"میں سو رہا ہوں" ایسا محسوس ہو رہا تھا

موسیقیت سے دل کو مسرور کر رہے تھے
ٹھنڈی ہوا کے جھونکے مخمور کر رہے تھے

تھیں آخری کرن سے سب وادیاں سنہری
ناگاہ چلتے چلتے جنگل میں ریل ٹھیری

(۲)

کانٹوں پہ خوبصورت اک بانسری پڑی ہے
دیکھا کہ ایک لڑکی میدان میں کھڑی ہے

کافر ادا، ستمگر، ساحر، دراز مژگاں،
سیمیں بدن، پری رخ، گلرنگ، حشر ساماں

خوش چشم، خوبصورت، خوش رنگ، ماہ پیکر
نازک بدن، شکر لب، شیریں ادا، فسونگر

غارت گر تحمل، خونریز، دشمن جاں
پروردۂ مناظر، دوشیزۂ بیاباں

پرتو ہے بجلیوں کا آئینہ گی میں
یا جان پڑ گئی ہے جنگل کی تازگی میں

صورت میں عارضوں کی، یا گل بدل گئے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے جھونکے، اعضا میں ڈھل گئے ہیں

حوریں ہزار دل سے قربان ہو گئی ہیں
رنگینیاں سمٹ کر "انسان" ہو گئی ہیں

ہر چیز پر نگاہیں حیرت سے ڈالتی ہے
جھونکے جو چھیڑتے ہیں، چادر سنبھالتی ہے

لفظ "غرور" دل پر مرقوم ہی نہیں ہے
"میں کون ہوں" یہ اس کو معلوم ہی نہیں ہے

خونریزیوں سے اپنی واقف مگر نہیں ہے
کس پر چھری چلا دی مطلق خبر نہیں ہے

ناآشنائے راہ و رسم فسونگری ہے
در پردہ اس کی فطرت سرگرم دلبری ہے

(۳)

کچھ دیر تک تو میں نے اس کو بغور دیکھا　　گم تھے حواسِ خمسہ، ہر مو تھا چشم بینا
گاڑی سے پھر اتر کر اس کے قریب آیا　　جذباتِ دل کی رَو میں پھر یہ زباں سے نکلا
"اے تو کہ تیری نازک ہستی میں کام آئی　　فطرت کی انتہائی تخئیل دل ربائی
"اے درسِ آدمیت، اے شاعری کی جنت　　اے صانعِ ازل کی نازک ترین صنعت"
"جلووں سے تیرے روشن صحرا و دشت و وادی　　عفت کی پاک دیوی، جنگل کی شاہزادی"
"گیسو پہ تیرے صدقے زلفیں سیہ گھٹا کی　　گاتی ہیں گیت تیرے، رنگینیاں فضا کی"
"بستی میں تو جو آئے، اک حشر سا بپا ہو　　آبادیوں میں ہلچل، شہروں میں غلغلہ ہو"
"میکش جو تجھ کو دیکھے، تقوا کے جام چھوٹے　　تسبیحِ شیخ الجھے، زاہد کا زہد ٹوٹے"
"افلاک سے فرشتے لے کر خراج اتریں　　زہّاد کے عمامے، شاہوں کے تاج اتریں"
"آنسو ہوں خوں بداماں، نالے شرر فشاں ہوں　　کیا کیا نہ شاعروں کے ملبوس دھجیاں ہوں"
"چہروں کو اہلِ دل کے بے آب و رنگ کر دے　　دنیا کو حسن تیرا میدانِ جنگ کر دے"
"تیرے پجاریوں میں میرا بھی نام ہوتا　　اے کاش جنگلوں میں میرا قیام ہوتا"
"شام و سحر کے جلوے مجھ سے قریب ہوتے　　یہ چاند اور ستارے میرے رقیب ہوتے"
"کیوں؟ میری گفتگو سے حیرت کا جوش کیوں ہے　　اے زمزموں کے چشمے، اتنا خموش کیوں ہے؟"
"بجنے لگیں دنیا کی محفل میں شادیانے　　کچھ بول بھی زباں سے، اے سرمدی ترانے!"
"یوں چپ ہے، جیسے کوئی اب کام ہی نہیں ہے　　یہ وہ ادا ہے جس کا کچھ نام ہی نہیں ہے"

(۴)

یہ سن کے وہ پری وش، اس طرح مسکرائی　　سینہ میں روح میری گھبرا کے تھرتھرائی
دل کو شکست دینے سامانِ جنگ آیا　　چہرہ پہ خون دوڑا آنکھوں میں رنگ آیا
شرما کے آنکھ اٹھائی زلفوں پہ ہاتھ پھیرا　　اتنے میں رفتہ رفتہ بڑھنے لگا اندھیرا
کچھ جسم کو سمیٹا، کچھ سانس کو سنبھالا　　کاندھے پہ سرخ آنچل انگڑائی لے کے ڈالا
ہر شے سے پھوٹ نکلے جذبات عاشقانہ　　اور ہو گئی وہ کافر منہ پھیر کر روانہ

(۵)

آنکھوں سے اشک ٹپکے، سینہ سے آہ نکلی　　گردوں پہ رات، لے کر فانوسِ ماہ نکلی.

آواز ہر طرف سے آئی کراہنے کی
اے جوش، یہ سزا ہے اچھوں کو چاہنے کی

کیا جانے دل نے کبتک غفلت کا راگ گایا
المختصر غشی سے جب مجھ کو ہوش آیا

مڑ کر جو میں نے دیکھا امید مر چکی تھی
پٹری چمک رہی تھی، گاڑی گذر چکی تھی

(جوش ملیح آبادی)

ایک مایوس کی آخری تمنا

نویدِ عشرتِ موہوم اب نہ چھیڑ مجھے
امیدِ لذتِ معدوم اب نہ چھیڑ مجھے

خوشی کے نام سے دل کی مصیبتیں نہ بڑھا
دکھا کے جلوۂ راحت کسی کا جی نہ دکھا

گدازِ دل کی رفاقت بہت ہے میرے لئے
"نہیں وہ میری" یہ حسرت بہت ہے میرے لئے

اسیرِ جرمِ محبت ہوں، اب گلا کیوں ہو
کوئی بتائے مجھے خواہشِ وفا کیوں ہو

عزا گسار ہوں، ناکام جستجوؤں کا
نہ ذکر کر مری مرحوم آرزوؤں کا

فسانہ عہدِ تمنا کا اف، مجھے نہ سنا
اب ان کے ذکرِ نوازش سے میرا دل نہ دکھا

غمِ فراق ہے، ارماں کو دفن رہنے دے
مجھے اب اُن کے تغافل کا رنج سہنے دے

مرے شباب کی کاوش کا قصۂ دلدوز
سنا کے اور فزوں کر نہ میرے صبر کا سوز

نہ کہہ کہ "اپنی خرابی پہ اشکبار ہوں میں
نہ کہہ کہ عہدِ تمنا کا سوگوار ہوں میں"

خدا کے واسطے دے اب تو درس بیخبری
کہ فاش ہو چکا عالم پہ رازِ چارہ گری

یہ مدعا نہیں لیکن، کہ دردِ جبر مٹے،
غمِ فراق کی لذت دل و جگر سے چھٹے،

یہ آرزو ہے، کہ وہ دردِ دل کا راز بنے
مرے حریمِ محبت کی وجہِ ناز بنے

میں اس کے دردِ پرستش میں یوں خوش رہوں
کسی سے حالِ دلِ زار و مبتلا نہ کہوں

تپش کو اپنی، رفیقِ شبِ محن سمجھوں
میں سوزِ دل کو فقط شمعِ انجمن سمجھوں

کسی کی کچھ نہ سنوں کوئی کچھ سنا جائے
مرے وجود پہ اک بے حسی سی چھا جائے

جہاں سے دور رہے دل کی عافیت کوشی
کرے یہ حال مرا جوشِ خود فراموشی

کہ مجھ کو ہستی کا احساس محو ہو جائے
مری حیات بس اک جستجو میں کھو جائے

جہاں میں یہ مری بیچارگی کا عالم ہو
کہ میرا حال زبوں اک صلائے ماتم ہو

نہ آہ نیم شبی باعث رسائی ہو　　نہ گریۂ سحری موجب رہائی ہو
دعائے وقتِ سحر جب بلند ہونے لگے　　اثر خرابیٔ قسمت پہ میری رونے لگے
یہ حال کوئی جو دیکھے وہ کہہ اٹھے اک بار　　کہ اب تو رحم کے قابل ہے اسکی حالت زار
کوئی کہے کہ دوا کا نہ کیا اثر ہو گا ؟　　کوئی کہے نہیں درماں نہ کارگر ہو گا
اب اس کو چھوڑ دو یوں ہی نہ اسپہ جبر کرو　　دوا کا وقت نہیں ہے دعائے صبر کرو
عیاں ہو جب کہ دوا و دعا کی بے اثری　　تو اے تمنا یاد رہے اے وفور بے خبری
کبھی وہ حسنِ مجسم جو سامنے آئے　　اور اپنے جلووں سے خورشید و مہ کو شرمائے
جب اس کے عارضِ گلگوں کی شعلہ سامانی　　شفق کے رنگ کی زائل کرے درخشانی
اور اس کی موج تبسم سے نشہ باری ہو　　فضا میں ہر طرف اک محویت سی طاری ہو
تو خواب یاس سے مجھ کو ذرا جگا لینا　　حجاب دید مری آنکھ سے اٹھا لینا
کہ میں بھی اس رخ رنگیں پہ اک نظر کر لوں　　وفور شوق میں بڑھ کر قدم پہ سر رکھ دوں
امید و بیم میں جس دم مجھے غش آنے لگے　　وہ میری حالت نازک پہ مسکرانے لگے

حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں
صرف دس روپے میں
محصول ڈاک اور پیکنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمرہ کے لئے + بیوی کے لئے

مندرجۂ ذیل تینوں گھڑیاں ٹائم پیس

یہ تینوں گھڑیاں اگر آپ یکمشت طلب فرمائیں تو صرف مبلغ دس روپے میں بھیجی جائیں گی یہ رعایت محض مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کیوجہ سے ہے اور یہ رعایت اسیوقت تک رہیگی جبتک یہ گھڑیاں اسٹاک میں رہینگی۔ اسکے بعد ہم تعمیل کے ذمہ دار نہ ہونگے۔ آپ فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہو جائے اور آپ کی فرمائش کی تعمیل نہ ہو سکے۔

اصلی ریلوے ریگولیٹر ٹوپا کٹ واچ　　عہ

مشہور عالم اصلی جرمن ٹائم پیس　　عہ

گارنٹی ۳ سال

قابلہ گولڈن رسٹ واچ　　عہ
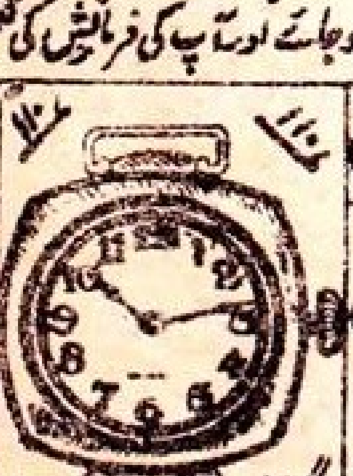
گارنٹی

نوٹ۔ ایک یا دو گھڑیوں کے خریدار کیلئے کوئی رعایت نہیں ہے اُن سے پوری قیمت مندرجہ بالا چارج کیجاوے گی۔ اور محصول ڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی اُن کو ادا کرنا ہو گا۔

ملنے کا پتہ:- امریکن واچ ہاؤس ایسٹ کوسٹ ویسٹ اینڈ واچ کمپنی ۳ مقام دہلی

انقلاب امریکہ پر اک اجمالی نظر

تمہید ۱۷۶۲ء بھی برطانوی امریکہ کے لئے نہایت مبارک سال تھا، کیونکہ نومبر میں فرانس اور انگلستان نے بساط جنگ کو الٹ دیا دیا تھا اور صلح نامہ پیرس کی رو سے کناڈا اور وادی مسیسپی کے وسیع رقبوں کی حکومت تاج برطانیہ سے متعلق ہو کر فرانس کا اقتدار نئی دنیا سے ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا تھا۔

اس انقلاب سے اگر نیویارک، بوسٹن اور فلاڈیلفیا میں نعرہ ہائے مسرت بلند کئے گئے تو حیرت نہ کرنی چاہئے، کیونکہ تمام اجنبی حکومتوں میں فرانس کی حکومت سب سے زیادہ قوی اور مستحکم ہونے کے لحاظ سے باشندگانِ امریکہ کی سیاسی آزادی کے لئے سب سے زیادہ حارج تھی۔

اس جنگ سے قبل برطانیہ کا قبضہ امریکہ میں ۱۳ صوبوں پر تھا اور ہر صوبہ میں وہاں کے باشندگان کے اعتبار سے مختلف قوانین رائج تھے۔ ان صوبوں میں چار صوبے مساچوسٹس (Massachusetts) کنکٹکٹ (Connecticul) نیوہمپشائر (New Hampshire) جزیرہ رہوڈ (Rhode Island) نہایت اہم تھے۔ جن کو انگلستان کے مہاجرین قدیم (Pilgrim Jathers) نے آباد کیا تھا۔

... نیونیدرلینڈ (New Netherland) کا قطعہ دو صوبوں پر مشتمل تھا نیویارک (New York) اور نیوجرسی (New gersy) جسے ڈچ لوگوں نے بسایا تھا (بعد کو ڈیلاویر (Delaware) بھی جو سویڈن والوں کی نوآبادی تھا ڈچ کے قبضہ میں چلا گیا اور اس قطعہ میں شمار ہونے لگا) جب چارلس ثانی کے عہد میں ڈچ اور انگلستان کے درمیان جنگ ہوئی تو یہ تمام مقامات حکومتِ انگلستان سے وابستہ ہو گئے۔

پنسلونیا (Pennsylvania) کا وسیع رقبہ جسے ولیم پن (William Penn) نے اپنے احباب کے ساتھ ہجرت کرکے اباد کیا تھا دریائے پوٹمک (Polomoe) کے جنوب میں ورجینیا (Virginia) تھا جسے ملکۂ الزبتھ کی مفروضہ عصمت و عفت کی یاد میں، ریلے (Releigh) نے اس نام سے موسوم کیا تھا (انگریزی میں ورجن (Virgin) عفت مآب یا دوشیزہ کو کہتے ہیں) یہ اُن شاہ پرست لوگوں سے آباد تھا جو کرامول (Cromwell) کے خوف سے بھاگ کر یہاں آگئے تھے۔ یہ نوآبادی نہایت قدیم تھی (۱۶۰۷ء) اور یہاں کے لوگ اپنے کو نہایت معزز سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ عہد انقلاب میں یہاں کے لوگوں نے بہت حصہ لیا اور واشنگٹن (Washongton) جفرسن

(jefferson) ہنری (Henry) اور میڈیسن (madison) جو انقلاب کے روحِ رواں تھے۔ اسی سرزمین کے فرزند تھے۔

میری لینڈ (mary land) کو سِسِل کالورٹ (Cecil Calvert) نے ۲۰۔ جون ۱۶۳۲ء میں آباد کیا تھا۔

باقی تین صوبوں میں سے شمالی اور جنوبی کیرولینا (Carolina) کو ۱۶۶۳ء میں ساکنانِ ورجینیا نے آباد کیا تھا۔ اور جارجیا (Georgia) کا مورثِ اعلیٰ جنرل اوگلی تھورپ (Ogli Thorpe) تھا جس نے ۱۷۳۲ء میں اسکی بنیاد قائم کی۔

بے چینی کی ابتدا اس میں شک نہیں کہ ان تیرہ صوبوں پر انگلستان کا قابض ہو جانا کوئی معمولی بات نہ تھی کیونکہ اس طرح ہزاروں مربع میل کا رقبہ اس کے تصرف میں آ گیا تھا اور ذرائع تجارت میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو گئی تھی لیکن حکومتِ انگلستان تو اس کے لئے بیتاب تھی کہ چودہ کروڑ پونڈ جو جنگ میں صرف ہو گئے تھے کیونکر وصول کئے جائیں۔ پھر چونکہ انگلستان کی تاریخ سیاست کا یہ نہایت معمولی واقعہ ہے کہ وہ ہمیشہ نوآبادیوں کا مصرف یہی قرار دیتی ہے کہ اُن کو تباہ و برباد کرکے انگلستان کو دولت مند بنایا جائے اس لئے مسٹر گرنول (Greenville) نے جو یہاں کا گورنر تھا اس رقم کو باشندگانِ امریکہ سے ٹیکس قائم کرکے وصول کرنا چاہا۔ چنانچہ ۱۰۔ مارچ ۱۷۶۴ء کو گرنول نے دارالعوام میں یہ تحریک پیش کی کہ امریکہ کی برطانوی نوآبادیوں کی حفاظت و مصارفِ جنگ کی وصولی کی غرض سے وہاں کی اشیاء پر کچھ محصول لگانا چاہئے جس کی بہترین صورت اسٹامپ کا جاری کرنا ہے (نوآبادیوں کی حفاظت سے اُس کا مقصود صرف یہ تھا کہ وہاں ایک زبردست فوج رکھی جائے اور گورنر کے اثرات کو قوی بنایا جائے)

اسٹامپ بل کا نفاذ جس وقت امریکہ میں ان تحریکات کی خبر پہونچی تو وہاں سخت بے چینی پھیلی لیکن انگلستان میں اس تجویز کو نہایت مسرت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ مساچوسٹس (massachusetts) کنکٹی کٹ (Connecticut) اور پنسلونیا (Pennsylvania) نے اس کے خلاف سخت صدائے احتجاج بلند کی اور شاہ انگلستان کی خدمت میں ایک درخواست روانہ کرکے اپنے ایجنٹوں کو جو لندن میں تھے لکھا کہ ان تجویزوں کی سخت مخالفت کی جائے۔ فروری ۱۷۶۵ء تک نوآبادیوں کی متعدد درخواستیں اور لندن کے تاجروں کی جنھیں اپنے کاروبار کے لحاظ سے سخت اندیشہ پیدا ہو گیا تھا بہت سی عرضیاں بادشاہ کے حضور میں پہونچ گئیں، لیکن گرنول نے کچھ پرواہ نہیں کی۔ اور آخر مارچ ۱۷۶۵ء میں اُس نے اسٹامپ بل (Stamp bill) جاری کرکے یکم نومبر اس کی تاریخ نفاذ قرار دیدی۔ اس درمیان میں میوٹنی ایکٹ (قانون بغاوت) میں یہ فقرہ اور بڑھا دیا گیا کہ وزراء کو اجازت ہے کہ حسب ضرورت جتنی فوج چاہیں امریکہ روانہ کرسکتے ہیں اور کوارٹرنگ ایکٹ (Quartering Act) بھی پاس کیا گیا۔ جس کی رو سے نوآبادیوں پر لازم ہو گیا کہ وہ افواج انگلستان کو جو اُن کے ہاں مقیم ہیں مکان، بستر، ایندھن، صابون،

روشنی اور مشروبات بھی مہیا کریں۔

اہل امریکہ کی صدائے احتجاج جب امریکہ میں یہ خبریں پہونچیں تو اُن کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی اور تمام نوآبادیوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔

ورجینیا میں پیٹرک ہنری (Patrick Henry) نے جو ایک نوجوان وکیل تھا، تحریک مخالفت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مساچوسٹس کی آبادی نے تمام دیگر نوآبادیوں کو لکھا کہ ماہ اکتوبر تک ایک کانگرس نیویارک میں منعقد کی جانے والی ہے اس لئے ہر نوآبادی کو اپنے نمائندے وہاں روانہ کرنا چاہیئے۔ اسی طرح بوسٹن، نیویارک اور فلاڈلفیا میں بہت سے رسائل شائع کئے گئے جن میں ان ٹیکسوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی تھی اور ظاہر کیا گیا تھا کہ انگلستان کو اُن کی آزادی چھیننے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

آخر کار نیویارک میں مسلسل تین ہفتہ تک مباحثہ جاری رہنے کے بعد ایک محضر تیار کیا گیا، جس میں انھوں نے اپنے حقوق ظاہر کئے۔ اور اسی کے ساتھ یہ بتایا کہ ٹیکس عائد کرنے کے لئے صرف انھیں کی جماعت انتظامی کی احکام قابل تعمیل ہو سکتے ہیں۔

انگلستان سے ترک موالات اس کے ساتھ نیویارک کے تاجروں نے لندن کے تجار کو لکھ دیا کہ جبتک یہ معاملات طے نہ ہو جائیں کوئی مال یہاں روانہ نہ کیا جائے۔ اور گوشت کا کھانا بھی کم کر دیا تاکہ بھیڑ کی اُون کثیر مقدار میں حاصل ہو سکے اور ملک کے اندر ہی اس سے کپڑا تیار کیا جائے۔ اس وقت تک انگریزی کپڑا پہننا یہاں بڑے فخر کی بات سمجھا جاتا تھا لیکن اس کے بعد ہی یہ انقلاب ہو گیا کہ جو شخص دیسی کپڑا نہ پہنتا تھا اُسے نگاہ حقارت سے دیکھتے تھے۔ انھوں نے یہ بھی عہد کیا کہ کوئی وکیل کسی انگریز داین کے مقدمہ کی پیروی نہ کریگا اور لندن کے تجار کا کوئی قرض ادا نہ کیا جائیگا۔ عدالتوں کے حکام نے اسٹامپ کا استعمال ترک کر دیا اور چنگی کے عمال نے محصول لینا چھوڑ دیا۔ الغرض ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک ہر شخص نے انگریزوں کو اقتصادی و تجارتی نقصان پہونچانے کا عزم استوار کر لیا۔

انتہا پسند طبقہ نوجوانوں کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو اس سے زیادہ قوی اور جارحانہ ذرائع استعمال کرنے کی طرفدار تھی اور روز بروز اُن کا اثر بڑھتا جاتا تھا۔ دولت مند اور ضعیف لوگ ہر چند اس انتہا پسندی کو معیوب سمجھتے تھے، لیکن مستقبل نے ثابت کر دیا کہ یہی انتہا پسندی آخر کار کامیاب ثابت ہوئی اور امریکہ کو پنجۂ استبداد سے انھیں لوگوں نے آزاد کر دیا جو ستیاگرہ کی حد سے گزر کر سختی کا جواب سختی سے دینے کے لئے آمادہ ہو گئے تھے۔

سب سے پہلے ان فرزندانِ حریت نے یہ کیا کہ اسٹامپ تقسیم کرنے والوں کو دھمکا کر ملازمت سے علٰحدہ ہونے پر مجبور کیا اور اُن کے پاس سے تمام اسٹامپ لیکر جلا دیئے۔ رفتہ رفتہ یہ شدت بڑھنے لگی، یہانتک کہ بوسٹن میں دیودار کے ایک درخت میں (جسے اب شجر حریت کہتے ہیں) حامیان ٹیکس کے مجسمے بنا بنا کر آویزاں کئے گئے اور پھر گلیوں میں منتشر کرکے اُن میں آگ لگا دی گئی۔ علاوہ اس کے انھوں نے آلیور (Oliver) سکرٹری اور ہچنسن (Hutchinson) گورنر کے مکانوں کو بھی مسمار کر دیا۔

حکومت نے بہت کوشش کی کہ مجرمین گرفتار ہو جائیں اور مجرمین کے لئے بڑے بڑے انعامات تجویز کئے لیکن اس میں مطلق

کامیابی نہیں ہوئی -

مظاہرہ کی شدت | چونکہ یکم نومبر، قانون اسٹامپ کی تاریخ نفاذ تھی، اس لئے اس دن زیادہ قوت کے ساتھ شورش پیدا کی گئی۔ بوسٹن میں دن بھر گھنٹے بجتے رہے، حریت پسند لوگوں کے گروہ تمام بازاروں اور گلیوں میں نغمۂ آزادی گاتے ہوئے پھرتے رہے۔ اور آلیور سکرٹری کو اسی شجر آزادی کے نیچے لے گئے اور اُسے مجبور کیا کہ اپنے عہدہ سے دست بردار ہوجائے اور اس کے علاوہ تمام مکانوں اور بازار کی دوکانوں پر اشتہار چسپاں کئے گئے۔ جن میں اسٹامپ استعمال کرنے والوں کو سخت دھمکی دی گئی تھی۔ فلاڈیلفیا میں بھی قریب قریب یہی عمل کیا گیا۔

نیویارک میں اس سے زیادہ شورش پیدا ہوئی۔ یہاں کے نائب گورنر کولڈن (Colden) نے بخیال تحفظ تمام اسٹامپ قلعہ کے اندر مقفل کردیئے تھے۔ جب لوگوں کو یہ حال معلوم ہوا تو انھوں نے کولڈن کی گاڑی پکڑکے اُسے جلا ڈالا۔ اور پھر قلعہ میں جاکر اس سے اسٹامپ حاصل کئے، پہلے تو اس نے تیغ و تفنگ کی دھمکی دی، لیکن جب اس پر بھی یہ لوگ باز نہ آئے تو اُس نے سارے اسٹامپ اُن کے حوالے کردیئے جو اُسی وقت نذر آتش کردیئے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ بعد کو امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ شورش کم ہونے لگی، لیکن اسٹامپ ایکٹ کی مخالفت بدستور باقی رہی اور بائیکاٹ ترک نہیں کیا گیا۔

حکومت برطانیہ کا نقصان اور اسٹامپ ایکٹ کی منسوخی | حکومت برطانیہ کو اس ایکٹ کے پاس کرنے میں بارہ ہزار پونڈ صرف کرنے پڑے تھے جس میں سے کل ایک ہزار پونڈ، نیوفونڈلینڈ (Newfoundland) نوا اسکوٹیا (Nova Scotia) کوئبک (Quebec) فلورڈا (Florida) اور ویسٹ انڈیز (West-Indies) سے وصول ہوسکے۔ اور علاوہ اس کے انگلستان کی تمام وہ تجارت جس کا تعلق نو آبادیوں سے تھا تباہ و برباد ہوگئی، کیونکہ انھوں نے عہد کرلیا تھا کہ نہ برطانوی تاجروں کا قرض ادا کریں گے، اور نہ وہاں کی کوئی چیز استعمال کریں گے۔ آخر کار جب انگلستان کے تاجروں نے دیکھا کہ اُن کا نقصان ناقابل برداشت ہے تو انھوں نے صدائے احتجاج بلند کی اور آخر کار پارلیمنٹ میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ ہرچند گرنول نے بہت کوشش کی کہ اسٹامپ ایکٹ بدستور جاری رہے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی اور گرنول کو اپنی وزارت راکنگھم (Rockingham) کے لئے چھوڑنی پڑی۔

ایک جدید ٹیکس کا قیام | ہرچند راکنگھم کی وزارت نہایت امن پسند تھی، لیکن پارلیمنٹ میں چونکہ مخالف عناصر بھی کام کررہے تھے اس لئے زیادہ عرصہ تک یہ حالت قایم نہیں رہی اور آئندہ گرما تک یہ وزارت بھی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد گرافٹن (Grafton) وزیر مقرر ہوا لیکن اسکی وزارت بالکل برائے نام تھی اور کام کرنے والے دوسرے تھے۔ چونکہ گرنول ابھی تک نوآبادیوں کے خلاف سازش کررہا تھا اس لئے اس نے ٹونشنڈ (Townshend) کو جو چانسلر تھا ٹٹنے دے دیکر اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ امریکہ کی نوآبادیوں کے لئے کوئی ٹیکس تجویز کرے۔ چنانچہ اس نے ایک بل پیش کیا جس کی رو سے چاء، شیشہ، کاغذ، رنگ اور شیشے پر محصول عاید کیا گیا۔

اہل امریکہ کی مخالفت | جب اس کی خبر امریکہ والوں کو پہونچی تو وہ چنگاریاں جو راکنگھم کے عہد میں دب گئی تھیں پھر مشتعل ہونے لگیں اور ہر جگہ

وہی مخالفت رونما ہو گئی جو اس سے قبل پیدا ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ حکومت کے کمشنروں کو بھاگ جانا پڑا۔ بوسٹن میں اسقدر شورش پھیل گئی کہ چار رجمنٹ وہاں متعین کی گئیں، لیکن جس وقت یہ افواج وہاں آئیں تو انھیں معلوم ہوا کہ وہ یہاں نہیں رہ سکتیں کیونکہ کوارٹرنگ ایکٹ کی پابندی میں یہاں اُن کے لئے کوئی چیز مہیا نہیں کی گئی تھی اور بوسٹن والوں نے کہدیا تھا کہ ہم خود قیام امن کے ذمہ دار ہیں اور کسی طرح فوج کی مداخلت گوارا نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اس احتجاج کے سلسلہ میں ایک خاص دن مقرر کرکے روزہ رکھا اور معابد میں جا کر دعائیں مانگی گئیں۔

حکومت و رعایا کے درمیان مناقشہ

۸۔ نومبر کو بادشاہ نے پارلیمنٹ کا اجلاس کیا اور باغیوں کی سرکوبی کے لئے تدابیر سوچی جانے لگیں چنانچہ ۱۵۔ دسمبر کو یہ قانون نافذ کیا گیا کہ امریکہ کے تمام شورش پسند آدمیوں کو گرفتار کرکے انگلستان لایا جائے اور یہیں اُن کی سزا تجویز کی جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ کے وہ لوگ بھی جو اس سے قبل تحریک آزادی سے الگ تھے شریک ہو گئے اور ایک عام بے چینی پھیل گئی۔

آزادی کا حصول تلوار سے اور بائیکاٹ سے

جارج واشنگٹن (George Washington) جو امریکہ کی تاریخ انقلاب میں نہایت ممتاز و نمایاں حیثیت رکھتا ہے اس وقت تک اس شورش سے علیحدہ تھا اور ایک خاموش کاشتکارانہ زندگی بسر کر رہا تھا، لیکن اس مرتبہ وہ بھی اٹھا اور اُس نے عام طور سے اعلان کر دیا کہ اب آزادی کے لئے تلوار اُٹھانے کا وقت آگیا ہے۔ اسی کے ساتھ انگریزی بنی ہوئی چیزوں کو بائیکاٹ کیا گیا اور عورتوں نے عام طور سے سوت کاتنا اور کپڑا بننا شروع کر دیا جس سے انگریزی تجارت کو سخت نقصان پہونچا اور تمام ملک میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔

فوج سے مقابلہ

بوسٹن میں جو فوج متعین کی گئی تھی اس کے لئے سخت خطرات بڑھنے لگے اور آخر کار وہ وقت آگیا کہ آلات حرب کا استعمال کیا جائے۔ ایک دن کسی رسی بنانے والے نے کسی بات پر فوج کے ایک سپاہی کو مارا۔ یہ سپاہی اپنے ساتھیوں کو لیکر آیا، لیکن اس مرتبہ بھی رسی بنانے والوں کی جماعت نے فوجی دستہ کو بھگا دیا، اس کے بعد پوری فوج کی فوج آگئی اور ان لوگوں کا خون نہایت بیدردی سے بہایا۔ اس واقعہ نے لوگوں میں بہت زیادہ شورش پیدا کر دی اور سیکڑوں آدمی لاٹھیاں لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ فوج نے ان پر فیر کیا جس سے چار آدمی ہلاک ہوئے اور ستر زخمی، اس کے بعد سارا شہر نکل آیا اور اگر نائب گورنر ہچنسن، دانشمندی سے کام نہ لیتا اور تحقیقات کا وعدہ کرکے فوجیوں کو سزا کا یقین نہ دلاتا تو عام خوں ریزی بالکل یقینی تھی۔

ہر چند دوسرے دن فوج وہاں سے ہٹا دی گئی لیکن اہل بوسٹن نے ۵۔ مارچ ۱۷۷۰ء کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ جب سب سے پہلی مرتبہ اُن کے بھائیوں کا خون بہایا گیا اور نہایت درد انگیز اشتہارات شائع کرکے لوگوں کے جذبات میں تحریک پیدا کی گئی اس کے تین دن بعد تمام دکانیں بند کر دی گئیں اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ مقتولین کو دفن کرنے کے لئے لے گئے

شورش کا عارضی التوا

یہ حالات ایسے تھے کہ شورش کا آخری حد تک پہونچ جانا بالکل یقینی تھا، لیکن اتفاق سے اسی وقت پھر وزارت تبدیل ہوئی اور لارڈ نارتھ (Lord North) سنئے وزیر نے سوائے چائے کے اور تمام چیزوں کا محصول معاف کر دیا

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام شورش پھر فرو ہوگئی اور امریکہ و انگلستان کے درمیان وہی تعلقات تجارت قائم ہوگئے جو اس سے قبل پائے جاتے تھے یعنی سوائے چاء کے باقی تمام چیزیں پھر امریکہ میں آنے لگیں

اگر حکومتِ انگلستان اب بھی اس راز کو سمجھ جاتی، جس سے امریکہ کی حکومت قایم رکھی جاسکتی تھی تو وہ اس امن سے درس حاصل کرسکتی تھی اور آئندہ ایسی شورش نہ پیدا ہونے دیتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکومت کا نشہ انسان کے حواس کو سلب کرلیتا ہے اور ہر چیز کو وہ ہمیشہ غلط روشنی میں دیکھنے کا عادی ہوجاتا ہے۔

اس واقعہ کے بعد تقریباً تین سال تک امریکہ میں بالکل سکون رہا۔ اور کوئی خلش پیدا نہیں ہوئی لیکن بجائے اس کے کہ اہلِ امریکہ کی اس امن پسندی کو ان کی شرافتِ نفسی سے تعبیر کیا جاتا، کموڈور ہوڈ (Commodore Hood) بوسٹن کے حاکم نے اسے زوال حس سے تعبیر کیا اور گرنزل کو لکھا کہ اب یہاں کی رعایا پر پوری طرح اقتدار قایم ہوگیا ہے (درانحالیکہ مساچوسٹس میں اب تک آزادی کا خیال لوگوں کے دماغوں میں باقی تھا۔ اور بعض غیرت مند ہستیاں ہنوز حریت و خود مختاری کے لئے ساعی نظر آتی تھیں) ممکن ہے کہ کموڈور کا یہ خیال کوئی تبدیلی نہ پیدا کرتا، لیکن بدقسمتی سے اس اثنا میں ہچنسن، مساچوسٹس کا گورنر بنا کر بھیجا گیا جو نہایت استبداد پسند اور سخت گیر آدمی تھا۔

استبداد کا دوسرا دور اسوقت تک یہ دستور قایم تھا کہ گورنر کی تنخواہ نوآبادی ادا کیا کرتی تھی لیکن اس نے گورنر ہوتے ہی جماعتِ انتظامی کو اطلاع دی کہ وہ نوآبادیوں سے تنخواہ نہ لیگا، بلکہ اس کے سارے مصارف تاج کی طرف سے ادا کئے جائیں جماعت نے اسے منظور نہیں کیا کیونکہ اس طرح گورنر کے اوپر سے ان کا اقتدار اٹھ جاتا تھا۔ گورنر اور اس کے نائب آلیور ([illegible]) نے وزارتِ لندن کو متعدد خطوط لکھکر یقین دلانا چاہا کہ بغیر سخت گیری کے یہاں کا انتظام نہیں ہوسکتا۔ اتفاقیہ تمام تحریریں ڈاکٹر فرینکلن ([illegible]) کے ہاتھ پڑ گئیں جو نوآبادیوں کا نمائندہ تھا۔ اس نے یہ تمام تحریریں فوراً بوسٹن کی جماعتِ انتظامیہ کے پاس بھیجدیں۔ اس جماعت نے بادشاہ کو لکھا کہ ہچنسن اور آلیور دونوں علحدہ کردیئے جائیں۔

جذبۂ انتقام کی ابتداء بادشاہ نے اس معاملہ کو پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ اور باقاعدہ تحقیقات ہونے لگی۔ تاج نے وڈبرن (Wedderburn) اٹورنی جنرل کو گورنر کی طرف سے پیروی کرنے کے لئے مامور کیا۔ اور ڈاکٹر فرینکلن کو اجازت دی کہ وہ نوآبادی کی طرف سے پیروی کرے۔

چونکہ فرینکلن کا طرفدار کوئی نہ تھا اس لئے وڈبرن نے امریکہ پر نہایت سخت حملے کئے اور فرینکلن پر تو کھلم کھلا سرقہ اور دیگر جرائم کا الزام لگا کر کونسل سے درخواست کی کہ اس شخص کو سزا دینا نہ صرف یورپ بلکہ تحفظِ انسانیت کے لئے ازبس ضروری ہے۔

ڈاکٹر فرینکلن ان تمام الزامات کو سن رہا تھا اور خاموش تھا جب وہ باہر نکلا تو یکسر جذبۂ انتقام بنا ہوا تھا۔ اور اس نے عہد کرلیا تھا کہ جب تک وہ اس کا بدلہ نہ لے گا اس وقت تک اپنا براؤن رنگ کا سوٹ استعمال نہ کرے گا۔ (چنانچہ اس کے دس سال بعد اس نے اسی وقت اپنا محبوب سوٹ پہنا۔ جب برطانیہ اور امریکہ کے درمیان صلح ہوگئی اور نوآبادیاں آزاد ہوگئیں)

اسی وقت جب کہ یہ جھگڑا پارلیمنٹ میں ہو رہا تھا جزیرۂ رہوڈ کے باشندوں نے ایک جہاز کو ساحل پر لاکر جلادیا، اس واقعہ سے لندن میں بہت برہمی کے آثار پیدا ہوئے اور چھ سو پونڈ کا انعام اس شخص کے لئے تجویز کیا گیا جو مجرمین کا پتہ چلائے لیکن جب اس پر کامیابی نہیں ہوئی تو ایک نیا قانون یہ بنایا گیا کہ "جو لوگ شاہنشاہ معظم کے کسی جہاز یا لنگرگاہ یا ذخیرۂ حربی کی آتش زدگی میں مشتبہ ہوں گے اُن کی سماعت براہ راست انگلستان میں ہو گی"۔

چونکہ چار کی خریداری اہل امریکہ نے محصول کی وجہ سے بالکل بند کر دی تھی اور تقریباً دو کرور پونڈ چار کمپنی کے ذخیرہ میں بند کرنی پڑی تھی اس لئے اس کی درخواست پر گورنمنٹ نے فی پونڈ صرف تین پنس محصول قائم رکھا اور کمپنی نے مطمئن ہو کر چار کے جہاز امریکہ کی طرف روانہ کر دئے، لیکن یہ جہاز بندرگاہ بوسٹن میں پہونچے ہی تھے کہ امریکہ میں شورش پیدا ہوئی اور یہ طے کر لیا گیا کہ چار کو کسی طرح ملک کے اندر نہ لانے دیا جائے۔ چونکہ افسران بندرگاہ نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ۱۷۔ دسمبر کو چار کے بکس ساحل پر اتارے جائیں گے، اس لئے ۱۶ دسمبر کی رات میں ۲۵۔ آدمی جہاز پر گئے اور چار کے جتنے بکس تھے سب کو پانی میں ڈال دیا۔ یہی عمل قریب قریب تمام بندرگاہوں میں کیا گیا اور چار کی کمپنی کو سخت نقصان پہونچا۔

فوجی حکومت اور اعلان آزادی جب ان واقعات کی خبر انگلستان پہونچی تو حکومت اور وہاں کی تمام رعایا سخت برہم ہوئی اور فوراً پانچ قانون نافذ کئے جن کی رو سے حکم دیا گیا کہ (۱) بندرگاہ بوسٹن اس وقت تک نہ کھولا جائے، جبتک وہاں کے لوگ کمپنی کے نقصان کو نہ پورا نکریں۔ (۲) مساچوسٹس کا چارٹر منسوخ کیا جائے اور وہاں کا انتظام ایسی کونسل کے سپرد ہو جسے حکومت براہ راست نامزد کرے (۳) تمام جلسے بند کر دیے جائیں (۴) جہاں جہاں ضرورت ہو فوج متعین کی جائے (۵) بجائے سول گورنر کے فوجی گورنر جنرل گیگ (General Gage.) مقرر کیا جائے جو گورنر اور کمانڈر انچیف دونوں کی خدمت انجام دے۔

مئی ۱۷۷۴ء کو جنرل گیگ ایک معقول فوج کے ساتھ بوسٹن پہونچا، اور آتے ہی اُس نے اُن تمام قوانین کا نفاذ کرنا چاہا جو اس سے قبل وزارت لندن میں منظور کئے جا چکے تھے، لیکن اس کا ارادہ معلوم ہوتے ہی دوکانیں بند ہونے لگیں، لوگوں نے کاروبار چھوڑ دیا اور پھر عام طور سے اضطراب پھیل گیا۔

اس عرصہ میں مساچوسٹس کے نمایندوں نے عہد کر لیا تھا کہ جبتک ان کو پورے حقوق آزادی نہ مل جائیں گے وہ برطانیہ سے ترک موالات قائم رکھیں گے۔ چنانچہ جنرل گیگ کے آنے پر ماہ ستمبر انھوں نے فلادیلفیا میں ایک عام کانگریس کا جلسہ طلب کیا گورنر نے فوراً اپنے سکریٹری کو بھیجا کہ جلسہ کو ملتوی کر دے، لیکن اس کے پہونچنے سے قبل دروازہ بند کر لیا گیا اور قومی اعلان حریت شایع ہو چکا تھا۔

ترک موالات کی شدت طرفداران حکومت کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہونچا اور جنرل گیگ نے ایک عام حکم جاری کیا کہ کوئی شخص اس اعلان پر دستخط نہ کرے اور مجسٹریٹوں کو اختیار دیا کہ جو شخص اس اعلان کو شایع کرے یا اس پر دستخط کرے اُسے فوراً گرفتار کر لیا جائے لیکن جنرل گیگ کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی بلکہ یہ تشدد اور زیادہ مضر ثابت ہوا۔

اب چونکہ طرفداران حکومت زیادہ پریشان تھے اور علم برداران حریت انھیں ذلیل سمجھنے لگے تھے اس لئے وہ بھاگ گئے

بھاگے پھرتے تھے اور کہیں منھ چھپانے کی جگہ نہ ملتی تھی - مزدوروں نے اُن کا کام چھوڑ دیا، آٹا پیسنے والوں نے اُن کا آٹا پیسنا ترک کر دیا اور دوکانداروں نے اُن کے ہاتھ چیزیں بیچنے سے انکار کر دیا، آخر کار یہ لوگ بوسٹن آئے کہ فوج کی حمایت میں زندگی بسر کریں اور اس عذاب سے نجات حاصل ہو -

ملکی کانگرس کا پہلا اجلاس ستمبر ۱۷۷۴ء میں پہلی مرتبہ ملکی کانگرس نہایت وسیع پیمانہ پر فلاڈلفیا میں منعقد ہوئی، اس نے حکومت کے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور یہ رزولیوشن پاس کیا کہ جو کوئی گورنمنٹ کی ملازمت کرے گا اس کو جماعت سے علحدہ کر دیا جائیگا - اور انسانیت کا دشمن تصور ہوگا -

اس کے ساتھ ایک نان امپورٹیشن اسوسی ایشن (Non-Importation association) قائم ہوئی جس کے ممبران نے ایک معاہدہ پر دستخط کئے اور خفیہ طور سے لوگوں کو مامور کیا کہ نقض عہد کرنے والوں کے نام معلوم کئے جائیں - اس جماعت نے تمام مشاغلِ لہو و لعب (گھوڑ دوڑ، قمار بازی، رقص و سرود اور تھیٹر وغیرہ) کو بند کر دیا کیونکہ حصول آزادی کے لئے تفریح و نشاط کا ترک کر دینا ضروری تھا -

جنگ کی ابتدا اور حکومت کی پہلی شکست چونکہ اب حالت زیادہ نازک ہوتی جاتی تھی اور انتہا پسندوں نے ذخائر حرب بھی فراہم کرنا شروع کر دیا تھا، اس لئے جنرل گیگ نے قلعہ بوسٹن کو محفوظ کر کے ایک دستہ فوج کا روانہ کیا کہ سام آڈمس (Sam Adams) اور جان ہینکاک (John Hancock) کو گرفتار کر کے تمام ذخائر حرب پر قبضہ کرے جب یہ فوج لکزنٹن (Lexington) پہونچی تو سام اور جان جا چکے تھے، البتہ قومی فوج کا ایک دستہ ضرور موجود تھا - جس پر حکومت کے سپاہیوں نے گولی چلائی اور بعد کو ان کی دو توپیں بیکار کر کے بارود کے ذخیرہ میں آگ لگا دی -

یہ خبر منتشر ہوتے ہی تمام ملک نے ہتھیار اُٹھا لئے، کاشتکاروں نے اپنی چقماقی بندوقیں سنبھال لیں - مزدوروں نے اپنی اپنی لاٹھیاں اٹھا لیں اور زمین کے ایک ایک ذرہ سے سپاہی پیدا ہو گیا - ایک انگریز (جو اس وقت یہاں موجود تھا) بیان کرتا ہے کہ مجاہدین کی تعداد اس طرح بڑھ رہی تھی گویا وہ آسمان سے برس رہے ہیں - آخر کار جنگ ہوئی اور انھوں نے لال کرتی کی پلٹن کو شکست دے دی -

اس کامیابی سے انتہا پسندوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے - یہانتک کہ بوسٹن کا محاصرہ کر لیا گیا اور جنرل گیگ کو مع اپنی فوج کے قلعہ بند ہونا پڑا -

ان واقعات کو ابھی ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ آرنلڈ (Arnold) نے ٹکنڈروگا (Ticondroga) اور کراؤن پوائنٹ (Crown Point) کے قلعوں پر قبضہ کر لیا جس سے انتہا پسندوں کی ہمت اور زیادہ بلند ہو گئی -

کانگرس کا دوسرا اجلاس ۱۰ مئی کو فلاڈلفیا میں کانگرس کا اجلاس ہوا جس میں تمام نوآبادیوں کے نمائندے شامل تھے اور

غالباً دنیا کی تاریخ انقلاب میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی جماعت نے اس قدر کم قوت کے ساتھ اتنے مصائب کے مقابلہ میں حکومت قائم کرلی ہو۔ نہ اس کے پاس روپیہ تھا نہ انتظام، نہ کوئی باقاعدہ فوج تھی اور نہ کوئی اور ذریعۂ کامیابی تاہم اس نے ہمت کرکے یہ فیصلہ کرلیا کہ امریکہ ہمارا ہی ملک ہے اور ہمیں کو اسکا انتظام کرنا چاہیئے۔ "نان امپورٹیشن معاہدہ" پر اب بہت زیادہ سختی کے ساتھ عمل ہونے لگا اور اس شخص کو مجرم قرار دیا جانے لگا جو افسران برطانیہ کے لئے کوئی چیز مہیا کرے۔

چونکہ صورت حالات زیادہ نازک ہوگئی تھی اور جنگ کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا اس لئے جارج واشنگٹن (George Washington) کو جو جارجیا کا باشندہ تھا اس فوج کی سیادت سپرد کردی گئی جس نے بوسٹن کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ یہ واشنگٹن وہی تھا جس نے ۱۷۷۴ء میں اپنے ایک دوست کو لکھا تھا کہ حکومت مستعمرات کا ارادہ کبھی یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ خود مختار ہوجائے، لیکن اب اعلان خودمختاری میں نہایت نمایاں حصہ لے رہا تھا۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ دو سال کے اندر سیاسی خیالات میں کس قدر انقلاب پیدا ہوگیا تھا اور امریکہ کی نوآبادیاں حصولِ آزادی کے مدارج کس قدر سرعت کے ساتھ طے کر رہی تھیں۔

یہ بالکل واقعہ ہے کہ اس سے قبل امریکہ کی یہ نوآبادیاں اپنے کو انگلستان کا ایک جزو سمجھتی تھیں اور وہاں کے باشندے نہایت فخر کے ساتھ اپنے تئیں حکومت انگلستان سے وابستہ ہونا ظاہر کرتے تھے، لیکن وزارت لندن کے متمرد اور سرکش افراد نے اس کو گوارا نہیں کیا کہ امریکہ کی نوآبادیاں اپنے جائز حقوق استعمال کرتی رہیں اور ان کے اقتصادی و سیاسی مسائل کو منصفانہ نگاہ سے دیکھا جائے۔ آخرکار یہ رنجش بڑھتی رہی حتیٰ کہ جب صبر و ضبط کا یارا نہ رہا تو اہل امریکہ نے بھی وہی کیا جو آخر میں ایک مغلوب و محکوم قوم، جابر و ظالم حکومت سے تنگ آکر کیا کرتی ہے۔

باقاعدہ جنگ کی ابتدا ٹکنڈروگا اور کراون پوائنٹ مفتوح ہونے کے بعد (جس کا ذکر ابھی ہوچکا ہے) آرنلڈ، نومبر ۱۷۷۵ء میں کوئبک (Quebec) پہونچا اور یکم دسمبر کو منٹگمری (Montgomery) کچھ آدمیوں کو لے کر اس سے مل گیا۔ یہ ساری فوج نو سو تھی، جس کے بھروسے پر منٹگمری نے شہر کا محاصرہ کیا۔ اس کے پاس ذخائر حرب و سامان رسد کم تھا، علاوہ اس کے بیماری بھی فوج میں پھیل گئی تھی، لیکن منٹگمری نے اسی حال میں تین ہفتہ تک محاصرہ جاری رکھا۔ اب اس کے لئے صرف تین صورتیں تھیں یا تو وہ ہتھیار ڈالدے یا واپس جائے یا حملہ کرے۔ پہلی دو صورتیں اس کی غیرت کے خلاف تھیں، اس لئے تیسری صورت پر فیصلہ کرکے ۳۱۔ دسمبر کو اس نے شہر پر حملہ کردیا اور اپنی تلوار کھینچکر سپاہیوں سے کہا کہ "اے نیویارک کے باشندو اپنے جنرل کے پیچھے پیچھے چلے آؤ" وہ سمجھتا تھا کہ شاید اس ناگہانی حملہ سے دشمن کو کچھ نقصان پہونچے گا، لیکن اس کا یہ خیال غلط نکلا کیونکہ دشمن ہوشیار تھے اور انھوں نے بندوق کی باڑھ سے اس کی پذیرائی کی۔ منٹگمری کے مارے جانے کے بعد ہرچند آرنلڈ نے بہت کوشش کی کہ سپاہی ہمت نہ ہاریں، لیکن کامیابی نہ ہوئی، ملی افواج کو پسپا ہونا پڑا اور اس طرح کناڈا برطانیہ کے قبضہ میں باقی رہگیا۔

جنگ کا پہلا سال جب بوسٹن فتح ہوگیا تو واشنگٹن نے اپنا صدر مقام نیویارک کو بنایا اور اسکو قلعہ بند کرنے کی تدابیر میں مصروف ہوگیا۔ جولائی میں نیویارک کی افواج کو خبر ملی کہ کانگرس نے اعلان آزادی کردیا ہے، چنانچہ بہت کچھ اظہار مسرت کیا گیا۔ تقریریں ہوئیں گھنٹیاں بجائی گئیں اور حکومت برطانیہ کے جھنڈے پامال کئے گئے۔ یہاں جارج ثالث کا ایک مجسمہ سیسے کا نصب تھا، سپاہیوں نے اس کی گردن کاٹ کر گورنر کے مکان پر پہونچادی، اور باقی حصہ لچ فیلڈ (Litch-field) بھیجدیا گیا جہاں خواتین حریت نے اس کو گلاکر چوبیس ہزار گولیاں تیار کیں۔

اب جنگ کو ایک سال کا زمانہ گزر گیا تھا اور اہل امریکہ اپنی غیر متوقع کامیابی پر بہت مسرور تھے، لیکن بعد کو انھیں معلوم ہوا کہ انگلستان آسانی کے ساتھ ان نوآبادیوں کو نہ چھوڑ سکتا تھا اور وہ اپنی پوری قوت صرف کرنے کی طیاریاں کر رہا تھا۔

حکومت کی طیاریاں دریائے پوٹومک (Potomac) کے شمال میں مستعمرات کی آبادی کا بڑا حصہ واقع تھا اس لئے برطانوی افواج کے کمانڈر نے یہ تدبیر سوچی کہ اُدھر سے نیویارک پر حملہ کیا جائے اور ادھر کناڈا سے چل کر یہاں کا جنرل ملجائے، اس طرح یہ سارا قطعہ الگ ہوجائیگا اور پھر جنوبی حصہ کا مفتوح کرنا دشوار نہ رہے گا۔

اگست میں جنرل ہو (Howe) ۲۴ ہزار فوج لیکر آگیا اور اس سے کلنٹن (Clinton) کی ہزیمت خوردہ فوج بھی آکر مل گئی۔ اس کے بعد اور کمک پہونچی حتی کہ کل فوج ۵۵ ہزار ہوگئی۔

برطانیہ کا فریب جنرل ہو نے واشنگٹن کو ایک تحریر بھیجی جس میں ہتھیار ڈال دینے والوں کے لئے ایک معافی نامہ بھی ملفوف تھا۔ واشنگٹن نے کہا کہ میں دشمنان ملک کی طرف سے کسی تحریر پر اعتبار کرنے کا عادی نہیں ہوں، جنرل ہو نے مکرر ایک تحریر روانہ کی جس کو اس نے بغیر پڑھے ہوئے واپس کردیا۔ کانگرس نے حکم دیا کہ برطانیہ کا معافی نامہ تمام اخباروں میں شائع کیا جائے تاکہ ہر شخص کو معلوم ہوجائے کہ حکومت برطانیہ کس قدر مکاری سے کام لے رہا ہے۔

واشنگٹن کی ناکامیابیاں جنرل ہو کے مقابلہ میں امریکہ کی قومی فوج صرف گیارہ ہزار تھی، جس میں سے دو ہزار کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہ تھا، لیکن قومی کمانڈر شکستہ دل نہیں ہوا تھا اس نے نو ہزار آدمی فوراً بروک لین کی طرف روانہ کئے تاکہ برطانوی افواج کی پیشقدمی کو روکیں۔ لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی اور ۲۷ اگست کو ایک سخت شکست کے بعد واشنگٹن نے اپنا مرکز ہٹاکر ہارلم (Haarlem) کی بلندی پر قائم کیا، لیکن یہ تدبیر بھی سودمند ثابت نہ ہوئی اور افواج برطانیہ نیویارک میں داخل ہوگئیں، اس طرف جب واشنگٹن کو معلوم ہوا کہ جنرل ہو، نیوجرسی (New Jersey) کی طرف جارہا ہے تو اس نے جلدی جلدی ہڈسن کو عبور کیا اور جنرل گرین سے قلعہ لی (Lee) میں مل گیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس وقت افواج امریکہ کی قسمت خراب تھی اور ہر جگہ ناکامیابی ہورہی تھی چنانچہ پے در پے متعدد مقامات ہاتھ سے نکل گئے اور واشنگٹن کو دریائے ڈلاور (Delaware) عبور کرنا پڑا کیونکہ اب یہی ایک دریا دشمن افواج کے راستہ میں حائل ہوسکتا تھا۔

ہر چند واشنگٹن ان ہزیمتوں سے پریشان تھا اور اہل امریکہ بھی سخت بددل ہوگئے تھے لیکن واشنگٹن کو بدستور اپنی جگہ پر قائم

رکھا گیا اور اُسے کامل اختیارات جنگ کے متعلق دیدیئے گئے۔

چونکہ گزشتہ تجربات نے اُسے بہت مایوس کردیا تھا اس لئے وہ اس فکر میں تھا کہ آخری مرتبہ ایک کوشش اور کرے اور اپنی جان دیدے۔ اس وقت جنرل لی بھی اپنی فوج لیکر آگیا تھا اور اس طرح واشنگٹن کے پاس کل چار ہزار فوج تھی، اس نے خیال کیا کہ دریائے ڈیلوار کو عبور کرکے دفعۃً ٹرینٹن پر حملہ کرنا چاہیئے۔ (جہاں برطانوی قبضہ ہوچکا تھا) اور رہل (Rahl) یہاں کا کمانڈر تھا چنانچہ اس کے لئے اُس نے ۲۴۔ دسمبر کی رات تجویز کی۔

واشنگٹن کی کامیابی واشنگٹن کا خیال تھا کہ نصف شب تک اس کی فوج دریا سے عبور کرسکے گی، لیکن اسکا خیال غلط نکلا اور صبح چار بجے تک وہ بمشکل اس مرحلہ کو طے کرسکا ۸ بجے صبح کو اس نے حملہ کیا اس حال میں کہ کرنل رہل اور اس کی فوج مصروف استراحت تھی۔ اس جنگ میں کرنل رہل مارا گیا اور ایک ہزار قیدی، ۶ توپیں اور چار جھنڈے واشنگٹن کے قبضے میں آئے۔ اس غیر متوقع کامیابی سے اہل امریکہ کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور واشنگٹن نے پرنسٹن (Princeton) پر حملہ کرکے یہاں بھی کامیابی حاصل کی اور دشمن کا توپ خانہ اس کے قبضہ میں آگیا۔

برطانیہ کی کمک اور اہل امریکہ کی بددلی مئی میں جنرل برگوائن (Burgoyne) کناڈا سے کیوبک آیا اور بہت بڑی فوج اپنے ساتھ لایا تاکہ اہل امریکہ سے انتقام لے، (اس وقت یورپ سے اور کمک بھی آگئی تھی) اب جنرل برگوائن کے پاس آٹھ ہزار مرتب فوج تھی، یہ پہلے کراؤن پوائنٹ کی طرف بڑھا جو بغیر مدافعت کے فتح ہوگیا۔ اور پھر یہاں سے چل کر ٹکنڈروگا کو بھی فتح کرلیا۔ اس شکست سے اہل امریکہ کو بہت افسوس ہوا کیونکہ ان کی سو توپیں اور بہت سا ذخیرۂ حرب بھی قلعہ کے ساتھ ہات سے نکل گیا تھا، اس کے بعد قلعہ این (Anne) بھی اس کے قبضہ میں آگیا۔ جب ان واقعات کی خبر شائع ہوئی تو ملک میں بہت اضطراب پھیلا اور کانگرس میں سخت مباحثہ ہوا، حتیٰ کہ جان آڈمس نے یہ بھی کہدیا کہ جب تک ہم اپنے کسی جنرل کا کورٹ مارشل نہ کریں گے اس وقت تک کامیابی نہیں ہوسکتی۔

رد عمل اس وقت شویلر (Schuyler) امریکن افواج کا جنرل تھا اس نے اس طعن وتشنیع کی پرواہ نہیں کی اور برگوائن سے آخری مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا، اس نے دیکھا کہ اب سوائے اس کے کوئی تدبیر نہیں ہے کہ دریائے ہڈسن کو جو دشمن کے سامنے حائل ہے ناقابل عبور کردیا جائے۔ چنانچہ بہت سے پل اس نے توڑدئیے اور جنگل کے تمام درخت کاٹ کاٹ کر اسے دشوار گزار بنادیا جنرل برگوائن بڑھا، لیکن اس قدر دقت وتعویق کے ساتھ کہ امریکن افواج کو اپنی حالت درست کرنیکا کافی موقع مل گیا۔

جب برگوائن دریائے ہڈسن کے ساحل پر پہونچا تو اُسے معلوم ہوا کہ سامان رسد بہت کم رہ گیا ہے، یہ اسی فکر میں مبتلا تھا کہ ایک شخص نے اطلاع دی کہ بننگٹن (Bennington) میں امریکن افواج نے کافی سامان رسد فراہم کیا ہے جو زیادہ محفوظ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ جنرل نے ایک افسر بام (Baum) کو تقریباً ایک ہزار سپاہیوں کی جمعیت لے کر اس طرف روانہ کیا۔ یہاں ایک امریکن افسر اسٹارک (Stark) حفاظت کے لئے متعین تھا۔ اس نے بام کو سخت شکست دی۔ اس

کامیابی کا اثر نہایت اچھا ہوا، چاروں طرف سے رعایا جمع ہونے لگی اور برطانوی افواج کے مظالم کا انتقام لینے کے لئے ہر شخص آمادہ ہو گیا۔ اب جنرل شویلر نے برگوائن کو مغلوب کرنے کا عزم کر لیا ہے۔ لیکن اسی وقت کانگرس نے جنرل گیٹس (Gates) کو متعین کیا۔ ہر چند جنرل شویلر کے لئے یہ وقت نہایت سخت تھا کہ جب وہ ساری تیاری کر چکا تو معزول کر دیا گیا، لیکن اس نے کچھ پرواہ نہیں کی اور معزول ہونے کے بعد بھی وہ گیٹس کی مدد کرتا رہا۔

افواج برطانیہ کی شکست اور فرانس کی طرفداری اہل امریکہ سے

اس میں شک نہیں کہ جنرل برگوائن نہایت ہمت کے ساتھ لڑا اور امریکن افواج کو سخت مشکلات کا سامنا ہوا، لیکن رسد نہ ہونے اور کمک وقت پر نہ پہونچنے کی وجہ سے آخر کار متعدد بار جنگ کرنے کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دئے، اس کامیابی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فروری ۱۷۷۸ء میں فرانس نے اہل امریکہ کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا اور برطانوی پارلیمنٹ نے بھی وعدہ کیا کہ اب ان پر کوئی ٹیکس عائد نہیں کیا جائیگا، بشرطیکہ وہ ہتھیار ڈال دیں، لیکن یہاں تو آزادی کی ہوا سر میں سمائی ہوئی تھی وہ کیونکر اس کو منظور کر سکتے تھے۔

فرانس و برطانیہ کی مخالفت

چونکہ فرانس نے امریکہ کی آزادی کو تسلیم کر لیا تھا اور برطانیہ تسلیم نہ کرتی تھی، اس لئے برطانیہ نے فرانس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور لوئی شانزدہم نے فوراً ایک جنگی جہاز اہل امریکہ کی مدد کے لئے روانہ کیا۔

اس وقت تک جنگ کو جاری ہوئے تین سال کا زمانہ گزر گیا تھا اور صرف نیویارک، فلاڈلفیا، نیوپورٹ اور دریائے ہڈسن و ڈیلاویر کے ساحل زیریں پر ان کا قبضہ تھا باقی حصہ مغلوب نہ ہوا تھا۔

برطانوی افواج کی کامیابیاں

مئی میں بجائے جنرل ہو کے سر ہنری کلنٹن (Henry Clinton) انگلستان سے مامور ہو کر آیا، اس نے چاہا کہ فرانسیسیوں کے پہونچنے سے قبل ہی اپنی افواج کو ایک مرکز پر لے آئے چنانچہ ۱۸- جون کو اس نے فلاڈلفیا خالی کر دیا اور نیویارک چلا گیا۔ یہ نیویارک پہونچا ہی تھا کہ فرانسیسی جہاز چار ہزار فوج لیکر آ گیا، ہر چند فرانس کی یہ مدد بر محل تھی اور اہل امریکہ کو اس سے بہت تقویت پہونچی، لیکن برطانوی افواج کی کامیابیاں بڑھتی جا رہی تھیں، یہاں تک کہ ۱۷۸۰ء کے آخر تک تمام جارجیا کا حصہ برطانیہ کے قبضہ میں چلا گیا۔ اور باوجود اس کے کہ اب ہسپانیہ بھی امریکہ کا طرفدار ہو گیا تھا اہل امریکہ کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی اور جنرل واشنگٹن بدستور ناکامیاب رہا۔

اہل امریکہ کی کامیابی

۲- دسمبر کو جنرل گیٹس کے بجائے جنرل گرین متعین ہوا اور اس نے کیرولناس پہونچکر معلوم کیا کہ یہاں کی حالت بہت خراب ہے، صرف دو ہزار سپاہی موجود ہیں اور تین دن سے زائد عرصہ کے لئے سامان رسد نہیں ہے، اس لئے اس نے سب سے پہلے رسد کا انتظام اور پھر ۵۰۰ سپاہی دریائے سانتی (Santee) کی طرف روانہ کئے جنھوں نے دشمن کے ۸۰۰ آدمیوں کو گرفتار کیا اور بہت سا ذخیرۂ حرب بھی ہاتھ آیا۔ یہ ٹارلٹن (Tarleton) کی پہلی شکست تھی جس سے اس کے اقتدار کو سخت صدمہ پہونچا۔ اس کے بعد گرین اور مارگن (Morgan) دریائے یاڈکن (Yadkin) کی طرف سے بڑھتے ورجینیا کے راستے میں ملتا ہے۔ جنرل کارنوالس نے ان کا تعاقب کیا۔ لیکن دریا میں مد پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہوا اس کے بعد برطانوی

افواج کا مرکز اعظم یارک ٹاؤن (Yorktown) قرار پایا اور واشنگٹن نے اپنی توجہ اسی طرف مبذول کردی، چنانچہ عین اسوقت جبکہ کارنوالس کلنٹن کا انتظار کر رہا تھا۔ واشنگٹن نے فرانسیسی افواج کے ساتھ اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت اس فوج کی تعداد ۱۶ ہزار تھی اور تمام ضروری سامان حرب اور رسد سے آراستہ تھی، چونکہ اب کارنوالس کی فتح و شکست پر اس تمام انقلاب کا انحصار تھا اس لئے اس نے بھی ارادہ کر لیا کہ آخر وقت تک ہمت نہ ہارے گا۔ لیکن فطرت کا مقصود یہ نہیں تھا اور وہ کچھ اسباب اور پیدا کر رہی تھی۔

امریکہ کی آخری فتح اور آزادی

جب واشنگٹن نے محاصرہ کی تکمیل کر لی تو شہر پناہ پر گولہ باری شروع کی اور ۱۴۔ اکتوبر ۱۷۸۱ء کو دو برجوں پر قبضہ کر لیا چونکہ کارنوالس اپنی کامیابی کی طرف سے مایوس ہو چلا تھا اس لئے اس نے چاہا کہ رات کے وقت دریا کو عبور کر کے بھاگ جائے، مگر عین اسوقت جبکہ وہ دریا سے گزر رہا تھا سخت آندھی اٹھی اور بہت سی کشتیاں غرق ہو گئیں، آخر کار مجبور ہو کر ۲۵۔ اکتوبر کو برطانوی افواج نے ہتھیار ڈال دئے اس خبر سے امریکہ میں نعرہ ہائے مسرت بلند ہوئے اور ہر جگہ چراغاں کیا گیا۔ برخلاف اس کے انگلستان کی وزارت کو اس قدر صدمہ پہونچا کہ لارڈ نارتھ وزیر نے استعفا دیدیا کہ اُسے شرائط صلح طے نہ کرنے پڑیں۔ اس کے بعد لارڈ شل برن (Shelburne) وزیر ہوا، اس نے بہت کوشش کی کہ فرانسیسیوں سے علحدہ ہو کر امریکہ سے جداگانہ صلح کرلے، لیکن اہل امریکہ نے اسے منظور نہیں کیا۔ آخر کار ۳۔ ستمبر ۱۷۸۳ء کو ۶ سال کی جنگ کے بعد ورسلیس (Versailles) میں صلح نامہ مرتب ہوا جس کی رو سے امریکہ بالکل آزاد ہو گیا۔

نیاز

غزل

خوشی سے رنج کا بدلہ یہاں نہیں ملتا — وہ مل گئے تو مجھے آسماں نہیں ملتا

ہزار ڈھونڈھئے اسکا نشاں نہیں ملتا — جبیں ملے تو ملے آستاں نہیں ملتا

مجاز اور حقیقت کچھ اور ہے، یعنی — تری نگاہ سے تیرا بیاں نہیں ملتا

بھڑک کے شعلۂ گل تو ہی اب لگا دے آگ — کہ بجلیوں کو مرا آشیاں نہیں ملتا

وہ بدگماں کہ مجھے تاب رنج زیست نہیں — مجھے یہ غم کہ غم جاوداں نہیں ملتا

تری تلاش کا فی الجملہ ماحصل یہ ہے — کہ تو یہاں نہیں ملتا وہاں نہیں ملتا

بتا اب اے جرس دور میں کدھر جاؤں — نشانِ گردِ رہِ کارواں نہیں ملتا

تجھے خبر ہے ترے تیر بے پناہ کی خیر — بہت دنوں سے دلِ ناتواں نہیں ملتا

دیارِ عمر میں اب قحط مہر ہے فانی — کوئی اجل کے سوا مہرباں نہیں ملتا

(شوکت علیخاں فانی)

ناسزا جوانی

خوشا، وہ دن کہ شادابی تھی دلمیں جب لڑکپن کی
کیا کرتا تھا وہ بھی سیر میرے ساتھ گلشن کی

گھٹا گھر کر جب آتی تھی، میں اس کے گیت سنتا تھا
چمن میں گوندھتا تھا ہار میں، وہ پھول چنتا تھا

ہم اکثر جھیل میں جسوقت چوپائے اترتے تھے
گھنے پیڑوں کے ٹھنڈے سایہ میں آرام کرتے تھے

صدائیں دلفریب آتی تھیں چڑیوں کے بسیرے سے
نکلجاتے تھے ہم گلگشت کرنے منھ اندھیرے سے

نہایت لطف آتا تھا خنک جاڑوں کی راتوں میں
انگیٹھی کے کنارے صبح ہوجاتی تھی باتوں میں

وہ ہنستا تھا، ہوا میں دوڑتی تھی روح نرمی کی
وہ سناٹا، وہ ٹھنڈی چاندنی، راتیں وہ گرمی کی

گلوں پر ناز سے وہ جھومتا چلتا تھا کیاری میں
کہ جھولا جھولتا تھا سایۂ ابر بہاری میں

زمیں سے چاند جب آہستہ آہستہ نکلتا تھا
مرے شانہ پہ رکھکر ہات وہ پہروں ٹہلتا تھا

ہوائے سرد کے جھونکے ہمیں بیخود بناتے تھے
فرشتوں کی طرح شفاف چشموں پر نہاتے تھے

خوشی کا دور تھا، سرشار تھے جام تلطف سے
جھجک سے بے خبر، آزاد تھے قید تکلف سے

نہ دن کو دل دھڑکتا تھا، نہ شب کو آنکھ روتی تھی
محبت تھی مگر دونوں کو اس کی حس نہ ہوتی تھی

کسے معلوم تھا اک روز ہوگی سرگرانی بھی
دبے پاؤں چلی آتی ہے تیزی سے جوانی بھی

زمیں ہلتی رہی، ذرات میں ہوتی رہی گردش
نہ جانے کس طرح جذبات میں ہوتی رہی گردش

بھرے ظالم کے شانے کشتئ طفلی کے کھینے سے
کلی کھلتی گئی بالیدگی کی سانس لینے سے

جلا پردے ہی پردے میں ہوئی زلف پریشاں پر
زمرد کے ورق چڑھتے رہے رخسار تاباں پر

لبوں کو پرتو انوار سے دھوتی رہی بجلی
نظر میں اس کی رفتہ رفتہ حل ہوتی رہی بجلی

تغیر یہ ہوا کچھ اس طرح خاموش سرعت سے
کہ جب پردے ہٹے آنکھوں نے دیکھا سخت حیرت سے

اک آنسو تھا سر مژگاں کہ بچپن کا زمانہ تھا
تبسم برق کا تھا، خواب کی لے کا ترانہ تھا

نقاب الٹی ہوئی ہے، رونق محفل کا جلوہ ہے
نظر اب جو اٹھی، دیکھا کہ اک قاتل کا جلوہ ہے

چٹانیں بہ رہی ہیں، سینۂ آہن میں نرمی ہے
مرے سینہ کے ہر گوشہ سے شور الاماں اُٹھا
سکت جاتی رہی اعضاء سے سر چکرا گیا میرا
بڑھا وہ سوزِ غم ہونٹوں پہ گویا کھنچ گئے دم آیا
نظر آیا کوئی شمعیں لئے پہلے تو آنسو میں
حریمِ دل کی میری چشمِ گریاں نے زیارت کی
تپش نے حسن کی، اُف ہڈیوں تک کو گلا ڈالا

برابر عرش سے تا فرش ہر ذرہ میں گرمی ہے
جگر میں آگ بھڑکی اور رگ رگ سے دھواں اُٹھا
وہ دل میں درد اُٹھا، ہر رونگٹا تھرا گیا میرا
معاً آنکھوں میں اشکِ اولینِ سوزِ غم آیا
یکایک کھل گیا پھر ایک دروازہ سا پہلو میں
نظر آئی مجھے ہنستی ہوئی دیوی محبت کی
زباں سے یہ مرے بیساختہ نکلا "جلا ڈالا"

یہ سنتے ہی جبینِ حسن پر پہلی شکن آئی
یکایک دل میں پارہ عشق کا چڑھتے ہوئے دیکھا
کہا کچھ زیرِ لب زلفیں ہٹا کر روئے تاباں سے
کلی ننھے سے دل کی، غم سے کمہلانے لگی گویا
"جو چھیڑو گے تو رو دیں گے" ادائیں یہ پکار اٹھیں
بچا کر آنکھ دیکھا اس نے میری غیر حالت کو
نظر میں آ گئے ارمان سارے کھنچ کے سینے سے
بڑھی نازک دماغی، سادہ لوحی میں کمی آئی
حیا کی شمع جل اٹھی، حریمِ دلربائی میں
گلے پر ہمدمِ طفلی کے تیغِ خوں فشاں پھیری

جلو میں سیکڑوں جلوے لئے تازہ دلہن آئی
جب اس نے حد سے میرے درد کو بڑھتے ہوئے دیکھا
مہک دوشیزگی کی آئی ہونٹوں کے گلستاں سے
جماہی کی طرح لی سانس، نیند آنے لگی گویا
تنفس میں خلل آیا، نگاہیں بار بار اُٹھیں
ادا سے پھیر کر پلکوں سے انگشتِ شہادت کو
گلابی ہو گیا کچھ اور بھی چہرہ پسینے سے
جبیں پر خط پڑے رنگین آنکھوں میں نمی آئی
گھمایا سر جھکا کر دیر تک کنگن کلائی میں
ذرا سا مسکرا کر سرخ ہونٹوں پر زباں پھیری

طرب کی روح تھی جو، موت ہے اب شادمانی کی
ہزاروں بند قائم ہو گئے ذخار دریا میں

مری طفلی کی جنت بن گئی دوزخ جوانی کی
حدیں کھنچ گئیں راحت کی لامحدود دنیا میں

بیاں اے جوشؔ ہو گا حشر میں سوزِ نہانی کا
ہمارا ہات ہو گا اور گریباں نوجوانی کا

جوشؔ (ملیح آبادی)

غزل

مابہ بر داریم دائم سازِ عشرت خانہا
از حضورِ وحشتِ دل میچکد ویرانہا

گریۂ بے اختیارِ من بہ بزمش ایں چہ کرد
نامدہ بر لب شود رازِ دلم افسانہا

ہاں، بکن دل را خراب و ہوش را بر بادہ دہ
اے کہ چشمِ مست تو تکلیفِ صد میخانہا

ایں نہ دانم بعدِ من چوں شد پریشاں زلفِ او
او، کہ بر دوشِ عدو افشاندہ ماتم خانہا

آرزوے لطف از اہلِ وطن داری نیاز
کے مگسہا شد حریفِ سوزشِ پروانہا

اے کہ با چشمانِ مستت ساحری فن آمدی
فرصتت بادا کہ دل را ہوش افگن آمدی

ہاں دلم برہم شکن اما نہ آساں ایں چنیں
اے کہ قلبِ مستمنداں را شکستن آمدی

اے دلِ گریہ طلب آزارِ چشم تا کجا
تو کہ مژگاں را ز خونِ ناب بستن آمدی

کاوشِ بے صرفہ ام تا چند با دل اے بہار
اے کہ تو گل را طراز چاکِ دامن آمدی

من کہ بندم صد تمنایم بہ ہر فردائے تو
تو کہ ہر فردا ز عہدِ خود گسستن آمدی

احترازت شد فزوں چندانکہ شد نشو شباب
تیرہ بختے آمدی چندانکہ روشن آمدی

از چہ رنجی اے نیاز از بے نیازیہاے دوست
تو نیاز ستی و اینجا بس شکستن آمدی

حرکت کے کرشمے کائنات میں

عام خیال ہے کہ علوم جدیدہ لوگوں میں الحاد ولا اُدریت کے خیالات پیدا کرتے ہیں لیکن میرے نزدیک ایسا سمجھنا بالکل ایسا ہے جیسے خدا کا انکار کر دینا، صرف اس دلیل کی بنا پر کہ وہ ہمیں نظر نہیں آتا۔

ایک معمولی آدمی دیکھنے کے معنی صرف یہ لیتا ہے کہ کوئی چیز مجسم حالت میں اسکی آنکھوں کے سامنے آجائے لیکن ایک صاحب علم و ہوش جانتا ہے کہ چھونا، سونگھنا، چکھنا، سننا اور اس سے زیادہ صرف کسی بات کو سمجھ لینا بھی دیکھنا ہی ہے، کیونکہ دیکھنا اپنے زیادہ وسیع معنی میں نام ہے اس ادراک کا جو نفس (mind) کے ذریعہ سے ہمیں حاصل ہوتا ہے، اس لئے اگر ایک ہیئت داں یہ کہتا ہے کہ میں حرکت اجرام کو دیکھتا ہوں، اگر ایک ماہر کہربائیت دعوی کرتا ہے کہ تموجات برق مجھے نظر آتے ہیں، اگر ایک عالم کیمیا مدعی ہے کہ پانی کے تمام اجزاء اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں اور اگر ایک ماہر طبعیات کہتا ہے کہ وہ کائنات اور کائنات کے ذرہ ذرہ کو گردش میں دیکھتا ہے تو آپ اس وجہ سے انکار نہ کیجئے کہ آپ اس کے دیکھنے سے عاری ہیں بلکہ اس کو تسلیم کیجئے یہ سمجھ کر کہ خدا کی قدرت کے مظاہر و آثار غیر متناہی ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ موجودات کے اندر کس کس رنگ کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

زمانۂ قدیم میں زمین کو مسطح اور چپٹی جانکر آسمان کو ایک گردش کرنے والے سرپوش کی طرح سمجھتے تھے جس میں سورج جڑا ہوا تھا اور خدا کی قدرت کی یہ نشانی نہایت عجیب و غریب سمجھی جاتی تھی، لیکن اگر علوم جدیدہ کا ماہر کہتا ہے کہ خدا کی دنیا اس قدر وسیع ہے کہ اگر یہ تمام نظر آنے والے ستارے، سورج، چاند، زمین، ایک دم فنا ہو جائیں، تو موجودات عالم کو اتنا بھی نقصان نہیں ہو سکتا، جتنا سمندر کو ایک قطرے کے ضائع ہونے سے ہو سکتا ہے، اگر ایک ہیئت داں تم کو بتاتا ہے کہ زمین کے ساتھ اور بھی اتنے بڑے بڑے کُرے ہیں کہ سینکڑوں زمینیں اُن میں سما جائیں۔ آفتاب کے گرد ہزاروں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہے ہیں اور پھر سورج بھی اپنے نظام شمسی کے ساتھ کسی اور کُرہ کا طواف ۲۰۰ ہزار سال میں کر لیتا ہے، تو کیا تمھارے لئے اس بیان میں خدا کی قدرت کی اور زیادہ کھلی ہوئی عجیب و غریب نشانیاں نہیں ہیں؟

ایک ڈاکٹر بیان کرتا ہے کہ پانی کے اس چھوٹے سے قطرہ میں جو سوئی کی نوک پر ٹھہر رہا ہے کروروں جاندار کیڑے موجود ہیں، تم اسے سُنکر ہنستے ہو، شاید اس وجہ سے کہ خدا ایسا کرنے پر قادر نہیں ہے،

دوسرا عالم دعوی کرتا ہے کہ دنیا کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی ان لاکھوں ذروں سے مرکب ہے جو ہر وقت گردش کرتے رہتے ہیں تو تم یقین نہیں کرتے غالباً اس لئے کہ خدا کی قدرت کو تم اس قدر وسیع خیال نہیں کرتے،

لیکن یاد رکھو کہ انسانی افکار جس قدر ترقی کرتے جائیں گے، اسی قدر زیادہ ہم کو مظاہر قدرت و مناظر فطرت کا وقوف ہوتا جائیگا اور جس قدر ہم اُن کے حالات سے زیادہ آگاہ ہوں گے۔ اسی نسبت سے ہم کو خدا کی قدرت کا زیادہ یقین ہوتا جائیگا۔

یہی وہ خیال تھا جس کی بنا پر ہم نے مسائل ہیئت کے متعلق نگار میں مختلف مضامین شائع کیے (اور کرتے رہیں گے) تاکہ لوگوں کے افکار میں زیادہ وسعت پیدا ہو اور وہ سمجھ سکیں کہ خالق و مخلوق کے درمیان جو رشتہ قائم ہے وہ کس حد تک استوار ہے اور ہماری ہستی کائنات عالم میں کیا ہے؟

پھر جس طرح علم ہیئت اس لحاظ سے حد درجہ دلچسپ علم ہے اسی طرح طبیعیات، علم الکیمیا بھی ہیں اور آج کی صحبت میں ہم تمہیں حرکت کے کرشمے بتاتے ہیں کہ وہ کس حد تک نظام کائنات پر موثر ہیں اور مخلوقات عالم باہدگر کس قدر ایک دوسرے سے وابستہ ہیں

انگریزی میں متعدد کتابیں ان فنون پر موجود ہیں لیکن اردو (جس میں آج تک وضع اصطلاحات ہی کی بحث ختم نہیں ہوئی) ایسے مضامین سے یکسر محروم ہے، درانحالیکہ اصل مقصود تو مضامین کا لکھنا ہے، جن سے خود اصطلاحات قائم ہو سکتے ہیں (دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جسمیں پہلے اصطلاحات وضع کر لی گئی ہوں)

اس سلسلہ مضامین کو جو نقولا حداد مشہور عالم طبیعیات کے افکار سے ماخوذ ہے زیادہ دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ ایسے خشک علمی مضامین پڑھنے کا ذوق لوگوں میں عام ہو جائے۔

قوانین حرکت

ہم دیکھتے ہیں کہ بندر انسان کی نقل کرتا ہے، بچہ والدین کی تقلید کرتا ہے، وضع و لباس تقلید ہی کی قوت سے لوگوں میں سمندر کی موج کی طرح پھیل جاتا ہے، موسیقی جاننے والے جانتے ہیں کہ اگر ستار کے ایک تار کو حرکت دی جائے تو اس کے قریب کے تار سے بھی وہی آواز نکلے گی جو پہلے تار سے نکلتی ہے۔

بعض افراد کے درمیان الفت اور انس ہوتا ہے اور بعض کے درمیان نفرت و عداوت، علم وظائف الاعضاء (Physiology) کے ماہرین کہتے ہیں کہ ہم آواز اس لیے سنتے ہیں کہ آواز پیدا کرنے والے جسم کے اہتزازات (vibrations) ہوا میں امواج صوتی پیدا کرتے ہیں، یہ موجیں حرکت کرتی ہوئی کان کے پردہ سے ٹکراتی ہیں اور اس سے اعصاب سماعت متاثر ہو کر دماغ کو مطلع کرتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ فوجی باجہ سے سپاہیوں کے قدم باقاعدہ پڑتے ہیں، کائنات میں لاکھوں قسم کی مادی، حیوانی، عقلی اور اجتماعی حرکات ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ مختلف صورتیں اختیار کرتی ہوئی منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حرکت کے کرشمے خاص روابط اور علائق کے تحت میں نمودار ہوتے ہیں، اور ان روابط اور علائق کی بنا چند غیر متبدل طبعی اصول پر ہے، ان ہی اصول و قوانین کا دریافت کرنا ہمارے مضمون کا موضوع اصلی ہے، لیکن اس بحث کو شروع کرنے سے پہلے حرکت طبعی کے چند قوانین کا بیان کر دینا ضروری ہے

حرکت کیا چیز ہے؟ ایک خاص مدت اور خاص مسافت میں کسی قوت کا کسی مادہ پر اثر کرنا حرکت کہلاتا ہے۔ تم نے پتھر پھینکا، پتھر مادہ ہے جس کو ہاتھ کی قوت نے پھینکا اور اس نے چالیس فٹ مسافت دو ثانیہ میں قطع کی۔ گولہ کا توپ کے منہ سے نکلکر ایک مخصوص حد تک

پہونچنا حرکت ہے ۔ جاذبیت ارض کی وجہ سے پانی کا بہنا حرکت ہے ۔ عضلات کی قوت سے انسان کا چلنا حرکت ہے ۔ ہنسنا حرکت ہے، کلام حرکت ہے، فکر حرکت ہے وغیرہ وغیرہ ۔

انتقال حرکت اگر ایک ہموار سطح پر ایک کرہ پڑا ہو اور ایک دوسرے کرے کو اس کی طرف لڑھکائیں، تو وہ حرکت کرتا ہوا اس سے متصادم ہوکر ساکن ہو جائیگا، اور کرۂ ساکن میں اس کی حرکت منتقل ہو جائے گی اور کرۂ اول کی حرکت میں جو جزو باقی رہ گیا تھا، اس کو یہ کرہ پورا کر کے ساکن ہو جائیگا ۔

گولہ جو توپ کے منہ سے نکلتا ہے خواہ وہ کتنا ہی دور جائے، مگر زمین پر ضرور گرے گا، کیونکہ جب بارود کی قوت دافعہ پر زمین کی جاذبہ غالب آجائے گی، تو وہ اسے زمین پر گرا دے گی، مگر اس کی حرکت، زمین پر گرنے سے ختم نہیں ہوگی، بلکہ دوسرے اجسام میں منتقل ہو جائیگی جس ہوا کو گولہ چیرتا ہوا آیا ہے، اس میں سخت تموج پیدا ہو جاتا ہے، جس سے قریب کے مکانات ہل جاتے ہیں کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ جاتے ہیں، اور اس تموج کا دائرہ وسیع ہوتے ہوتے فضا کو بھر دیتا ہے اور جب گولہ زمین پر گرتا ہے تو اس کی وجہ سے زمین ہلنے لگتی ہے اور زمین میں یہ اہتزازی حرکت پھیلتی ہوئی پورے کرۂ ارض پر محیط ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح ٹرام اور ریل کی حرکت بھی زمین، ہوا اور ایتھر میں تموج اور اہتزاز پیدا کرتی ہے ۔ لیکن اگر انتقال حرکت میں جانب مخالف سے کوئی دوسری حرکت منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، تو اگر دونوں، قوت وضعف میں برابر ہیں تو تصادم سے دونوں حرکتیں ختم ہو جائیں گی اور اگر ایک قوی اور دوسری ضعیف ہے تو قوی حرکت باقی رہے گی لیکن تصادم سے بقدر اس قوت کے ضعیف ہو جائے گی جو ضعیف حرکت میں پائی جاتی تھی ۔

تحول حرکت ٹرام میکانکی حرکت سے چلتی ہے، میکانکی حرکت، قوت برقی سے پیدا ہوتی ہے جو برقی تار کے ذریعہ سے ٹرام کے پہیوں تک پہونچتی ہے ۔ برقی قوت ڈینمو (Dynamo) کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے، ڈینمو کی حرکت بخار سے پیدا ہوتی ہے اور بخار حرارت سے پیدا ہوتا ہے اور حرارت ایندھن کے اشتعال سے، جس کی قوت مشتعلہ مادۂ نباتی کے دقائق میں پوشیدہ ہوتی ہے، اور یہ قوت اشتعالی ایتھر کے تموجات سے پیدا ہوتی ہے جن کا ظہور کرۂ شمسی کی حرارت سے ہوتا ہے ۔

لکھنا ایک عضلاتی اور عقلی حرکت ہے، عضلاتی حرکت ہاتھ کے اعصاب سے پیدا ہوتی ہے، اعصاب کی حرکت اس کیمیائی عمل کا نتیجہ ہے، جو اعصاب میں جاری رہتا ہے اور یہ عمل اس کیمیائی اور فزیالوجیکل عمل سے پیدا ہوتا ہے جو جسم اور حاصل غذا کے درمیان ہوتا رہتا ہے اور غذا اس کیمیائی عمل کا نتیجہ ہے جو ہماری نباتی خوراک پر حرارت شمسی کی وجہ سے ہوا ہے ۔ حرکت عقلی نتیجہ ہے مراکز دماغی اور مجموع عصبی کی حرکت کا اور یہ دونوں حرکتیں ایک کیمیائی اور فزیالوجیکل عمل سے پیدا ہوتی ہیں، جس کا سلسلہ بتفصیل مذکور آفتاب کی حرارت تک پہونچ جاتا ہے ۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ حرکت ایک جسم سے دوسرے جسم میں کبھی تو بالکل سادہ طریقہ سے منتقل ہو جاتی ہے اور دوسرے جسم میں پہونچکر اس کی نوعیت نہیں بدلتی اور کبھی ہر مرتبہ ایک نئے لباس میں نمودار ہوتی ہے ۔ حرارت، نور، مقناطیسیت اور میکانیکیت یہ سب مظاہر حرکت ہیں، پھر تحولِ حرکت کبھی بواسطہ ہوتا ہے اور کبھی بلاواسطہ ۔ ہاتھ کی حرکت سے چقماق میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے، برقی

روسے نور اور حرارت پیدا ہوتی ہے، حرکت کی تمام انواع پیدا کرنے کے لئے صرف زمین کی جاذبیت کافی ہے، مثلاً کسی آبشار پر ایک برقی مشین لگادی جائے تو ظاہر ہے کہ آبشار کا پانی جاذبیت زمین کی وجہ سے گرتا ہے، گرتا ہوا پانی اس مشین کو حرکت دیتا ہے اور اس تحریک سے برق، روشنی، حرارت اور میکانکی حرکات سب پیدا ہو سکتے ہیں۔

استمرار حرکت پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ سلسلۂ حرکات، حرارت شمس پر منتہی ہوتا ہے اور حرکت متحولہ کے حدود کی انتہا بھی ہمارے حدود ادراک سے خارج ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آفتاب میں یہ قوت کہاں سے آئی تمام کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی وجہ سے حرکت میں ہے اور ہر لمحہ میں لاکھوں تحولات حرکت ہوتے رہتے ہیں اور یہ حرکت کب ختم ہوگی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے حل کرنے سے عقول البشری بالکل قاصر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ عقل یہ ادراک کر سکتی ہے کہ حرکات دائمی اور مستمر ہیں اور اسکی ابتدا و انتہا بالکل مجہول ہیں۔

حرکت کا رخ ظاہر ہے کہ حرکت، قوت محرکہ سے متاثر ہو کر خط مستقیم اختیار کرتی ہے اور غیر متناہی حدود تک چلی جاتی ہے لیکن اگر ہم سے کہا جائے کہ واقعہ اس کے خلاف ہے تو ہم فوراً اس کا سبب تلاش کریں گے۔

اگر جہاز پر سے ایک توپ چلائی جائے تو ظاہر یہی ہے کہ گولہ خط مستقیم پر حرکت کرے گا، لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے گولہ ہمیشہ خط منحنی پر حرکت کرتا ہے اور جس قدر زیادہ مسافت طے کرتا ہے اسی قدر انحنار (Curvature) بڑھتا جاتا ہے کیونکہ زمین کی قوت جاذبہ گولہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے گولہ کی حرکت پر ایک اور چیز بھی اثر کرتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب گولہ توپ سے نکل کر ہوا کو چیرتا ہوا جاتا ہے، تو تصادم ہوا سے اس کی طاقت کمزور ہوتی جاتی ہے، اور جس قدر یہ طاقت کمزور ہوتی ہے اسی قدر زمین کی جاذبیت اس پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ لیکن یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ تصادم ہوا سے گولہ کی جتنی قوت ضائع ہوتی ہے وہ حقیقت میں ضائع نہیں ہوتی بلکہ گولہ سے ہوا میں منتقل ہو گئی کیونکہ گولہ اثنائے حرکت میں ہوا کو چیرتا اور اس میں تلاطم پیدا کرتا ہوا جاتا ہے۔

مذکورۂ بالا بیان سے ہم اس قاعدہ کو استنباط کر سکتے ہیں، جیسا کہ نیوٹن کہتا ہے:-

"ہر جسم کا دو حالتوں پر استمرار ضروری ہے، یا ساکن رہیگا یا غیر متغیر سرعت کے ساتھ خط مستقیم پر متحرک رہیگا، بشرطیکہ اسپر کوئی دوسری مخالف قوت اثر نہ کرے"

لیکن چونکہ صرف ایک قوت سے جسم کا متحرک ہونا محال ہے بلکہ وہ مختلف قوتوں سے اثر پذیر ہو کر حرکت کرتا ہے، اس لئے اختلاف محرکات سے سمت حرکت اور رفتار وغیرہ میں فرق پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا ہم کو سمت حرکت کا قانون اس طرح قائم کرنا چاہئے:-

۱- جب کوئی جسم، صرف قوائے جاذبہ سے متاثر ہو کر حرکت کرتا ہے، تو اس کی حرکت ٹھیک ان ہی خطوط پر ہوتی ہے جو قوت جاذبہ سے حاصل ہوتے ہیں، مثلاً زمین کی قوت جاذبہ اپنی سطح کے ہر طرف سے اجسام کو خطوط مستقیم پر جذب کرتی ہے، لہٰذا اگر کوئی جسم زمین پر گرے گا تو جب تک اس کی سمت حرکت کو کوئی دوسری قوت متغیر نہ کرے گی وہ ہمیشہ زمین کی قوت جاذبہ کے خطوط مستقیم پر حرکت کرتا ہوا زمین پر گرے گا۔

۲- جب کوئی جسم قوائے جاذبہ کے اثر سے متحرک ہوگا، تو اس کی سمت رفتار ان ہی خطوط پر ہوگی جو قوائے دافعہ سے پیدا

ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر بندوق کا منھ ٹھیک آسمان کی طرف کر کے گولی چلائی جائے تو وہ خط مستقیم پر صعود کرے گی، کیونکہ بارود کی قوت دافعہ نے خط مستقیم پر گولی کو دفع کیا ہے، اگرچہ اس صورت میں زمین کی قوت جاذبہ بھی گولی پر اثر کر رہی ہے مگر اس کی سمت رفتار کو نہیں بدل سکتی۔

۲۔ جب کوئی جسم قوائے جاذبہ اور دافعہ دونوں سے متحرک ہوگا تو اس کی سمت رفتار اس خط پر ہوگی جو دافعہ اور جاذبہ کے مشترک عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی توپ چلائی جائے تو اس کا گولہ خط مستقیم پر حرکت نہیں کرے گا بلکہ توپ کی دافعہ اور زمین کی جاذبہ قوت کے مشترکہ عمل سے منحنی خط پر متحرک ہوگا، جس کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہوا کا تصادم اور ہوا کی حرکت بھی سمت رفتار میں فرق ڈالتی ہے، جیسا کہ صحیح تخیل سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

اجرام سماوی کی سمت حرکت بھی مختلف قوتوں کا نتیجہ ہے، چنانچہ تمام اجرام، غیر متصل دوائر پر حرکت کرتے ہیں، جسکی تفصیل آئندہ بیان سے معلوم ہوگی۔

حرکت دوری حرکت کے مذکورہ قوانین کے علاوہ ایک اور مہتم بالشان قانون ہے جو مواد کی تحویل اور ان کی کیفیات بدلنے پر بڑا اثر رکھتا ہے، اور اس کو حرکت دوری کہتے ہیں۔

اس قسم کی حرکت تم کو جھکتی ہوئی شاخ، لہراتے ہوئے پھریرے، کپکپاتے ہوئے تار اور گھڑی کے رقاص (Pendulum) میں نظر آتی ہے۔

اس قسم کی حرکت کو ذہن نشین کرنے کے لئے ہم رقاص کی حرکت پر غور کرتے ہیں۔ اگر تم رقاص کو جبکہ وہ سکون کی حالت میں ہو پکڑ کر ایک طرف کھینچ کر چھوڑ دو تو وہ اپنی اصلی جگہ (یعنی زمین کے خط مرکزی) پر پہونچکر ساکن نہ ہوگا، بلکہ اس سے تجاوز کرتا ہوا تقریباً اتنا ہی دور پہونچ جائے گا، جتنا کہ تم نے اس کو اصلی جگہ سے علٰحدہ کیا تھا، اور پھر اسی طرح اپنی حرکت جاری رکھے گا جب تک وہ قوت جس نے اُسے ڈھکیلا تھا باقی ہے (مثلاً گھڑی کا رقاص جس کو ہر جدید حرکت میں پہیہ ڈھکیل دیتا ہے) لیکن اگر یہ دافعہ قوت نہ رہے تو آہستہ آہستہ پچھلے دور کی مسافت اگلے دور سے کم ہوتی جائیگی، یہانتک کہ وہ ساکن ہو جائے گا۔

اگر تم رقاص کے کپکپاتے ہوئے تار پر غور کرو تو وہ بھی رقاص کے اصول پر اہتزازی حرکت کرتا ہوا نظر آئیگا۔

اسی طرح جیب گھڑی کی بال کمانی بھی ان ہی اصول کے ماتحت سکڑتی اور پھیلتی رہتی ہے اور اسی طرح جب ہوا ایک دفعہ چل کر رک جاتی ہے یا مساوی سرعت سے اس کے متعدد جھونکے آتے ہیں، تو درختوں کی شاخوں میں لچک اور سمندر میں تموج پیدا ہو جاتا ہے

ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ حرکت دوری چاہے وہ کسی مادہ میں پائی جائے ایک ہی اصول کے تحت میں ہوتی ہے۔ لہذا اس اجمال کو واضح کرنے کیلئے حرکت رقاص کے اصول ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔

۱۔ رقاص کی آمد و رفت ایک معین فاصلہ میں مساوی اوقات میں ہوتی ہے اور قوت دافعہ کے قوت و ضعف سے اس میں فرق نہیں پڑتا یہی وجہ ہے کہ گھڑی کو کوک دینے سے تیز نہیں چلتی بلکہ ہفتہ بھر ایک ہی رفتار سے چلتی ہے۔

۲- رقاص کی آمد و رفت میں نوعیتِ مادہ اور تفاوتِ وزن سے فرق نہیں پڑتا، بلکہ اس میں فرق پڑنے کی دو صورتیں ہیں۔

الف- لمبا رقاص آہستہ اور چھوٹا تیز حرکت کرتا ہے۔

ب- جن مقامات پر زمین کی جاذبیت زیادہ ہوتی ہے وہاں حرکتِ رقاص سست ہوتی ہے اور جہاں جاذبیت کم ہوتی ہے وہاں تیز ہوتی ہے۔

۳- رقاص کے طول اور اوقات حرکت میں مربع کی نسبت ہوتی ہے، یعنی طول رقاص اوقات کے مربع کے برابر ہوتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے اصول سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رقاص کی آمد و رفت بلحاظ طول کے مختلف ہوتی ہے (رقاص کے مادہ اور وزن کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے)

اصول مذکورہ کی تعلیل اگر تم رقاص کی آمد و رفت پر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ یہ حرکت دو مختلف قوتوں کا نتیجہ ہے، ایک وہ قوت ہے جو رقاص کو ڈھکیلتی رہتی ہے مگر اس کے ساتھ لازم نہیں ہے، یعنی اس میں تجدد ہے استمرار نہیں ہے (ہر دفعہ نئی قوت پیدا ہوتی ہے)۔

دوسری قوت زمین کی جاذبیت ہے، جو ہر وقت رقاص کے ساتھ لازم ہے، لیکن جب رقاص خط سمتی سے دور ہوتا ہے تو یہ قوت ضعیف ہوجاتی ہے اور جب قریب ہوتا ہے تو قوی ہوجاتی ہے (خط سمتی وہ عمودی خط ہے جو رقاص کے نقطۂ تعلیق سے مرکز ارض کی طرف جاتا ہوا فرض کیا جائے)

جس طرح رقاص کی حرکت دو قوتوں کے فعل سے پیدا ہوتی ہے اسی طرح کپکپاتے ہوئے تار کی حرکت بھی دو مختلف قوتوں کا نتیجہ ہے، ایک وہ قوت ہے جو تار کو جنبش دیتی ہے مگر اس کے ساتھ لازم نہیں رہتی اور دوسری تار کی ذاتی لچک کی قوت ہے، جو اُسے ہر وقت خط مستقیم پر رکھنے کی کوشش کرتی ہے اور یہ قوت تار میں دائمی طور پر پائی جاتی ہے۔

لچکتی ہوئی شاخ اور پانی کا موج بھی دو قوتوں کا نتیجہ ہے۔ الغرض مذکورۂ بالا تفصیل سے واضح ہوگیا کہ ہر حرکت دوری کم از کم دو قوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے مگر ایک قوت دوسری سے متفاوت ہوتی ہے۔

حرکتِ دوری کے متعلق سپنسر کی توجیہ حرکتِ دوری وہاں پائی جاتی ہے جہاں مختلف اور غیر متوازن قوتیں متصادم ہوں۔ اگر متصادم قوتیں متوازن ہیں تو نتیجہ سکون کی صورت میں نمایاں ہوگا، اور اگر ایک قوت دوسری سے زیادہ ہوگی تو حرکت بھی اسی جہت میں ہوگی استمرار حرکت جبکہ وہ ایک اندازہ اور ایک صفت پر ہو، تو اس کے لئے ضروری ہے کہ جسم متحرک، مختلف حرکت دینے والی قوتوں کے باوجود بالاستمرار اپنی جگہوں کو چھوڑتا جائے اور یہ بالکل محال ہے کیونکہ جب جسم منتقل ہوکر ایک مکان سے دوسرے مکان میں پہونچتا ہے تو لامحالہ اسپر اثر ڈالنے والی قوتوں کی نسبت میں فرق پڑتا ہے۔ یا یوں سمجھنا چاہئے کہ انتقال مکانی سے ایک قوت اپنے اثر میں دوسری پر غالب آجاتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک اندازہ اور ایک نسبت سے حرکت باقی نہیں رہتی۔ لہذا ایک اندازہ اور ایک کیفیت کے ساتھ متحرک ہونے کے لئے غیر متناہی زمان و مکان کا ہونا ضروری ہے، اور یہ ایک ایسا نتیجہ ہے جس کو عقل تصور میں نہیں لاسکتی۔ اس لئے اس استمرار کے قائم رکھنے کے لئے صرف ایک صورت باقی رہجاتی ہے، اور وہ یہ کہ حرکت دوری ہو،

چاہے وہ حرکت ایک متعین قوس پر ہو جیسے رقاص کی حرکت، یا دائرہ پر ہو، جیسے زمین کی حرکت آفتاب کے گرد۔

تطبیق اس دقیق تعلیل کو سمجھنے کے لئے ہم حرکت رقاص کی توضیح کرکے اسپر منطبق کرتے ہیں:۔

اگر تم رقاص کو ایک معین طاقت سے دفع کرو تو وہ اپنے خط سمتی سے ایک قوس پر حرکت کرتا ہوا علحدہ ہوگا۔ اور اس قوس کا تحدُّب مرکز زمین کی طرف ہوگا، مگر زمین کی قوتِ جاذبہ اس حرکت اندفاعی کا مقابلہ کرتی رہے گی، اور اس کوشش میں ہوگی کہ اس کو اپنی جگہ پر واپس کردے۔ چونکہ قوت دافعہ، جس نے رقاص کو ڈھکیلا تھا، اور اس کے ساتھ لازم نہیں ہے اسلئے جس قدر وقت صرف ہوتا جائیگا اس کی تاثیر ضعیف ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ آخر میں زمین کی جاذبہ قوت اس پر غالب آکر اُسے واپس کردے گی۔ واپسی کے وقت رقاص جس قدر خط سمتی سے قریب ہوگا۔ اسی قدر اسکی حرکت تیز ہوتی جائے گی۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ زمین پر گرتا ہوا پتھر جوں جوں زمین کے قریب ہوتا جاتا ہے اسکی حرکت بھی سریع ہوتی جاتی ہے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ رقاص جس قدر خط سمتی سے قریب ہوتا جائیگا، اس کی حرکت تیز ہوتی جائے گی۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ رقاص جس قدر خط سمتی سے قریب ہوتا جاتا ہے، اس میں ایک جدید قوت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے جب رقاص، خط سمتی تک پہونچ جائے گا، تو وہاں ساکن نہ ہوگا، بلکہ اس کو تجاوز کرکے آگے بڑھتا ہوا چلا جائیگا، کیونکہ جب وہ خط سمتی تک پہونچا تھا تو اگرچہ جذب زمین کی قوت اپنا کام ختم کرچکی تھی، مگر اس جدید قوت کا عمل ابھی باقی تھا جو خط سمتی کی طرف آتے وقت رقاص میں پیدا ہوگئی تھی، لہذا وہ رقاص کو کھینچے ہوئے خط سمتی سے آگے لے گیا، لیکن اب جس قدر وہ خط سمتی سے دور ہوتا جائے گا جاذبیت زمین کا اثر اس پر زیادہ ہوتا جائیگا اور دافعہ قوت جس کی وجہ سے وہ جاذبیت کے خلاف جا رہا تھا، ضعیف ہوتی جائے گی (ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ اوپر کو پھینکتے ہوئے پتھر کی حالت ہوتی ہے) اور آخر کار جاذبیت ارضی اس پر غالب آکر اس کو پھر خط سمتی پر لانا شروع کرے گی۔ پھر اس حرکت میں علاوہ جاذبیت کے ایک نئی قوت اندفاعی پیدا ہو جائے گی، مگر پہلی سے کم اور وہ اُسے خط سمتی سے آگے لے جائے گی۔ غرض اسی طرح رقاص آتا جاتا رہے گا، یہاں تک کہ قوتِ اندفاعی بالکل مفقود ہو جائے اور جاذبیت ارضی اس کو خط سمتی پر ساکن کردے۔

اگر تم ہارے تناؤ کی جاذبیت زمین کی جگہ فرض کرو تو اس کے اہتزازات کی بھی یہی توجیہ کر سکتے ہو۔

حرکت دوری غیر تام ہوتی ہے اسپنسر کہتا ہے کہ حرکت دوری کی آمد و رفت، اس وقت خط مستقیم پر ہو سکتی ہے جبکہ دو متضاد قوتیں زاویہ مستقیم پیدا کریں۔ اور ان دونوں کی ایک معین نسبت ہو، لیکن اکثر ایسا نہیں ہوتا۔ اس لئے مختلف قوتوں کے عمل اور اُن کی مختلف نسبتوں سے بیضوی دائرے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب دو سے زیادہ مختلف قوتیں اثر کرتی ہیں تو ہر پھیلاو، وہ اس خط پر نہیں ہوتا جس پر اگلا دورہ ہوتا ہے، بلکہ ہر مرتبہ اس کا مدار تنگ ہوتا جاتا ہے، چنانچہ یہی سبب ہے کہ اجرام فلکی جاذبہ اور دافعہ کے باہمی تفاعل سے اپنے ہر دورہ میں مرکز کے قریب ہوتے جاتے ہیں۔

مذکورۂ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ کائنات کے تمام مادے، عناصر یا ایتھر میں حرکت کرتے رہتے ہیں اور ان کے ذرے

ہوتے ہیں۔ اور دورے بھی وہ جنھیں زیادہ تر تموجی اور اہتزازی کہہ سکتے ہیں اس کے ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا ہوگا کہ تمام حرکات ایک قوت کا نتیجہ ہیں جو ہر جگہ مختلف صورتوں میں پائی جاتی ہے۔

حرکت دوری کا عموم اگلے بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ ہر جسم متحرک کم از کم دو مختلف قوتوں کے زیر اثر متحرک ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی حرکت دوری ہو، عام اس سے کہ یہ دوری حرکت دائرے میں ہو یا رقاص کی طرح صعود و ہبوط کے طریقے پر۔

اگر دوری حرکت پر باقاعدہ قوتوں کا اثر ہوتا ہے تو حرکت بھی باقاعدہ اور ایک نظام کے ماتحت ہوتی ہے ورنہ بے قاعدہ اور غیر نظامی۔

اجرام سماوی اپنے مدارات پر باقاعدہ اور ایک نظام کے تحت میں حرکت کرتے ہیں اور اجرام سماوی کی دوری حرکتیں زمین پر تمام دوری حرکات کا سبب ہوتی ہیں۔ فصول اربعہ کی تکرار زمین کی حرکت دوری کا نتیجہ ہے، جو نور و حرارت کے انفعال اور جاذبیت کے باہمی تبادلہ سے پیدا ہوتی ہے

سمندر کا پانی حرارت شمسی سے معین اوقات میں بخارات بنکر مرتفع ہوتا ہے، پھر پانی بنکر مخصوص موسم میں نیچے گرتا ہے اور زمین پر بہتا ہوا سمندر میں چلا جاتا ہے۔

ہوائیں عام طور پر قطبین سے خط استوا کی طرف اور ہوا کے بلند طبقات میں خط استوا سے قطبین کی طرف چلتی ہیں، یہ بھی ایک دوری حرکت ہے جو عام حرکت دوری سے پیدا ہوتی ہے۔

سطح زمین کے نباتی اور حیوانی مظاہر حیات، یہ بھی دوری حرکتیں ہیں جو تولد، نمو، تولید اور موت سے ظاہر ہوتی ہیں عالم حیوان کی تمام حرکات، دورۂ خون، ضربات قلب، حرکات تنفس، حرکات عصبی وغیرہ تمام حرکات دوری ہیں۔

یہی حال عالم نباتات کا ہے۔ موالید ثلثہ کے علاوہ سیاسی اور اقتصادی حرکات جو اجتماع بشری میں ہوتی رہتی ہیں یہ بھی دوری حرکات ہیں، جن کا نتیجہ انقلابات حکومت، تغیرات قوانین و احکام اور تجارتی منڈیوں کے اُترنے اور چڑھنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

میکانیکی حرکات دوری کے اصول پر منطبق ہیں، میکانک آلات کی تمام حرکتیں دوری ہوتی ہیں۔

قوت برقی جو اکثر میکانک آلات کو حرکت دیتی ہے اس کی رو بھی حرکت دوری ہے۔

گذشتہ تمام مثالوں سے واضح ہو گیا ہو گا کہ جس قدر حرکات ہمارے احاطہ احساس میں واقع ہوئی ہیں وہ سب دوری ہیں

حرارت اور نور کا ذریعہ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آفتاب جو زمین سے ۹ کروڑ میل سے زیادہ دور ہے کس واسطے سے ہم تک حرارت پہونچاتا ہے۔ یعنی ہمارے اور آفتاب کے درمیان وہ کونسی چیز ہے جو حرارت کو ہم تک پہونچا دیتی ہے۔ چونکہ حرارت میں ایک قسم کی حرکت ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے اور آفتاب کے درمیان ایک واسطہ ہونا چاہئے جو آفتاب کی حرارت کو زمین تک پہونچائے۔

فضائے عالم میں حرارت و نور کے انتقال کے لئے علماء نے ایک ایسے مادہ کو تسلیم کر لیا ہے جو ہوا سے صدہا درجہ لطیف ہے اس مادہ کو اثیر یا ایتھر کہتے ہیں تمام اجزاء فلکی ایتھر میں ڈوبے ہوئے ہیں یہی مادہ لطیفہ حرارت اور نور پہونچانے کا ذریعہ ہے چونکہ علی الاطلاق کائنات میں صرف دَوری حرکات ہوتی ہیں اس لئے یہ واسطہ بھی دوری حرکت کرتا ہوا روشنی اور نور کو منتقل کرتا ہے، ایتھر کی حرکت دَوری امواج کی شکل میں ہوتی ہے چونکہ نور حرارت سے بہت زیادہ سریع حرکت کرتا ہے (یعنی ایک سکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل) اس لئے امواج نور کی رفتار حرارت سے زیادہ سریع ہوتی ہے اور وہ ہم تک پہلے پہونچتی ہے

فضائے عالم میں ایتھر کا فرض کرنا علماء کا ایک نظریہ ہے جس پر اسوقت تک عمل رہیگا جب تک کوئی دوسرا نظریہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو۔

لیکن اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ ایتھر کی امواج زمین تک صرف روشنی اور حرارت ہی کو نہیں پہونچاتیں، بلکہ تمام ارضی حرکات وانقلابات پر بھی ان کا زبردست اثر پڑتا ہے اور نور و حرارت سے مختلف قسم کی حرکتیں پیدا ہوتی ہیں ـ اس کی تفصیل یہ ہے ـ

ایتھر کی موجیں، زمین کے ذرہ ذرہ سے آکر ٹکراتی ہیں اور اس میں مختلف کیفیات پیدا کرتی ہیں، بعض عناصر کو بعض سے ملاتی ہیں اور بعض کو آپس میں تحلیل کرتی ہیں، بعض مادی مرکبات میں خاص قسم کی قوت پیدا کرتی ہیں اور بعض سے قوت کو سلب کر لیتی ہیں اور ان اثرات کی ہمہ گیری یہاں تک ہے کہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سے خالی نہیں ہے، تمام عالم ارضی اس کی وجہ سے ایک دائمی حرکت میں ہے جس کی کیفیت کے ادراک تک عقول بشری نہیں پہونچ سکتیں، ذیل میں ہم ان فتوحات کی حتی الامکان تفصیل پیش کرتے ہیں ـ

حرکت دوری کا انتقال ہوا میں | اس بحث کے سمجھنے کے لئے ہم امواج ہوا اور اس کی تاثیرات کا ذکر کرتے ہیں جو خاص اجسام پر ہوتی ہیں ـ لہذا ہم کو پہلے تار کے اہتزازات کو سمجھنا چاہیئے ـ تار کا قاعدہ ہے کہ اسکی آواز کی بلندی اور پستی تار کے اہتزازات کی نسبت سے ہوتی ہے یعنی ایک سکنڈ میں جس قدر سرعت سے تار میں اہتزازات ہوتے ہیں اسی قدر آواز بلند ہوتی ہے اور اہتزازات کی سرعت تار کے طول اور اس کی دبازت اور تناؤ پر موقوف ہے ـ چنانچہ ستار کے تاروں سے یہ تمام باتیں بخوبی سمجھ میں آسکتی ہیں ـ

ماہرین اصوات نے ہر نغمہ کے اہتزازات کو شمار کر لیا ہے اور وہ بتا سکتے ہیں کہ ایک نغمہ کو دوسرے نغمہ کے ساتھ باعتبار اعداد کے کون سی نسبت ہے ـ لندن کی مجلس موسیقی نے اہتزازات کا قیاس کرنے کے لئے ایک خاص معدنی کانٹے کو معیار مقرر کیا ہے اور اسی کی نسبت سے تمام نغمات کی نسبت معلوم کرتے ہیں ـ

موسیقی کے بولوں کی باہمی نسبت اور فی ثانیہ اُن کی تعداد ذیل کے جدول سے معلوم ہوگی ـ

بولوں کے نام	=	سا	رے	گا	ما	پا	دھا	نی	سا
اہتزازات فی ثانیہ	=	۲۶۴	۲۹۷	۳۳۰	۳۵۲	۳۹۶	۴۴۰	۴۹۵	۵۲۸
سب سے کم درجہ کی نسبت	=	۲۴	۲۷	۳۰	۳۲	۳۶	۴۰	۴۵	۴۸
نسبت کسری	=	۱	۹/۸	۵/۴	۴/۳	۳/۲	۵/۳	۱۵/۸	۲

اس جدول کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر تم ہر نغمہ کے اہتزازات کو ۱۱۔ پر تقسیم کرو گے تو دوسری سطر کے ہندسے حاصل ہوں گے۔ اور اگر سا اول اور سا ثانی کی نسبت کو دیکھو گے تو معلوم ہو گا کہ ثانی سا کے اہتزازات اول سے دو چند ہیں اور تیسری سطر سے سب سے کم درجہ کی وہ باہمی نسبت معلوم ہو گی جب کہ سا اول کو ایک فرض کیا جائے۔

محاکاتِ موسیقی | اہتزازات کی باہمی نسبتوں کے ذہن نشین کرنے کے بعد ہم یہ بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ستار کے ایک تار کو حرکت دیجائے اور باقی تار ساکن چھوڑ دئے جائیں تو اُن میں کیونکر جوابی نغمات پیدا ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ تار کے اہتزاز سے ہوا میں موج پیدا ہوتی ہے اور ایک تار میں جس قدر اہتزازات پیدا ہوں گے اسی قدر ہوا میں موجیں پیدا ہوں گی، مثلاً جس تار میں ۲۶۴ اہتزاز ہوتے ہیں وہ ہوا میں ۲۶۴ موجیں پیدا کرے گا اور اہتزازات میں جس تناسب کا اختلاف ہوگا وہی تناسب امواج میں بھی محفوظ رہے گا۔ اگر تم تار پر ضرب دو تو اسکی موجیں تمام تاروں سے متصادم ہونگی اور وہی اہتزازات اور آواز پیدا کرینگی۔ اور جسقدر شدت سے تار پر ضرب لگائی جائے گی، اسی قدر دوسرے تاروں کے اہتزازات اور نغمات آسانی سے محسوس ہو سکیں گے۔

الحاصل ایک تار اپنے اہتزازات اور امواج کا اثر دوسرے تار میں پیدا کر سکتا ہے اور اس انتقال اہتزازات میں اہتزاز کے امداد اور ان کی نسبت باہمی محفوظ رہتی ہے۔ یہ انتقال کیا چیز ہے؟ یہ وہی حرکت کا انتقال ہے، جو بذریعہ ہوا ایک تار سے دوسرے تار میں منتقل ہوتا ہے۔

قانون محاکات کا عموم | جب مذکورۂ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ ہر جسم جو دَوری حرکت کرتا ہے دوسرے جسم میں بھی ویسی ہی حرکت پیدا کر دے سکتا ہے، تو ظاہر ہے کہ ایک گھڑی کا رقاص دوسری گھڑی کے رقاص کو حرکت دیسکتا ہے، بشرطیکہ وہ ہوائی موج جو حرکت رقاص سے پیدا ہوتی ہے، ساکن رقاص کو بھی متحرک کر سکتی، مگر وہ اتنی شدید نہیں ہے، جس سے یہ نتیجہ پیدا ہو سکتا، مگر کم از کم یہ ضرور ہوتا ہے کہ جب دو رقاص قریب قریب ایک دوسرے کے مخالف حرکت کر رہے ہوں، تو ہوائی موج دونوں کی حرکت کو موافق کر سکتی ہے، چنانچہ امتحان کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے۔

محاکاتِ حرکت جو امواج ہوائی کے ذریعہ سے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتی ہے، اسکا انتقال بھی امواج ایتھری کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ جس طرح امواجِ ہوائی، حرکت دوری ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کرتی ہے اسی طرح امواج ایتھر روشنی اور حرارت کو ایک جسم سے دوسرے میں لے جاتی ہیں، البتہ تمام اجسام میں یہ قابلیت نہیں ہے کہ وہ مساوی طریقہ سے نور و حرارت کو قبول کریں، اسلئے اگر ایک جسم ایتھر کی امواج نور و حرارت سے متاثر ہوتا ہے، تو اسکے قریب الاجسم اگر قبولِ نور یا حرارت کی قابلیت رکھتا ہے، تو روشنی و حرارت، امواج ایتھر کے واسطہ سے اُس دوسرے جسم میں بھی منتقل ہو جاتی ہے۔

ایتھر کا تموج | یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ جہاں کہیں حرکت پیدا ہو گی وہ صرف دوری ہو گی کیونکہ اسباب حرکت میں تعدد ضروری ہے اور تعدد، حرکت دَوری کو مستلزم ہے۔

ایتھر، جو ساری فضائے عالم کو گھیرے ہوئے ہے اور ایک ناپید اکنار محیط اعظم ہے اور نور و حرارت کو فضائے عالم میں منتشر کرنے کا ذریعہ ہے، وہ بھی علی الدوام دَوری حرکت میں رہتا ہے۔ کیونکہ وہ تمام اجرام سماوی جو ایتھر میں ڈوبے ہوئے فضا میں تیر رہے ہیں وہ سب مع اپنے اجزار کے دَوری حرکت کرتے ہیں، یعنی ہر فرد بذات خود بھی دَوری حرکت کرتا ہے۔ اور اسکے اجزار بھی دوری حرکت کرتے ہیں۔ چونکہ ایتھر، ہوا سے زیادہ لطیف ہے اس لئے اس کی حرکت بھی تمام مادی گیسوں سے زیادہ لطیف ہے اور اسکے تموج میں سرعت بھی حد سے زیادہ ہے بدیں وجہ زیادہ موزوں یہ ہے کہ اسکی حرکت، اہتزاز سے تعبیر کی جائے۔

جس طرح آفتاب کے جرم سے روشنی، حرارت، کہربائیت، اور مقناطیسیت وغیرہ مختلف حرکات پیدا ہوتی ہیں اسی طرح نور و حرارت وغیرہ کے امواج میں بھی اختلاف ہے اور روشنی چونکہ آفتاب کے اختلاف عناصر کی وجہ سے سات مختلف رنگ رکھتی ہے، اس لئے ان رنگوں کی شعاعوں میں بھی (جو ایتھر کی امواج ہیں) اختلاف ہوتا ہے جس کی وجہ سے ایتھر ایک دائمی تموج اور تلاطم میں رہتا ہے۔

سالمات اور اہتزاز کرنیوالے دقایق — یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ وہ تمام اجرام جو ایتھر کے محیط اعظم میں ڈوبے ہوئے ہیں ایسے چھوٹے چھوٹے کیمیاوی دقایق سے مرکب ہیں جو محسوس نہیں ہوسکتے اور وہ صرف اس لئے مان لئے گئے ہیں کہ کیمیائی تجربات کی توجیہ بغیر اون کے ممکن نہیں ہے۔ یہ دقایق سالمات سے مرکب ہوتے ہیں اور بہت سے مظاہر طبعی کے مطالعہ سے علماء اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ وہ دقایق اجسام آپس میں متصل نہیں ہیں، بلکہ انکے درمیان خلا پایا جاتا ہے، جسمیں اور دقایق کا دخول ممکن ہے اور اس خلا کی وجہ سے یہ بھی ممکن ہے کہ ایک جسم اپنی امتداد میں کم یا زیادہ ہوجائے۔ اسیطرح وہ سالمات جن سے دقایق مرکب ہوتے ہیں۔ آپس میں متصل نہیں ہوتے اور ان کے درمیان بھی خلا ہوتا ہے جس میں اور جوہر داخل ہوکر جسم کا حجم بڑھ سکتا ہے اور یہ سب مستحکم دلائل سے ثابت ہوچکا ہے، جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

چونکہ ایتھر کے جواہر اجسام محسوسہ کے جواہر سے بہت زیادہ دقیق ہیں اس لئے وہ جواہر، اجسام میں آسانی سے داخل ہوجاتے ہیں، جیسا کہ پانی ریت میں داخل ہوجاتا ہے۔ اور چونکہ ایتھر کے جواہر، علی الدوام اہتزاز میں رہتے ہیں اس لئے تمام جواہر مادی کا اہتزاز میں رہنا لازمی نتیجہ ہے۔

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جواہر فرد یا سالمات، وزن کے لحاظ سے مختلف ہیں اور وزن کا قیاس ہائیڈروجن کی نسبت سے کیا جاتا ہے۔

ہائیڈروجن کے جواہر سب سے زیادہ خفیف اور "اہنیم" کے جواہر سے زیادہ ثقیل ہیں اور چونکہ جواہر اجسام بہ لحاظ خفت و ثقل کے متفاوت ہیں اس لئے ان کے اجزار کا اہتزاز بھی اسی نسبت سے تفاوت رکھتا ہے۔ جس مادہ کے جواہر سب سے زیادہ خفیف ہیں، اسکا اہتزاز بھی اسی قدر آہستہ مگر وسیع ہوتا ہے، اور جس مادہ کے جواہر ثقیل ہوتے ہیں اس کا اہتزاز زیادہ سریع مگر وسعت میں کم ہوتا ہے۔

الفت کیمیائی — ایک عنصر اگر دوسرے عنصر کے ساتھ متحد ہونے کی قابلیت رکھتا ہے تو اسکو اصطلاح میں الفت کیمیائی کہتے ہیں عناصر کی

یہ الفت کیمیائی بلحاظ اونکے مختلف طبائع کے مختلف ہوتی ہے، ایک عنصر دوسرے کے ساتھ نہایت آسانی سے متحد ہوسکتا ہے مگر تیسرے کے ساتھ اس کا اتحاد دشوار ہوتا ہے۔

الفت کیمیائی کیا چیز ہے۔ اور کیونکر بعض عناصر میں باہم اتحاد ہو جاتا ہے اور بعض میں نہیں ہوتا۔ اس کے متعلق ہم کہہ چکے ہیں کہ ہر قسم کے جواہر فردہ میں ایک خاص اہتزاز ہوتا ہے، اب اگر دو جوہر ایک ہی سرعت سے اہتزاز کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان دونوں کا اہتزاز متحد ہو جائے گا، یعنی وہ دونوں ایک ہی موج کے تابع ہوکر ایک ہی طرح اہتزاز کریں گے گویا کہ وہ دونوں ایک ہی جسم ہیں لیکن وہ دونوں ایک ہی سرعت سے صرف اس صورت میں اہتزاز کر سکتے ہیں۔ جبکہ وہ دونوں ایک ہی نوع کے ہوں اور اس صورت میں کیمیائی ترکیب ہوسکتی ہے۔ لیکن اگر ایک جوہر کا اہتزاز دوسرے سے دوچند ہے تو اس صورت میں اتحاد مشکل ہے۔ کیونکہ ہر ایک جوہر کے دو اہتزاز دوسرے کے ایک اہتزاز کے برابر ہونگے۔

الحاصل جسقدر اہتزازات جواہر آپس میں متناسب ہوں گے اسی قدر ان کے درمیان اتحاد زیادہ ممکن ہوگا۔ لہذا اس بیان سے ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ کیمیائی تفاعل اہتزاز کرنے والے جواہر کی حرکت پر موقوف ہے۔ اور اہتزاز، حرکت دوری کی ایک قسم ہے۔

امواج ایتھر کی تاثیر جواہر فردہ کے اہتزازات پر۔

اس سے پہلے ہم نے جواہر فردہ کی حرکت پر غور کیا ہے مگر اس چیز کی حرکت سے کچھ بحث نہیں کی جس میں یہ تمام جواہر حرکت کرتے ہیں، وہ چیز ایتھر کا بحر اعظم ہے، جو تمام جواہر فردہ کے درمیان داخل ہے۔ اور ہر وقت حرکت میں رہتا ہے۔ ایتھر کی یہ حرکت اہتزازات جواہر پر بڑا اثر ڈالتی ہے پہلے بیان ہوچکا ہے کہ نور اور حرات کی شعاعوں کی وجہ سے ایتھر ایک دائمی تموج میں ہے، اگر بعض کیمیائی مرکبات، حرارت اور نور سے متاثر ہوتے ہیں تو ایتھر کے تموجات اس مرکب کے اہتزازات پر اثر ڈالکر اس کی الفت کیمیائی کو قوی یا ضعیف کر دیتے ہیں، یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ ایتھر کے تموجات کی ایک خاص نوع جواہر فردہ کی ایک خاص نوع کے اہتزازات پر اثر ڈالتی ہے اور جواہر کو جو آپس میں متحد ہیں ایک دوسرے سے زیادہ قریب کرتی ہے یا دور کر دیتی ہے کیونکہ ایتھر مواد محسوسہ سے بہت زیادہ لطیف ہے اور اس کے جواہر فردہ، مواد محسوسہ کے جواہر فردہ سے بہت زیادہ چھوٹے ہیں۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اسقدر لطیف اجزاء کیونکر مواد محسوسہ کے اجزاء پر اثر ڈال سکتے ہیں اور انکی حرکت کو اپنی حرکت کے موافق کر دیتے ہیں۔؟

بات یہ ہے کہ ایتھر کا ایک جوہر فرد، مواد محسوسہ کے ایک جوہر فرد پر اثر نہیں ڈالتا، بلکہ ایتھر کی ایک موج جس میں جواہر فرد کی ایک کثیر مقدار شامل ہوتی ہے جواہر مادیہ پر اثر کرتی ہے تھوڑی دیر کے لئے ہم فرض کرتے ہیں کہ ایتھر کے تموجات اور جوہر کے اہتزازات میں مطابقت ممکن ہے لہذا اس صورت میں ایتھر کی موجیں جب اس جوہر سے لاتنا ہی مرتبہ متصادم ہوں گی تو اس جوہر کی حرکت اہتزازی کو یہ موجیں اپنی رفتار کے مطابق کرلیں گی اور اب اس جوہر کی اہتزازات ان تموجات کے مطابق ہوجائینگے

حالانکہ وہ اس سے پہلے کسی دوسرے جوہر کے مطابق تھے۔ پھر یہ جوہر جو اپنے اہتزاز میں ایتھر کے موافق ہوگیا ہے اگر وہ کسی ایسے جوہر سے قریب ہوجائے جو اہتزاز میں اس کے مطابق ہو تو وہ اسکے ساتھ متحد ہوجائے گا۔

اس موقع پر دو اصولی باتیں پیش نظر رکھنی چاہئے۔ ایک یہ کہ کیمیائی دقیقہ (جو دو یا دو سے زیادہ اجزائے فردہ سے مرکب ہوتا ہے) ایک خاص طبیعت رکھتا ہے، جو ان اجزائے فردہ کی طبیعت سے مختلف ہے جنسے وہ مرکب ہے اور یہ دقیقہ ایک خاص اہتزازی حرکت رکھتا ہے جو جواہر فردہ کے اہتزازات سے مختلف ہے۔ لیکن جواہر فردہ کے اہتزازات اپنی حالت پر رہتے ہیں اور صرف باہمی تفاعل سے متاثر ہوا کرتے ہیں۔ الحاصل دقیقہ کی حرکت جواہر کے خلاف ہوتی ہے اور اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے۔ جس طرح کہ سارا نظام شمسی اپنے اجزار کی حرکات کے خلاف حرکت کرتا ہے۔

دوسری اصولی بات یہ ہے کہ جس طرح ایتھر کی موج، جواہر فردہ میں اہتزازات پیدا کرتی ہے اسی طرح جواہر فردہ بھی ایتھر میں اہتزازات پیدا کرتے ہیں اور اس نظریے بنسون اور کیرشوف کے اس اکتشاف کی توجیہہ ہوسکتی ہے کہ بعض مواد کے بخارات خاص قسم کی ایتھر کی نورانی موجوں کو جذب کر لیتے ہیں۔ اس سے ٹنڈل کا اکتشاف بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ بعض گیسیں حرارت کو جذب کرلیتی ہیں، کیونکہ یہ دونوں جذب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان گیسوں سے ہر ایک، خاص درجہ کا اہتزاز رکھتی ہے جو ایتھر کی تموجات کے مطابق ہے۔

ایتھر کی نورانی تموجات کا اثر کیمیائی مرکبات پر۔

اگر ایک دقیقہ دو جواہر فردہ سے مرکب ہو اور ہر ایک جوہر فرد اپنی ذاتی صلاحیت کے لحاظ سے ایتھر کے نورانی تموجات سے متاثر ہونے میں مختلف ہو، یعنی ایک جوہر بہ نسبت دوسرے کے زیادہ اثر پذیر ہو تو ظاہر ہے کہ جس جوہر پر زیادہ اثر کرے گا اوسکے اہتزاز میں بہ نسبت دوسرے جوہر کے سرعت ہوگی، اور اس سرعت کا یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ جوہر دوسرے سے منفعل ہونے کی کوشش کریگا۔ اب اگر الفت ترکیبی ان دونوں اجزار کے درمیان اتنی قوت رکھتی ہے کہ اس عارضی انفصالی حرکت کا مقابلہ کرسکے، تو اس دقیقہ میں انحلال نہیں ہوسکتا۔ اور اگر اس قابل نہیں ہے، تو دونوں اجزار علٰحدہ علٰحدہ ہوجائیں گے۔

ڈاکٹر ڈرانہ نے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ وہ مرکبات معدنی جن کے جواہر فردہ ثقیل ہیں (مثلاً سونا، چاندی، پارہ، سیسہ) روشنی سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور اُن مرکبات معدنی میں یہ تاثیر کم ہوتی ہے جن کے جواہر فردہ خفیف ہوتے ہیں مثلاً پٹاسیم اور سوڈیم۔

انفصال و اتحاد جواہر میں یہ ضروری ہے کہ جو جوہر منفصل ہونے والا ہے، اس کے اہتزازات اس جوہر سے زیادہ ہونگے، جس کے ساتھ وہ فی الحال متصل ہے، کیونکہ اگر یہ دونوں ایک ہی نسبت سے اہتزاز کریں گے تو ایتھر کی موجیں انکے درمیان انفصال پیدا نہیں کرسکتیں، انفصال کے وقت بھی یہ ضروری ہے کہ ایتھر کی موجیں اس شدت سے اس پر اثر کریں کہ انکے اہتزاز میں اس درجہ وسعت پیدا ہوجائے کہ وہ ان جواہر کی اتحادی قوت کو توڑنے کے قابل ہوسکے۔

اس تعلیل کے ذریعہ سے یہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ روشنی دقائق نباتات میں کس طرح اپنا عمل جاری رکھتی ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ حرکت جو آفتاب سے ہم تک ایک غیر محسوس طریقہ سے پہونچتی ہے کسی چیز کے جلاتے وقت کیوں محسوس ہونے لگتی ہے۔

اب اگر ذہنیات کو چھوڑ کر عالم مشاہدات کی طرف غور کیا جائے گا تو وہاں اوس کی صداقت ظاہر ہوگی، چنانچہ ظاہر ہے کہ کلوروفل جو نباتات کو سبز لباس پہناتا ہے، وہ اسوقت اپنا عمل نہیں کرتا جب تک کہ شاخیں یا پتیاں ہوا میں نکل کر آفتاب کی روشنی سے اثر پذیر نہ ہوں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے جو اسپنسر کے اقوال سے ماخوذ ہے، یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ تموجات ایتھر صرف اعمال کیمیائی میں موثر نہیں ہیں بلکہ حیوانی عمل میں بھی وہی عامل اساس ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف حرکت دوری، روشنی اور عام حرارت کی قوت کو جو تمام کائنات میں پھیلی ہوتی ہے، حیوانی اور نباتاتی قوتوں میں تبدیل کردیتی ہے۔

حرکت مقناطیسی اور حرکت کہربائی

مقناطیسیت اور کہربائیت کی ماہیت اسوقت تک معرض بحث میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دقایق کی ایک خاص قسم کی حرکت ہے اور بعض کا خیال ہے کہ کہربائیت مواد محسوسہ کے علاوہ ایک مستقل اور غیر محسوس مادہ ہے اور مواد محسوسہ کے ہر ہر جز میں داخل ہے۔ یہ دونوں تعریفیں مظاہر کہربائیت اور مقناطیسیت پر اس وقت تک منطبق نہیں ہوسکتیں جب تک کہ یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ مقناطیسیت اور کہربائیت میں ایک خاص قسم کی حرکت اہتزاز ہوتی ہے۔ پہلی تعریف کی بنا پر یہ حرکت اہتزازی دقایق مادہ میں ہوتی ہے۔ اور دوسری تعریف کی بنا پر یہ حرکت خود کہربائیت اور مقناطیسیت کے دقایق میں ہوتی ہے۔

لاسلکی ٹیلی گراف کے بفعات (تموجات) اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ کہربائیت نام ہے اس اہتزازی حرکت کا جو مادہ محسوسہ کے دقایق میں پائی جاتی ہے۔

یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ روشنی (جو ایتھر کی تموجی حرکت کا نام ہے اور جسکی موجیں چھوٹی چھوٹی مگر نہایت سریع السیر ہوتی ہیں) کی موجیں بلحاظ ان سات رنگوں کے جن سے روشنی مرکب ہے، سرعت اور مسافت میں باہم اختلاف رکھتی ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ دقایق کیمیائی اور جواہر فردہ جنسے دقایق مرکب ہوتے ہیں دائمی اہتزاز میں رہتے ہیں، اور جواہر فردہ کے اختلافات ترکیبی اور دقایق کے اختلاف سے حرکات اہتزازی میں اختلاف ہوتا رہتا ہے، دقایق اور جواہر کے یہی اہتزازات کیمیائی ترکیب و تحلیل کا باعث ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ ایتھر کے تموجات دقایق و جواہر کے اہتزازات پر زبردست اثر ڈالتے ہیں اور عالم حیات میں (نشو و نما یا انحطاط کی صورت میں) جو کچھ تغیر ہوتا ہے وہ صرف انہیں اہتزازات اور تموجات سے پیدا ہوتا ہے۔

انتقال حرکت نظام عصبی میں

اب ہم ان اعمال حیات کی طرف توجہ کرتے ہیں جو ایک حیوانی جسم اور خاص کر اونچی قسم کے حیوانات میں پائے جاتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ تمام اعضا اور رگیں صرف اسوقت اپنا کام کرسکتی ہیں جب اس کام کا صدور اعصاب سے ہو، حرکات کا صدور نظام عصبی سے ہوتا ہے اور نظام عصبی کے مرکز دماغ اور حرام مغز میں پائے جاتے ہیں۔ انہی مرکزوں سے اعصاب تمام جسم میں

پھیلے ہیں جس طرح کہ ٹیلی فون کے تار ٹیلی فون کے مرکز سے منتشر ہوتے ہیں، ہر عصبی خط میں دو تار پائے جاتے ہیں، ایک تار کے ذریعہ سے نبضات صاعدہ خارج سے مرکز کی طرف اور دوسرے تار کے ذریعہ سے نبضات صادرہ مرکز سے خارج کی طرف منتقل ہوتے ہیں، اگر تمہارے ہاتھ میں سوئی چبھوئی جائے تو پہلے اس چبھن کی خبر حساس صاعدہ کے ذریعہ سے دماغ تک پہونچے گی، پھر دماغ کی طرف سے اس تار کو حکم دیا جائے گا، جو عضلات کو حرکت دیتا ہے کہ ہاتھ کو اس جگہ سے ہٹائے جہاں سوئی چبھی ہے۔

اسلاک عصبی کی تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ سلک عصبی پر ایک ایسا غلاف چڑھا رہتا ہے جس سے وہ اپنے ماحول کے تاروں سے مل نہیں سکتا اور نہ ایک عصب کی حرکت دوسرے میں منتقل ہو سکتی ہے اور یہ بعینہ وہی اصول ہے جس کی بنا پر بجلی کے تار ایک دوسرے سے متصل نہیں رکھے جاتے۔

حرکت عصبی چونکہ اسلاک عصبی اور اسلاک کہربائی میں نہایت شدید تشابہ ہے اس لئے بعض نے دونوں حرکتوں کو ایک ہی خیال کیا ہے، اور یہ حکم لگایا ہے کہ دونوں ایک رفتار سے متحرک ہوتے ہیں، لیکن تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ حرکت عصبی بہ نسبت حرکت کہربائی کے بہت آہستہ ہوئی ہے، یعنی حرکت عصبی کی رفتار ایک سکنڈ میں صرف ایک سو پچاس فٹ ہے، اور یہ حرکت بھی مختلف حیوانات کے مزاجوں کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے یعنی جن حیوانات کے خون میں برودت زیادہ ہوتی ہے ان میں حرکت عصبی آہستہ بڑھتی ہے۔ ان اختلافات سے ثابت ہوتا ہے کہ حرکت عصبی حرکت کہربائی سے علحدہ ہے مگر یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ حرکت عصبی کے ساتھ حرکت کہربائی بھی ایک حد تک شامل ہے۔ اگرچہ اسکا احساس نہیں ہوتا۔

اب یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ حرکت عصبی کیونکر اعصاب کے تاروں میں منتقل ہوتی ہے، اس کے لئے ہم کو ڈاکٹر ڈاوڈ فراسر ہارسیس کی کتاب "الاعصاب" کو پڑھنا چاہئے۔ ڈاکٹر موصوف اس کتاب میں ایک موقع پر لکھتا ہے۔

"اس میں شک نہیں کہ اعصاب کی جنبش ایک قسم کی حرکت عملی ہے، یعنی عضلات کی تحریک کسی خاص عامل کے عمل سے ہوتی ہے، اور اس عامل کا صدور مرکز عصبی سے ہوتا ہے۔ حرکت عصبی ایک اعصاب کی طرف سے دوسری طرف منتقل ہوتی ہے" اس تموج عملی کی اگر تحلیل کی جائے تو اسکا مفہوم صرف یہی نکلے گا کہ یہ تموج دقائق اعصاب کے اضطراب سے عبارت ہے، اور اس کے لئے ان دقایق کا اہتزاز ضروری ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ مادہ عصبی ایک طرف سے دوسری طرف منتقل نہیں ہوتا، یعنی کوئی مادی چیز مرکز اعصاب سے نکلکر اسلاک اعصاب میں پہونچکر ان کو حرکت نہیں دیتے بلکہ ایک تموج اہتزازی اسلاک عصبی کے ذریعہ سے منتقل ہوتا ہوا عضلات سے متصادم ہوتا ہے اور یہی تصادم عضلات کی حرکت کا باعث ہوتا ہے، اور چونکہ دلائل سے یہ بھی ثابت ہے کہ جنبش اعصاب میں ایک کیمیائی عمل بھی شامل ہوتا ہے جس سے ایک برقی رو پیدا ہوتی ہے اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ اعصاب کی جنبش ایک کیمیائی لہر ہے جو اعصاب کے ریشوں میں ایک طرف سے دوسری طرف منتقل ہوتی ہے تو غلط نہیں۔

اگر سنگ مرمر کی میز پر ایک طرف سینے کی مشین چل رہی ہو اور اس کی دوسری طرف تم اپنا ہاتھ رکھو تو تمکو سنگ مرمر کے

اہتزاز سے ایک خاص قسم کی حرکت محسوس ہوگی، یہ اہتزازی حرکت اعصاب کی حرکت اہتزازی کی ایک بعید تشبیہ ہوسکتی ہے۔

الحاصل حرکت عصبی کا انتقال، دقائق اعصاب کی حرکت اہتزازی سے عبارت ہے۔

اعصاب کی حرکت ارتعاشی پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ دقائق اعصاب اہتزازی حرکت کرتے ہیں اور اسی کے ذریعہ سے احساس منتقل ہوتا ہے، دقائق اعصاب کی اس حرکت اہتزازی کے علاوہ اعصاب کی ایک حرکت کلی بھی ہے اس حرکت کے متعلق ڈاکٹر ہارکیس مذکور لکھتا ہے۔

"مختلف دلائل سے ثابت ہوچکا ہے کہ اعصاب میں ایک خفیف سی حرکت ارتعاشی بھی ہوتی رہتی ہے جو باصرہ اور لامسہ سے محسوس نہیں ہوسکتی، دلائل سے ثابت ہوچکا ہے کہ یہ حرکت ارتعاشی ایک دوری حرکت ہے جو ایک ثانیہ میں ۱۰ سے ۱۲ مرتبہ تک ہوتی ہے، یہ معلوم کیا گیا ہے کہ جب ہاتھ کسی چیز کے اٹھانے کے لئے اوپر کی طرف کھنچتا ہے تو عضلات میں ایک ارتعاش حرکت ۱۰ سے ۱۲ مرتبہ فی ثانیہ کی اوسط سے ہوتا ہے۔

عضلات خواہ سکون کی حالت میں ہوں یا حرکت کی حالت میں ان میں ہر وقت ایک دائمی ارتعاش رہتا ہے، اگر تم اپنے دونوں کانوں کو آہستگی سے بند کرو اور ایک جبڑے کو دوسرے پر خوب جماؤ تو اس وقت تم کو اس حرکت ارتعاش کی آواز سنائی دیگی"۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اعصاب کی حرکت میں وہ حرکت جو مرکز اعصاب سے صادر ہوتی ہوئی عضلات تک پہونچتی ہے اہتزازی حرکت ہے کیونکہ مرکز میں اہتزاز پیدا ہوتا ہے اور یہ اہتزاز تموج کی صورت میں مرکز سے عضلات تک پہونچتا ہے"

اب ہم حرکت ساعدہ پر غور کرتے ہیں جو اطراف اعصاب سے شروع ہوکر اعصاب کے سلک حساس میں منتقل ہوتی ہوئی دماغ تک پہونچتی ہے۔

حرکت سلک عصبی

حاسہ بصری:- یہ بات معلوم ہے کہ چیزیں انعکاس نور کے ذریعہ سے نظر آتی ہیں اس لئے جہاں روشنی نہیں ہوتی وہاں بصارت بھی مفقود ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ روشنی ایتھر کے تموجات سے عبارت ہے۔

بینائی یا بصارت کیا چیز ہے؟

ایتھر کی موجیں پے در پے پتلی سے متصادم ہوتی رہتی ہیں اور اس تصادم سے اعصاب بصارت متاثر ہوکر اہتزاز کرتے ہیں اور یہی اسلاک عصبی کے ذریعہ دماغ کے مرکز بصارت میں پہونچتا ہے اور وہاں بھی اسی کے مطابق اہتزاز پیدا کر دیتا ہے۔

روشنی سات مختلف رنگوں کی شعاعوں سے مرکب ہے اور یہ رنگ قوس قزح یا موشور (مثلثی شیشہ) کے ذریعہ سے نظر آتے ہیں۔

رنگوں کے درمیان ہم کیونکر تمیز کرسکتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ طیف شمسی کے الوان سبعہ میں ہر ایک رنگ کی شعاع ایک خاص اہتزاز رکھتی ہے اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ سرخ رنگ میں سب سے کم اور بنفشی رنگ میں سب سے زیادہ اہتزاز ہوتا ہے، روشنی میں انحلال کے بعد سات رنگ جس

ترتیب سے نظر آتے ہیں اس لحاظ سے ان میں سرعت ہوتی ہے یعنی سب سے پہلا رنگ بہت آہستہ اور آخری رنگ نہایت سریع اہتزاز کرتا ہے۔ الوان سبعہ کی ترتیب یہ ہے، سرخ، نارنگی، زرد، سبز، نیلا، آسمانی، بنفشئی،

آنکھ رنگوں کے درمیان فرق کرتی ہے اور یہ انھیں رنگوں کے اہتزازات کی بنا پر ہوتا ہے، اعصاب بصری میں یہ قابلیت موجود ہے کہ وہ الوان سبعہ کے مختلف اہتزازات کو اس اختلاف کے ساتھ قبول کر سکیں اور اس کے ذریعہ سے ان کے درمیان فرق محسوس کر سکیں اور ان سات رنگوں کے علاوہ جو اور اہتزاز ہوتے ہیں انہیں قبول نہیں کر سکتے، طیف شمسی میں علاوہ سات رنگوں کے بہت سے سیاہ خطوط پائے جاتے ہیں، ان کے خطوط کے متعلق یہی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ حقیقت میں سات رنگوں کے علاوہ اور رنگ ہے جن کو اعصاب محسوس نہیں کر سکتے، یہی خیال ہے کہ سرخ رنگ کے نیچے اور بنفشئی سے اوپر اور متعدد رنگ ہیں جنکے اہتزازات کو آنکھ قبول نہیں کر سکتی اور اسی وجہ سے ان کے ادراک سے انسان قاصر ہے، چنانچہ منجملہ ان رنگوں کے جو بنفشئی کے اوپر ہیں رونتجن کی شعاعیں بھی ہیں جو آنکھ پر اثر نہیں ڈالتیں مگر انکے وجود پر ایک خاص طریقہ سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

ہماری قوت متخیلہ میں اعصاب بصری کے ذریعہ سے جو کچھ منتقل ہوتا ہے وہ اہتزازی حرکت رکھتا ہے اور ہم اشیاء کے درمیان اُن کے اختلاف اہتزازات کی باہمی نسبت کی بنا پر فرق کرتے ہیں، مبصرات کی تمیز حیوانات میں یکساں نہیں ہے کیونکہ حیوانات بصری میں ان اہتزازات کے قبول کرنے کی قابلیت مختلف ہے، بعض حیوانات بعض رنگوں کے درمیان فرق کر سکتے ہیں اور بعض نہیں کر سکتے یہانتک کہ خود افراد انسانی کے درمیان اختلاف ہے بعض آدمی دو متشابہ رنگوں میں فرق کر سکتے ہیں اور بعض اس سے قاصر ہیں

حاسہ سمعی

سامعہ اور باصرہ کی بالکل ایک حالت ہے، ہم مختلف آوازوں کے درمیان جو فرق کرتے ہیں اسکی بنا ہوا کے ضعیف یا قوی اہتزازی تموج پر منحصر ہے جو آواز کرنے والے اجسام سے پیدا ہوتا ہے۔

آواز کی حقیقت یہ ہے کہ آواز ایک تموج ہے جو ہوا کے ذریعہ سے منتقل ہوتا ہوا طبل سماعت سے ٹکراتا ہے اور اس سے اس تموج کے بالکل مطابق اہتزاز پیدا ہوتا ہے اور طبل سے متصل جو اعصاب ہیں ان میں یہ اہتزاز منتقل ہو کر مرکز سماعت تک پہونچتا ہے جس سے وہ بھی اسی کے مطابق اہتزاز کرنے لگتا ہے، اور انسان آواز کو سن لیتا ہے۔

شامہ، ذائقہ، اور لامسہ کے احساسات بھی اسی طرح اپنے مرکزوں تک پہونچتے ہیں۔

ادراکات عقلی

ادراکات عقلی جو ہمارے دماغ کے مراکز عقلی تک پہونچتے ہیں یہ بھی در اصل اعصاب کی حرکات اہتزازی ہیں اور اہتزازات کے اختلاف سے ان میں باہم تمیز کی جاتی ہے، کیونکہ جب حرکت سے حرکت ہی پیدا ہوتی ہے اس لئے یہ ممکن نہیں کہ اعصاب کی حرکت اہتزازی جو محسوسات سے پیدا ہوتی ہے حرکت پیدا نہ کرے،

حرکات دماغی کے نتائج

جب یہ ثابت ہو چکا کہ فعل عقلی مرکز دماغی کے دقایق کی حرکت ہے، جو اسلاک عصبی کے اہتزاز سے پیدا ہوتی ہے اور یہ اہتزاز محسوسات کے ادراک کا نتیجہ ہوتا ہے تو اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے

کہ اس حرکت کے نتائج کیا ہیں کیونکہ ہم مقالۂ اول میں لکھ چکے ہیں کہ حرکت ضائع نہیں جاتی بلکہ مادہ، زمان اور مکان کی طرح یہ بھی غیر متناہی اور مختلف صورتیں اختیار کرتی چلی جاتی ہے اور اکات عقلی بھی حرکت ہی کی ایک قسم ہے لہذا اس کے غیر متناہی نتائج کیا ہو سکتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ افعال عقلیہ کے مظاہر ہمارے کلام اور ہمارے افعال میں نظر آتے ہیں۔ تعلیم، تربیت، تفنن، بحث مباحثہ، ان تمام اعمال میں جنکا صدور قوائے عقلیہ سے ہوتا ہے اعصاب کا استعمال ضروری ہے، زبان کے اعصاب کلام کرنے کیلئے، انگلیوں کے اعصاب کتابت، تصویر اور موسیقی، وغیرہ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، اسی طرح تمام مدرکات عقلی کے نتائج تحریک اعصاب کی صورت میں نمایاں ہوتے ہیں، حرکت عقلی مرکز دماغی میں اسی طرح محفوظ ہے جس طرح حرارت نباتات میں، اور ضرورت کے وقت یہ حرکت عقلی، تموجات اہتزاز کی صورت میں اسلاک عصبی کے ذریعہ سے منتقل ہوتی ہے اور اس سے تعلیم، کتابت وغیرہ کے افعال صادر ہوتے ہیں، غرض جس طریقہ سے حرکات دماغ میں داخل ہوتی ہیں اسی طریقہ سے خارج ہوتی ہیں۔

افعال عقلی کی ایک قسم اور بھی ہے جسکا اثر براہ راست ہمارے ظاہری افعال میں نمایاں نہیں ہوتا، یہ قسم تفکر اور تامل ہے۔ جس میں تمام ہماری عقلی قوتیں مشغول ہوتی ہیں یہ تاملات بھی ایک قسم کی حرکت ہیں جسکا اثر افعال ظاہرہ پر نہیں پڑتا، جب ہم کسی فکر سے فارغ ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فکر ایک خواب تھا۔ اور اب اس کا اثر کچھ بھی نہیں رہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حرکات فکری بھی ایک زبردست نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔

حرکت عصبی کا انتقال ایتھر میں حرکت فکری ایتھر میں منتقل ہوتی ہے کیونکہ ایتھر غایت درجہ لطف بھی ہے جو تمام اجسام کے دقایق اور جواہر میں داخل ہے، جب ہم اپنے قوائے عقلی مثلاً حافظہ متخیلہ اور متصورہ وغیرہ کو کام میں لاتے ہیں تو ان قوتوں کے مرکز دماغی میں اہتزازی حرکت پیدا ہوتی ہے، چونکہ دماغ میں ہر ہر جگہ ایتھر موجود ہے لہذا یہ اہتزاز ایتھر میں منتقل ہوتا ہوا چلا آتا ہے اور یہ اہتزاز اپنے محل مصدر کے بالکل مطابق ہوتا ہے۔

حرکت فکری کا اثر اسلاک عصبی پر بھی ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ان اسلاک میں اہتزاز پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے ایتھر بھی اہتزاز میں آجاتا ہے۔

بعض وقت عمیق تصور کرتے وقت انسان سے بلا امتیاز کوئی حرکت یا کوئی بات صادر ہو جاتی ہے یہ بھی حقیقت میں دماغ کی حرکت فکری کا نتیجہ ہے، اس لئے حرکت فکری صرف ایتھر کو متاثر نہیں کرتی بلکہ بعض وقت نظام عصبی میں بھی حرکت پیدا کر دیتی ہے۔

علمائے فزیالوجی نے ثابت کر دیا ہے کہ اعصاب کی حرکت کے ساتھ ایک برقی رو بھی شامل ہوتی ہے، یہ برقی رو جب اسلاک اعصاب میں منتقل ہوتی ہے ایتھر کی موجوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس لئے حرکت فکری اس صورت سے بھی ایتھر میں تحریک پیدا کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔

توارد افکار جب یہ معلوم ہوا کہ دماغ کی حرکت فکری ایتھر کے دقایق میں ایک خاص قسم کا اہتزاز پیدا کرتی ہے اور ایک

فکر اور خیال کا اہتزاز دوسرے سے علٰحدہ ہے تو یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا، بعض وقت ایک ہی لمحہ میں دو شخصوں کے ذہن میں ایک ہی خیال کا پیدا ہونا اسی اہتزاز کا اثر ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ بعض وقت جب کسی شخص کے دماغ میں ایک خاص خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کے دقائق دماغی میں ایک خاص قسم کا اہتزاز پیدا ہونے لگتا ہے اور یہ اہتزاز بذریعہ ایتھر منتقل ہوکر دوسرے کے دقائق دماغی میں اس نوع کا اہتزاز پیدا کر دیتا ہے اور دوسرے شخص کے ذہن میں بھی وہی بات آجاتی ہے، اس موقع پر ایک سطحی اعتراض یہ ہوسکتا ہے کہ اگر توارد افکار کی یہی وجہ ہے تو چاہئے کہ اگر ایک مجلس میں دس آدمی بیٹھے ہیں اور ایک آدمی نے کوئی بات سوچی تو سب کے دماغ میں وہی بات آجانی چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اس لئے توارد افکار محض ایک اتفاقی امر ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جب دو یا اس سے زیادہ اشخاص ایک مجلس میں بیٹھے ہوں تو ایک شخص کا ذہن کسی خاص خیال میں مشغول رہتا ہے اور چونکہ اس کے ذاتی خیال میں اس کے دماغ کے دقائق حرکت کرتے رہتے ہیں اس لئے وہ دوسرے اہتزاز کو جو اس کے قریب والے شخص کے دماغ سے منتقل ہوتا ہوا پہونچتا ہے قبول نہیں کرسکتے، ہاں اگر دونوں ایک ہی خیال میں مستغرق ہوں اور ایک ہی قسم کی باتیں سوچ رہے ہوں تو اسوقت توارد اکثر واقع ہوجاتا ہے کیونکہ اس حالت میں دونوں دماغوں کے دقائق ایک ہی طرح حرکت کرتے ہیں اس لئے وہ خارجی تحریک کو جو اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی بہ آسانی قبول کرلیتے ہیں، اس سے مراقبہ اور درویشوں کے توجہ ذہنی کی حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے۔ قلت توارد کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایتھر کے تموجات کروی شکل میں پھیلتے ہیں اور جسقدر وہ ہوا یا ایتھر میں پھیلتے جاتے ہیں اسی قدر کمزور ہوتے جاتے ہیں، لہذا جو شخص قریب ہوتا ہے اس کے دماغ پر بہ نسبت دور والے کے زیادہ اثر پڑ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ "قرأت افکار" کی مشق کرتے ہیں وہ اپنا ہاتھ دوسرے کے دماغ پر رکھ کے اسکا خیال بتا دیتے ہیں۔

ایک اور وجہ قلت توارد کی یہ ہے کہ توارد صرف انہیں اشخاص میں پیدا ہوتا ہے جو ہم خیال ہوں اور دونوں کی فزیالوجکل ترتیب ایک طرح پر ہو، ان اشخاص میں توارد خیال بہت کم ہوتا ہے جن کے خیالات اور اخلاق میں کوئی وجہ مشترک نہ پائی جاتی ہو۔

جو لوگ قرأت افکار کی مشق کرتے ہیں وہ اپنے ذہن کو نئے خیالات اخذ کرنے کا عادی بناتے ہیں اور انکی مشق اس درجہ قوی ہوجاتی ہے کہ وہ آسانی سے اس خیال میں جو خارج سے ان کے دماغ میں پیدا ہوتا ہے اور اس خیال میں جو ذاتی طور پر ان کے دماغ میں پیدا ہوتا ہے آسانی سے فرق کرسکتے ہیں جس طرح دوسرے شخص کا خیال معلوم کرنے کی مشق ہوسکتی ہے اسی طرح دوسرے کو اپنا ہم خیال بھی بنایا جاسکتا ہے، یعنی انسان اسقدر مشق حاصل کرسکتا ہے کہ وہ دوسرے کی دماغی دنیا میں اپنے خیال کے مطابق انقلاب پیدا کرسکے۔

اگر یہ ثابت ہوجائے کہ فکر روحانی ایک عمل ہے اور مادہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہے (جیسا کہ روحیین کا دعویٰ ہے)

تو ممکن ہے کہ مردہ اشخاص کی روحوں سے بھی گفتگو کرنے کی مشق پیدا کر لی جائے، چنانچہ اسوقت روحانی اور مادی، دونوں مذہب والے اپنی اپنی رائے کے موئدات پیش کرتے ہیں، لیکن یہ مسئلہ ابھی تک طے نہیں ہوا ہے، ممکن ہے کہ روحانی اور مادی جماعتیں دونوں کسی وقت ایک نقطہ پر جمع ہو جائیں اور یہ صرف اسوقت ہوگا جب کہ عالم روحانی اور ایتھر کو ایک ہی تسلیم کر لیا جائے۔

گذشتہ صفحات میں دماغ کے دقائق کی اہتزازی حرکت سے انتقال افکار کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے وہ ابھی تک ایک غیر متیقن نظریہ کی شان رکھتی ہے، اس لئے اس کو حقائق ثابتہ کی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس وقت تک اسکے اثبات میں جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ کچھ زیادہ قوت نہیں رکھتے، البتہ یہ ضروری ہے کہ عالم حیات کے بہت سے مظاہر طبعی اسکی تائید کرتے ہیں۔

حرکات فکری کے علاوہ اور بھی ایسی بہت سی حرکات ہیں جنمیں عصبی اور عقلی دونوں عمل شریک ہوتے ہیں اور مادی و ایتھری دونوں حرکتیں کام کرتی ہیں اور یہ وہ حرکتیں ہیں جو محاکات اور تقلید کی صورت میں نمایاں ہوتی ہیں۔

محاکات رفتار جب دو شخص برابر چلتے ہیں تو بعض وقت انکے قدم ملجاتے ہیں، خاص کر فوجی لوگ تو اکثر قدم ملا کر چلتے ہیں ظاہر ہے کہ ہر قدم کے لئے قدم اٹھانے والا یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ دوسرے کے موافق قدم اٹھائے بلکہ مشق کے بعد خود بخود موافق قدم اٹھتے جاتے ہیں، یہ توافق رفتار حرکت کے ناموس محاکات پر مبنی ہے، اس محاکات میں دو سبب کام کرتے ہیں۔

۱- جب ایک شخص قدم اٹھاتا ہے تو اس کے ساتھ ہوا میں ایک تموج پیدا ہوتا ہے اور جب دوسرا شخص بھی اسکے موافق قدم اٹھاتا ہے تو دونوں کا تموج بھی موافق ہو جاتا ہے اس کے بعد یہ تموج دونوں کو ایک ساتھ قدم اٹھانے میں مدد دیتا ہے۔

۲- جب ایک شخص زمین پر قدم رکھتا ہے اور اس کی آواز دوسرے کے کانوں میں پہونچتی ہے تو اس کے دماغ سے دوسرے قدم کو اس کے موافق اٹھانے کے لئے حکم صادر ہوتا ہے اور اس طرح برابر قدم اٹھتے چلے جاتے ہیں، اس محاکات میں تین قسم کے اہتزازات ہوتے ہیں، ایک اہتزاز احساسی جو دوسرے کے قدم کی آواز سننے سے پیدا ہوتا ہے، دوسرا اہتزاز امری جو دماغ کے حکم سے اعصاب میں پیدا ہوتا ہے، تیسرا اہتزاز محرک جو اعصاب میں تعمیل حکم کے لئے پیدا ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے پیر کو جنبش دی جاتی ہے۔

محاکات تغنی محاکات حرکت بعض صورتوں میں عجیب طرح نمودار ہوتی ہے، اگر ایک جگہ دو شخص بیٹھے ہوئے کسی خیال میں بالکل مستغرق ہوتے ہیں، اور ایک ان میں سے کوئی شعر گانے لگتا ہے تو بعض وقت دوسرے کی زبان پر بھی وہی شعر آ جاتا ہے، حالانکہ وہ اس کے پڑھنے کا مطلق ارادہ نہیں کرتا ہے بلکہ وہ بلا اختیار اور قوت ارادی سے مشورہ لئے بغیر گانا شروع کر دیتا ہے اور کچھ دیر کے بعد جب ان دونوں کو اپنے استغراق سے فرصت ملتی ہے تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں ایک ہی شعر کیساتھ تغنی کر رہے تھے، اور یہ صرف ان اشعار میں ہو سکتا ہے جو مشہور ہیں اور عام طور سے زبان پر رہتے ہیں۔

اس محاکات کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک شخص کوئی شعر پڑھنا شروع کرتا ہے تو اس کی آواز سے ہوا میں خاص قسم کا

اہتزاز پیدا ہوتا ہے جو منتقل ہوتا ہوا دوسرے کی قوت سامعہ پر اثر ڈالتا ہے اور اس کے دماغ میں بھی اس کے مطابق اہتزاز پیدا کرتا ہے اور وہی شعر جو پہلے سے اس کی خزانۂ دماغ میں مخفی محفوظ تھا زبان پر آجاتا ہے، مگر چونکہ وہ شخص کسی خاص خیال میں مستغرق ہوتا ہے اور اس کی تمام تر توجہ اس طرف ہوتی ہے لہذا اسے خبر نہیں ہوتی کہ اس کی زبان پر کونسا شعر ہے۔ محاکات تغنی کے اصول پر رقص، اور تالی بجانے میں بھی محاکات پیدا ہوتی ہے۔

بچوں کی تقلید بچوں میں تقلید بہت زیادہ پائی جاتی ہے کیونکہ یا تو ان کی ارادی قوت کسی دوسری طرف مشغول ہوتی ہے، یا اسقدر ضعیف ہوتی ہے کہ دماغ کے مرکزوں پر اسکا پورا اقتدار نہیں ہوتا اس لئے بچہ اپنے خیال میں بڑوں کی تقلید کرتا ہے، چھوٹے بھائی بڑے بھائی کی تقلید کرتے ہیں اور بڑے بھائی اپنے باپ کی تقلید کرتا ہے، کھیل، رفتار، گفتار، رونے، ہنسنے، کھانے، پینے یہاں تک کہ تمام جزئی اور کلی افعال میں بچے اپنے بڑوں کی تقلید کرتے ہیں، بچوں میں تقلید کا مادہ اس لئے زیادہ ہوتا ہے کہ ان کے خزانۂ دماغی میں مدرکات عقلی نہیں ہوتے، یا بہت کم ہوتے ہیں اس لئے انکا دماغ خارجی اہتزازات قبول کرنے کے لئے بہت زیادہ مستعد ہوتا ہے، بیٹا جو باپ کی تقلید کرتا ہے تو یہ صرف فزیالوجکل وراثت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس میں قانون محاکات بھی بڑی حد تک موثر ہیں، یہی وجہ ہے کہ جو والدین اپنے بچے کی خود تربیت نہیں کرتے بلکہ کسی دوسرے تربیت کرنیوالے شخص کے سپرد کردیتے ہیں وہ بچہ بجائے اپنے والدین کے اپنے مربی کے اخلاق کا نمونہ ہوتا ہے۔

تفاوت محاکات محاکات افراد انسانی میں بہ نسبت حیوانات کے زیادہ پائی جاتی ہے، لیکن افراد انسانی کے درمیان محاکات میں تفاوت بھی ہے۔ کیونکہ محاکات میں طرفین کے درمیان تناسب کی بھی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے بچے بہ نسبت اپنے پڑوسیوں کے والدین کی تقلید زیادہ کرتے ہیں، اس طرح ایک شہر والے بہ نسبت اجنبی لوگوں کے اپنے شہر یونکے زیادہ مقلد ہوتے ہیں، اسی طرح ایک ملک والے غیر ملکیوں کی بہ نسبت اپنے اہل وطن کی زیادہ تقلید کرتے ہیں۔

حیوانات میں وہ حیوان انسان کی بہت زیادہ تقلید کرتا ہے جس کے مراکز دماغی انسان سے زیادہ مشابہ ہیں، مثلاً "بندر" کیونکہ بندر کے مراکز دماغی تمام جانوروں کی بہ نسبت انسان سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں اسی نقل کا مادہ بندر میں بہت زیادہ ہے انسان کے حرکات سے جو اہتزازات ایتھری پیدا ہوتے ہیں انکو اسکا دماغ نہایت آسانی سے قبول کرلیتا ہے۔

چونکہ محاکات میں تناسب کی ضرورت ہے اس لئے اجنبی اقوام کی عادات و اخلاق کو بجائے تقلید کرنے کے نہایت نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ غیر قوموں کی موسیقی ہم کو لطف نہیں دیتی، اسی طرح غیر قوموں کو ہماری موسیقی سے لطف حاصل نہیں ہوتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ ہمارے دماغ میں موسیقی کا جو مرکز ہے وہ اپنی موسیقی کا خوگر ہوگیا ہے یعنی جب ہم موسیقی سنتے ہیں اور اس کے اہتزازات ہمارے مرکز موسیقی تک پہونچتے ہیں تو بھی اس کے مطابق اہتزاز کرنے لگتا ہے، اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اسی قسم کے اہتزازات سے مانوس ہوتا ہے، اور جب ہم کسی

دوسری قوم کی موسیقی کو سنتے ہیں تو ہمارے دماغی مرکز کو اپنی مرغوب عادت کے خلاف اہتزاز کرنا پڑتا ہے، جس سے وہ بجائے لطف اٹھانے کے اذیت پاتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ جب ہم کو غیر ملکی موسیقی سے مناسبت ہوجاتی ہے تو اس سے بھی لطف آنے لگتا ہے۔

غیر زبانوں کے تلفظ میں التباس

اگر تم کسی اجنبی زبان کا کوئی لفظ اسی لہجہ میں سنو اور اس زبان سے تم کو واقفیت نہ ہو تو تم مشکل سے اس کے حروف میں فرق کر سکوگے، مثلاً یونانی زبان میں ق اور ب کا فرق اور ترکی میں ذ اور ط کا فرق مشکل ہے اور اس فرق کو اہل زبان ہی سمجھ سکتا ہے، یا وہ شخص جو ایک مدت تک ان میں رہا ہو روسی، جاپانی، اور چینی وغیرہ جو ہم سے بہت زیادہ اجنبی ہیں ہم ان کے حروف کے درمیان بہت کم فرق کر سکتے ہیں بلکہ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید ان زبانوں کے تہجی بالکل مختصر ہیں، ان غیر متمیزہ حروف کی شکل بالکل ان سیاہ خطوط کی طرح ہے جو طیف شمسی میں نظر آتے ہیں، حقیقت میں یہ خطوط سات رنگوں کے علاوہ اور رنگ ہیں مگر چونکہ ہماری آنکھیں انہیں نہیں دیکھ سکتی یا انکے درمیان فرق نہیں کر سکتی اس وہ سب ہم کو سیاہ نظر آتے ہیں اسی طرح ہر ایک لفظ کے تلفظ سے خاص قسم کے اہتزازات پیدا ہوتے ہیں، اب اگر ان اہتزازات سے ہمارے مراکز دماغی پہلے سے خوگر ہیں۔ تو ہم ان حروف کو سمجھ جاتے ہیں اور ان کے درمیان فرق کر سکتے ہیں، اور اگر ہم ان کے عادی نہیں ہیں تو بہت کم فرق کرتے ہیں یا بالکل نہیں کر سکتے

یہی حال ایک ہی زبانوں کے مختلف لہجوں کا ہے ہم اپنی زبان کے مختلف لہجوں میں بآسانی فرق کر سکتے ہیں، لیکن دوسری زبان کے مختلف لہجوں میں فرق کرنا دشوار ہوجاتا ہے۔

ہم شکل اشخاص میں التباس

افراد انسانی کی صورتوں میں فرق کرنا بھی اسی طرح مشکل ہوجاتا ہے، ہم اپنے خاندان کے دو بھائیوں میں جو ایک دوسرے سے بہت ہی مشابہ ہوں آسانی سے فرق کر سکتے ہیں مگر بعض وقت غیر خاندان والا مشکل سے ان میں تمیز کر سکتا ہے۔ اسی طرح ہم اپنی قوم کے افراد میں آسانی سے فرق کر سکتے ہیں اور چینی، جاپانی، بخاری، وغیرہ ہمکو ایک ہی شکل کے نظر آتے ہیں

گذشتہ مقالات سے واضح ہوتا ہے کہ عالم کا ایک ایک ذرہ بالاستمرار حرکت میں ہے، تمام مظاہر قدرت جمادات، نباتات اور حیوانات کی تولید، ان کے مختلف انقلابات، ادوار حیات کے تمام تغیرات، غرض عالم کائنات کا ادنے سے لے کر اعلیٰ ترین واقعہ قوانین حرکت کے تابع ہے اور جو کچھ نظر آرہا ہے صرف حرکت دوری اور اہتزازی قوت کا نتیجہ ہے اسلئے یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ وجود حرکت ہے اور سکون فنا۔

اب ہم حرکت اجتماعی پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ اجتماعی حرکات بھی اہتزاز دقائق کا کرشمہ ہیں۔

ہمدردی اور عناد

ہم کہتے ہیں کہ فلاں کو فلاں سے ہمدردی (Sympathy) ہے یا فلاں کو فلاں سے عناد ہے (antipathy)۔ ہمدردی، عناد، محبت، نفرت، توافق، اور تنافر سے کیا مراد ہے، اگر ہم کہیں کہ محبت کے معنی ذوق، اخلاق، اور مزاج کا تناسب اور تشابہ ہے اور نفرت اس کے برعکس ہے تو یہ تعریف خود تعریف کی محتاج ہے، بلکہ تعریف الشیٔ بالشیٔ سے آگے نہیں بڑھتی، لیکن تاہم اس سے ایک گونہ وضاحت ہوسکتی ہے۔

اگر ہم نے دو شخصوں کو کبھی نہیں دیکھا اور پھر ہم انہیں دفعتاً دیکھتے ہیں، تو ایک شخص کی طرف ہم اپنا طبعی رجحان اور دوسرے کی طرف بغض محسوس کرتے ہیں، حالانکہ ہم کو دونوں کی اخلاقی اور ذوقی حالت کا مطلق علم نہیں ہے، اسکی کیا وجہ ہے۔؟

محبت اور نفرت کی چاہے کچھ تعریف بیان کی جائے، مگر سب کا رجوع، نظام عصبی بلکہ مراکز دماغ کی طرف ہوتا ہے، دماغی مراکز ہمارے اخلاق وعادات کا محل صدور ہیں، ہمارے تمام مظاہر عقلی اور اخلاقی وہیں سے پیدا ہوتے ہیں۔

جس شخص کے ساتھ ہم کو الفت ہوتی ہے اس کے دماغی اہتزازات ہمارے اہتزازات سے مشابہ ہوتے ہیں اور جس سے بغض ہوتاہے اس کے اہتزازات برعکس،

اگر دو شخصوں کے اہتزازات دماغی ایک دوسرے کے بالکل مشابہ ہیں تو بغیر معرفت سابقہ کے اس سے محبت ہوجاتی ہے، اور اگر خلاف ہیں تو اس کی طرف دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

ہاں بعض وقت ایسا بھی ہوتاہے کہ ایک شخص کو دوسرے سے سخت محبت ہوتی ہے اور دوسرے کو اس سے سخت نفرت، لیکن حقیقت میں یہ محبت نہیں ہے بلکہ یہ ایک غیر صادق میلان ہے جو کسی مادی یا کسی اور غرض پر مبنی ہوتا ہے لیکن بعض وقت خود محبت کرنے والا ان مختلف اسباب میں فرق نہیں کرسکتا اور وہ اپنی محبت کو سچا خیال کرتا ہے۔

چہرے کے نقوش امیال وعواطف

چونکہ تمام اخلاق وعادات اور مدرکات محسوسات کا صدور دماغی مرکز سے ہوتا ہے، اور اعصاب کا اثر عضلات پر پڑتا ہے، اور اعصاب وعضلات ہی کے مخصوص اجتماع اور ترکیب سے جسم اور چہرے کی ساخت ہوتی ہے اس لئے چہرہ کے نقوش کو دیکھ کر انسان کے اخلاق وعادات پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے اور یہی علم قیافہ کی حقیقت ہے۔

نتیجہ

۱- حرکت کی تمام قسمیں (اجتماعی، حیاتی، اور جمادی) مختلف حرکات کا نتیجہ ہیں، اسی طرح یہ حرکات بھی اور حرکات کا نتیجہ ہیں اور یہ سلسلہ حرکات غیر متناہی ہے،

۲- ہم جس کو "قوت" سے تعبیر کرتے ہیں وہ حقیقت میں ایک حرکت ہے اور در اصل وہ حرکت بھی مختلف حرکات کا نتیجہ ہے۔ حرکات سببی کے سلسلہ کو چاہے جتنا پیچھے ہٹا دیا جائے اس کا سلسلہ ہرگز ختم نہ ہوگا جب تک ہم اس قابل نہ ہوں کہ مسبب بغیر سبب کے پیدا ہوسکے۔

۳- حرکت جو مختلف حرکات کا نتیجہ ہوتی ہے وہ ہر حالت میں دوری ہوگی۔

۴- تحول حرکت، دوری حرکت سے پیدا ہوتاہے اگر دوری حرکت نہ ہوتی تو تحول حرکت بھی محال ہوتا۔

۵- حرکت کا دوری ہونا اور اس کا تحول، حرکت کے تنوع اور اس کے غیر متناہی مظاہر کا سبب ہے، اگر حرکت صرف مستقیم اور بسیط ہوتی تو وہ مختلف صورتوں میں تبدیل نہ ہوسکتی، یا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ عالم کا وجود نہ ہوتا۔

نیاز

غزل

زدلم نہ گفتنے نہ ز تو شنیدنے
دلے اینقدر بدانم کہ غمت کشیدنے

نہ مژہ تراوشِ آرد نہ دلم چکیدنے
گرہے مگر ز تارِ نفسم بریدنے

زرہِ کرم سحر دی بہ برم چرا نہ گفتی
کہ قرارِ دست زمست بدلے تپیدنے

دلِ من ز التفاتِ نگہت خراب گشتہ
مگر او ہنوز محوِ غمِ نارسیدنے

چہ کنم بگو، بہ عہدِ نگہ فسوں طرازت
نہ مرا سرِ قرارے، نہ رہِ رمیدنے

تو و صد ہزار کیفِ نگہ شراب ریزے
منِ زار و ارتعاشِ لبِ ناچشیدنے

بہ زارم از چہ آئی بگذر، شتاب بگذر
کہ مرا ز شورشِ اکنوں سرِ آرمیدنے

زحدیثِ حسن و الفت خبرے جز ایں ندارم
نگہت خلیدنے، جگرم تپیدنے

سخنے مگو ز حسنِ نگہش نیازؔ اکنوں
کہ دلِ زبوں رسائے غمِ نارسیدنے

نیاز

غزل

تو و واعظ و ہوشے و کنارِ امن کوشے
منِ دلغزشے و سیلِ نمِ چشم میفروشے

نظرِ ستم پرستم چہ شود خبر ندارم
زنگاہِ کیف پرور اگرم دہی تو نوشے

چہ زید کسے بہ عہدِ نگہِ کرشمہ سازت
کہ چکد ہزار بابل زنگاہِ سحر کوشے

چو شدست حق پسندے بہ ہمیں مقالِ واعظ
نہ دہی مرا خدایا سرِ گوشِ حق نیوشے

نہ نیازؔ من ہمہ رو، دے دلِ پُر سکوں چو دیدے
سحر بیاض گردن، قمرے بہ ہند و دوشے

نیاز

باب الاستفسار

غوازی مصر، حشیشیون، اخوان الصفا

(جناب سعید احمد صاحب بمبئی)

کیا آپ براہ کرم غوازی مصر، حشیشیون، اور اخوان الصفا پر بطور مقالات کے کچھ لکھکر مجھے بعض شکوک کے رفع کرنیکا موقع دیں گے۔

(نگار) مناسب تو یہ تھا کہ آپ اپنے شکوک ظاہر کر دیتے اور انہیں کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی، لیکن چونکہ آپ نے ابھی انکا اظہار مناسب نہیں سمجھا اس لئے میں بھی اصرار نہیں کرتا اور مختصراً آپ کے تینوں عنوانات کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

(۱) غوازی، جمع ہے غازیہ کی۔ مصر میں رقاصہ عورتوں کا ایک مخصوص طبقہ غوازی مصر کہلاتا ہے، جو خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کرتی تھیں اور اطراف مصر میں اپنا رقص عریاں پیش کر کے کسب و معاش کی عادی تھیں۔ انکی معاشرت نہایت سادہ ہے اور تعلق ازدواج وہ اپنے ہی گروہ میں قایم کرتی ہیں۔ ان کے مرد عام طور سے نوکری اور تجارت وغیرہ میں مصروف رہتے ہیں، اپنی عورتوں کے ساتھ آوارہ نہیں پھرتے۔

غوازی میں ہنوز وہی وحشت باقی ہے جو اس سے قبل تھی، یا اب بھی جپسی (Gipsy) اقوام میں پائی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ان کی اصل فنیشیا کی قدیم اقوام سے ملتی ہے، رہا یہ امر کہ انہیں غوازی یا غازیہ کیوں کہتے ہیں۔ اس کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا، ممکن ہے کہ خود انہوں نے یا ان کے شیدائیوں نے حسن تاویل کی بنا پر ان کا یہ نام رکھ لیا ہو جس طرح ہندوستان میں پیشہ ور عورتوں کو بعض بازاری لوگ گروہ متوکلان سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب سے تقریباً ایک صدی قبل غوازی مصر عام طور سے سڑکوں پر اپنا رقص دکھایا کرتی تھیں، لیکن سنہ ۱۸۳۴ء سے قانوناً انکا رقص، شدت عریانی کی وجہ سے ممنوع ہو گیا ہے کیونکہ ان کے اس رقص کی وجہ سے فحش بہت بڑھ چلا تھا۔

---

(۲) حشیشیون سے مراد وہی طبقہ ہے، جو حروب صلیبی کے دوران میں شام کے پہاڑی قلعوں پر قابض تھا اور اپنے دشمنوں کو نہایت آزادی کے ساتھ قتل کر دیا کرتا تھا۔ انہیں حشیشیون اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حشیش (بھنگ) کا استعمال کرتے تھے علی الخصوص جب فدائیوں کو کسی کے قتل پر مامور کیا جاتا تھا تو اسے حشیش ضرور پلائی جاتی تھی تاکہ اسکا جوش فرو نہ ہونے پائے۔ یہ طبقہ، اسمٰعیلیہ جماعت کی ایک شاخ تھی اور عام اعتقادات و اصول مذہب میں دونوں ایک تھے البتہ فرق یہ تھا کہ

حشیشیوں کی سیاسی حیثیت ذرا الگ تھی، یہ اپنے سردار کی فرمانبرداری آنکھ بند کر کے کرتے تھے اور اپنے دشمن کو قتل کردینا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ علاوہ اس کے ان کی تمام تعلیمات نہایت مخفی رکھی جاتی تھیں اور سوائے اس شخص کے جو آکر اس سلسلہ میں داخل ہو، کسی کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہاں کیا ہوتا ہے۔ اس قبل ابو منصور العجلی اور مغیرہ بن سعید کے متبعین بھی جو خناق (گلا گھونٹ دینے والے) کہلاتے تھے اپنے دشمن کو ہلاک کر دینے کے عادی تھے۔

طبقۂ حشیشیوں کا موسس اول، حسن بن صباح تھا جس نے سنہ ۴۸۳ھ میں قلعۂ الموت پر قبضہ کر کے اپنے اصول کی تبلیغ شروع کی اور خاص خاص دشمنوں کو ہلاک کر کے اپنے قرب و جوار کے تمام قلعوں پر تسلط قائم کر لیا۔ چنانچہ آلِ سلجوق کا مشہور وزیر نظام الملک طوسی اسی گروہ کے ہاتھ سے شہید ہوا تھا۔

جب اسکے بعد ملک شاہ سلجوقی بھی قتل ہوگیا، تو دعویداران سلطنت کثرت سے پیدا ہوگئے اور ہنوز یہ قصہ طے نہوا تھا کہ حروبِ صلیبی کی ابتدا ہو گئی۔ اس ہنگامہ سے حسن بن صباح نے بہت فائدہ اٹھایا اور اس کی قوت بہت بڑھ گئی۔ جب سلجوق سلطان محمد اول تخت نشین ہوا، تو اس نے اس جماعت کی سرکوبی کے لئے بڑا اہتمام کیا۔ اس وقت قلعہ دسنرکوہ، جو اصفہان کے قریب واقع تھا، اور جسے ملک شاہ سلجوقی، شاہ دیز کہا کرتا تھا، ابن عطاش کے قبضہ میں تھا جو اس جماعت کا سردار تھا اور جو حسن بن صباح کو بھی اپنا شاگرد بتاتا تھا۔ بمشکل تمام یہ قلعہ مفتوح ہوا، اور ایک ترکی سردار نوشتگین شیر گیر، اس جماعت کے استیصال کے لئے مامور ہوا۔ یہ قلعۂ الموت تک پہونچ گیا تھا کہ محمد سلجوقی بادشاہ کا انتقال ہوگیا اور اسے محاصرہ اٹھالینا پڑا۔ اسکے بعد حسن بن صباح سات سال تک زندہ رہا اور سنہ ۵۱۸ھ میں۔ اس کے بعد صباح کئی جانشین ہوئے جنکی فہرست یہ ہے:-

حسن بن صباح	سنہ ۴۸۳-۵۱۸ھ	نور الدین محمد	سنہ ۵۶۱-۶۰۷ھ
بزرگ امید رودباری	سنہ ۵۱۸-۵۳۲ھ	جلال الدین بن حسن محمد	سنہ ۶۰۷-۶۱۸ھ
محمد بن بزرگ امید	سنہ ۵۳۲-۵۵۷ھ	علاء الدین محمد	سنہ ۶۱۸-۶۵۳ھ
حسن بن محمد	سنہ ۵۵۷-۵۶۱ھ	رکن الدین بن محمد	سنہ ۶۵۳-۶۵۴ھ

حسن بن صباح کے بعد خلفائے بغداد اور شاہان سلجوق نے بارہا اس جماعت کو مغلوب کرنے کی کوشش کی اور اسمیں شک نہیں کہ اسے بڑی حد تک پریشان کیا، لیکن پوری طرح استیصال نہ ہو سکا۔ یہ نہایت چالاکی اور ہوشیاری سے اپنے دشمنوں کو قتل کر دیتے تھے، اور حد درجہ جوش و خروش کے ساتھ اپنے اصول کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ شام کے ملک میں انکا قبضہ نہایت استوار ہوگیا تھا اور خلافتِ بغداد کا ضعف کسی طرح ان سے عہدہ برآ ہوتا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ حروبِ صلیبی میں انہوں نے عیسائیوں کی بہت مدد کی اور اس سیاسی چال سے متعدد قلعے، کہف، علیقہ، قدموس وغیرہ ان کے قبضہ میں آگئے۔

جلال الدین بن حسن چھٹے سردار نے خلیفہ بغداد کے پاس تحریری معذرت بھیجکر اپنے عقائد باطلہ سے توبہ کی اور اس کے بعد سے اس جماعت میں بہت اختلاف ہوگیا تاہم یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ رکن الدین بن محمد کے زمانہ میں ہلاکو نے خروج کیا

انگریزی میں Gnostic بھی کہتے ہیں۔

۳۳۔ Relationships = اعتبارات بہترین لفظ ہے۔

۳۴۔ Hylomorphism = اس کا ترجمہ حلول ہے اور دوسرا مترادف لفظ انگریزی میں Incarnation ہے۔

۳۵۔ Heretic = اسکا ترجمہ ملحد بھی غلط نہیں، لیکن زندیق زیادہ مناسب ہے۔

۳۶ Divine unity = توحید خداوندی کی ضرورت توحید کافی ہے۔

۳۷ Divinity = وحدانیت نہیں "الہیت" کہیئے۔

۳۸ Document = دستاویز قانونی لفظ ہے۔ مذہبی و تصوفی اصطلاح صحیفہ ہے۔

۳۹ Logical soul = روح منطقی نادرست ناطقہ کہیئے۔

۴۰۔ Inspiration = اس کا ترجمہ وحی آپ نے درست کیا ہے اس کے پہلے الفاظ major اور minor بڑھا دینے سے صحیح طور پر وحی و الہام کے معنے پیدا ہو سکتے ہیں۔

۴۱۔ Virtues کا ترجمہ فضائل کیجئے اور Privileges کا خصائص۔

۴۲۔ Precedent۔ بیشک سابق اور متقدم کو کہتے ہیں، لیکن اصطلاح فقہا میں اسے اثر کہتے ہیں۔

۴۳۔ Fundamental duty = فرض حقیقی اچھا نہیں۔ رکن کافی ہے۔

۴۴۔ Legal Provisions = احکام شریعت آپ نے صحیح ترجمہ کیا ہے۔

۴۵۔ Authorities آپ نے جس موقع کے لئے اس لفظ کو لکھا ہے اس کے لئے بجائے اسناد کے رجال زیادہ اچھا ہے۔ جو فن حدیث کی مشہور اصطلاح ہے، اسی کو Transmitters بھی کہتے ہیں۔

۴۶۔ Circumambulation = اسکا ترجمہ آپ نے طواف کیا ہے جو بالکل صحیح ہے۔

۴۷۔ Motive of Law = وجہ قانونی درست نہیں، علت الشرع کہیئے۔

۴۸۔ Analogy = اسکا ترجمہ مماثلت غلط ہے، اصطلاحی لفظ قیاس ہے۔

۴۹۔ Sovereign will = مشیت ایزدی یا صرف مشیت کافی ہے۔

۵۰۔ Simple things = بسائط۔ جمع ہے بسیط کی۔

۵۱۔ Intellectual Knowledge = علم ذہنی کے بجائے علم عقلی کیجئے۔

۵۲۔ Subjecting = بہترین لفظ تسخیر ہے۔

۵۳۔ Literalists = علماء ظاہر جنہیں Extremists بھی کہتے ہیں۔

۵۴- Pure good = خالص نیکی سے اچھا خیرِ محض ہے۔

۵۵ Universal reason = عقلِ کلی کو کہتے ہیں (۵۶) Universal Soul: اس سے مراد نفسِ کلی ہے۔

۵۷- Space & Time = مکان و زمان صحیح ہے۔ اسی کو خلا و ملا بھی کہتے ہیں۔

۵۸ Proof = ثبوت نہیں، حجت کہئے۔ (۵۹) Retirement = خلوت کافی ہے۔

۶۰- Absolute Agent = فعالِ مطلق (۶۱) Essence = ذات، حقیقت۔

۶۲- Assertion = خبر ادا Unanimous Assertion = خبرِ متواتر۔

۶۳- Esoteric Sect = باطنی فرقہ۔ ٹھیک ترجمہ۔ (۶۴) Doctrinaire = تعلیمی فرقہ۔

۶۵- Ascetic = اسکا ترجمہ زاہد و عابد غلط نہیں، لیکن اسکا صحیح مفہوم وہی ہے جو لفظ یوگی یا جوگی (ہندوؤں کے تصوف کا اصطلاحی لفظ) سے ظاہر ہوتا ہے۔

۶۶- Entelechy - کمال سے اسکا پورا مفہوم ادا ہو جاتا ہے۔

۶۷ Deductive = استدلالی، بہتر ہے۔

۶۸- Decision = فیصلہ معنی کے لحاظ سے غلط نہیں، لیکن جس سلسلہ میں آپ نے اس کا ذکر کیا ہے، اس کے لئے لفظ فتویٰ استعمال کیجئے۔

۶۹- Discourse = درس یا تقریر، مناسب نہیں ہے، مقالہ زیادہ صحیح ہے۔

۷۰- Anthropomorphists = اس سے قبل میں نے Anthropomorphism کا ترجمہ تجسیم بتایا ہے، اس لئے حسبِ قاعدہ اسکا ترجمہ مجسمین ہونا چاہئے، اگرچہ اصطلاح میں اس طبقہ کے لوگوں کو مشبہین کہتے ہیں۔

۷۱- World of Sense = دنیائے حواس، عالم آب و گل مفہوم کے لحاظ سے غلط نہیں، لیکن اصطلاحی لفظ عالم الشہادۃ ہے۔

۷۲- World of Power = اصطلاحی لفظ عالمِ قدرت ہے۔

۷۳- World of Ruling = اسکا ترجمہ عالمِ ملکوت کیجئے۔

۷۴ World of Repairing = عالمِ جبروت کو کہتے ہیں۔

۷۵- Universal Spirit = اسکا اصطلاحی ترجمہ روحِ اول ہے۔

۷۶ Nearer Heaven = اس سے مراد سماء الدنیا ہے۔

۷۷ Principles = اصول آپ نے صحیح ترجمہ کیا ہے۔ (۷۸) Applications اسکا ترجمہ فروع کیجئے۔

۷۹ Pilgrim = اس کا ترجمہ اختلافِ محل کے لحاظ سے حاجی یا زائر ہو سکتا ہے، لیکن تصوف

کی کتابوں میں یہ لفظ سالک کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔

۸۰۔ Renegade کا ترجمہ آپ نے مرتد ٹھیک کیا ہے لیکن Sooth Sayer کا ترجمہ کاہن کیجئے۔

پر اسرار لوح کا انکشاف

آجکل طب یونانی کی بڑی شد و مد سے مخالفت ہو رہی ہے جو لوگ اس کے کرشمے سے ناواقف ہیں وہ ذیل کے مضمون کا مطالعہ کریں جو رسالہ الحکیم سے پبلک کے فائدہ اور اطلاع کے لئے اقتباس کیا گیا ہے۔

رنگون کے ایک صاحب ثروت سوداگر اسباب معلومہ کی وجہ سے...... موذی کا شکار ہو کر بالکل.... ہو گئے تھے۔ مدت تک مشہور و معروف اطبار کا علاج کرایا۔ مگر حسب منشا رفائدہ نہ ہوا۔ یہ قاعدہ ہے کہ مایوس العلاج مریض ذلیل سے ذلیل طریقۂ علاج کیطرف مائل ہو جاتا ہے۔ انہوں نے بھی عطائیوں اور اناڑیوں سب سے ہی رجوع کیا اور آخر میں ناکامیاب رہنے پر یہ قصد کر لیا کہ ہندوستان کے تمام مشہور مقابر پر جا کر دعائیں مانگیں اور دوران سفر میں جو فقیر یا طبیب ملنے لگے ہاتھ اس سے بھی رجوع کریں وہ اپنے اسی دورہ پر تھے کہ اتفاقاً درگاہ حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ میں مجھ سے شناسائی ہوئی اور یہ معلوم ہونے پر کہ میں طبیب ہوں اپنا حال مجھے سنا دیا اور ٹھنڈی سانس بھر کر چپ ہو رہے۔ مجھ پر ان کے طرز بیان کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ فوراً علاج کرنیکا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ میں نے ان کا علاج نہایت محنت اور جانفشانی سے شروع کیا لیکن کچھ فائدہ مرتب نہ ہوا۔ قریب تھا کہ وہ بددل ہو کر واپس چلے جائیں کہ حسن اتفاق سے ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا کہ گوڑ گانوہ میں کوئی نذیر احمد صاحب ہیں جنکے پاس اس مرض کا **نادر نسخہ** موجود ہے لیکن نہ وہ طبیب ہیں نہ صاحب غرض بلکہ گھر کے رئیس اور کھاتے پیتے ہیں۔ نسخہ کسی کو نہیں بتلاتے۔ البتہ اگر کوئی زبردست سفارش لیکر پہونچ جائے تو دوا تیار کر دیتے ہیں اسقدر تعریف سنکر میں ایک تعارفی خط لیکر سیدھا گوڑ گانوہ پہونچا وہ بہت اخلاق سے پیش آئے اور دوا مجھے دیدی۔ میں نے سیٹھ صاحب پر اسکا استعمال شروع کروایا **سیٹھ صاحب کی قوت حیرت انگیز** طور پر ترقی کر گئی اور اسقدر طاقت پیدا ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اور میں نے اسکو متعدد مریضوں پر مختلف حالات میں آزمانے پر بھی ہمیشہ تیر بہدف پایا یقیناً میرے علم میں ایسا پر اثر نسخہ کسی دوسرے شخص کے پاس نہیں ہے۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ یہ نسخہ **بو علی سینا** کی خاص دماغی کوششوں کا نتیجہ ہے جو کسی بادشاہ کے لئے تجویز کیا گیا تھا اور ایک **معدنی لوح** پر کندہ ہے وہ اس نسخہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اس لئے میری یہ استدعا بیجا نہ ہوگی کہ ایسے صاحب کمال کے اس نسخہ کو الحکیم میں شائع کرا کے تمام اطبار ہند کو شکریہ کا موقع دیں۔

خادم الاطبا، مسعود الرحمٰن

ایڈیٹر صاحب الحکیم کا نوٹ

یہ مکتوب کوئی دو تین ماہ ہوئے ہمارے پاس پہونچا تھا لیکن اشاعت سے قبل ہم نے ان واقعات کی مزید تحقیق کے لئے اپنے کرمفرما خان بہادر ملک سردار علی صاحب کو تکلیف دی جو حسن اتفاق سے آجکل گوڑگانوہ میں قیام پذیر ہیں چنانچہ صاحب موصوف کا جو جواب ہمیں موصول ہوا ہے وہ درج ذیل ہے:۔ مکرمی جناب حکیم صاحب السلام علیکم میں کل نذیر احمد قریشی سے ملا تھا وہ حکیم نہیں ہیں مولوی برکت علیصاحب وکیل لاہوری کے فرزند ہیں **ان کے پاس قوت باہ کا واقعی ایک عجیب نسخہ ہے۔** تابعدار سردار علی:۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مارچ ۱۹۲۸ء

نوٹ۔ یہ دوا پبلک کی فرمائش سے بارہا تیار ہو چکی ہے۔ مگر چونکہ اس نسخہ کے اجزا بہت مشکل سے فراہم ہوتے ہیں اس لئے اس دفعہ بھی صرف سو اشخاص کے لئے دوا تیار کی جا رہی ہے۔ جس میں سے بہت سے نام رجسٹر ہو چکے ہیں۔ ضرورتمند اصحاب قیمت دوا جلد روانہ کر کے اپنا نام رجسٹر کرالیں۔ قیمت:۔ اکسیر سینا پانچ روپے طلا رسینا پانچ روپے محصول ڈاک چھ آنے (۲ ر)

پتہ:۔ نذیر احمد قریشی صیغہ (د) برکت منزل۔ گوڑگانوہ (پنجاب)

معلومات

حرکت زمین کا مشاہدہ عینی

تقریباً ایک ربع صدی سے زائد زمانہ ہوا، جب فرانس کے ایک حکیم نے اپنے تجربہ سے حرکت زمین کے مسئلہ کو مشاہدات عینی میں داخل کر دیا تھا اور اب امریکہ کے ایک فیلسوف لیونارڈ بیسٹن نے ایک دوسری ترکیب سے جو بہت زیادہ آسان ہے گردش ارض کو برائے العین ثابت کر کے دکھا دیا۔

ہم یہاں دونوں کے تجربات نہایت صاف و واضح الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ تاکہ ہر شخص ان پر عمل کر کے اپنی آنکھوں سے مادر گیتی کے چکر کو دیکھ سکے۔ لیکن فرانسیسی حکیم لیول لیون کا تجربہ سمجھنے سے پہلے مسئلہ حرکت کے ایک خاص نکتہ کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ اس لئے ہم پہلے اس کو بتا دینا چاہتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ گھڑی (کلاک) میں ایک لنگر ہر وقت ادھر سے اُدھر جنبش کھایا کرتا ہے، جسے انگریزی میں پنڈولم (Pendulum) کہتے ہیں۔ اس کو یا ہر ایسی وزنی چیز کو جو کسی تار یا دھاگہ میں باندھ کر لٹکا ی جائے عربی میں رقاص کہتے ہیں اور جس خط یا سطح پر وہ جنبش کرتا رہتا ہے اس کا نام سطح ترقص یا سطح اہتزاز ہے۔ یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ ایک رقاص کی سطح ترقص کبھی نہیں بدلتی، یعنی جس سمت میں وہ جھول رہا ہے، ہمیشہ ایک ہی ہوگی۔ مثلاً ایک رقاص کی ترقص کسی دیوار کے متوازی ہے تو وہ ایسی ہی رہیگی۔ اگر تم رقاص کو دائرہ کی صورت میں گردش دوگے، تو بھی وہ تھوڑی دیر کے بعد دیوار کے متوازی ہو کر جھولنے لگے گا۔

اب غور کیجئے کہ اس مسئلہ کو پیش نظر رکھکر فرانسیسی حکیم نے کیونکر حرکت زمین کا مشاہدہ کر لیا۔ وہ کہتا ہے کہ "سیسے یا لوہے کی ایک وزنی گولی لیکر فولاد کے تار میں لٹکا دو اور اس تار کو چھت میں کسی کڑے سے لٹکا کر جھٹکا دو، تاکہ وہ آزادی سے ادھر اُدھر جھولنے لگے۔ اس رقاص کے نیچے ایک میز رکھو اور اسپر ایک دائرہ کھریا یا مٹی یا کوئلہ سے بناؤ اسکے محیط پر صفر اور ۱۸۰ درجہ کے درمیان خط ملا دو۔ جب یہ کر چکو تو دائرہ پر ریت بچھا دو اور سیسے کی گولی میں ایک سوئی یا درجہ نما لگا دو تاکہ جھولنے کے وقت جب رقاص اس دائرہ پر سے ہو کر گزرے تو سوئی ایک باریک خط بناتی چلی جائے۔ ایک گھنٹہ کے بعد تمکو معلوم ہو گا کہ گولی کی سمت حرکت بدل لی اور ریت پر ایک زاویہ بنانے لگی، لیکن چونکہ یہ مسلم ہے کہ گولی اپنی سطح ترقص نہیں بدل سکتی، اسلئے ظاہر ہے کہ میز نے گردش کی اور میز کی یہ گردش، گردش زمین کی وجہ سے وقوع میں آئی۔ جہاں یہ تجربہ ہو رہا تھا، وہاں پروفیسر ڈیوار نے نہایت تیز برقی روشنی کر دی تھی، جس سے رقاص کی سمت حرکت میں خفیف سی تبدیلی بھی نظر آتی تھی، اور ایک ایک منٹ میں یہ معلوم ہونے لگا کہ سارا کمرہ حرکت کر رہا ہے۔ خط استوا پر جو مقامات ہیں، وہاں یہ اثر نمایاں نہیں ہو سکتا، البتہ جہاں کا عرض البلد ۳۰ درجہ ہے (جیسے ملتان، ڈیرہ دون وغیرہ) وہاں یہ سوئی ۲۴ گھنٹہ میں

نصف دائرہ ختم کرے گی اور قطبین پر پورا دائرہ۔

دوسرا تجربہ لیونارڈ ہیسٹن کا ہے، جو اس سے زیادہ آسان ہے۔ کسی کمرہ میں جہاں دھمک کا اثر نہ پہونچے، اور آبادی سے ذرا علٰحدہ ہو ایک بڑا گمرا پیالہ یا ٹب، جسکا قطر کم از کم ایک فٹ کا ہو، فرش پر رکھ کر قریب قریب پانی سے بھر دو اور چند گھنٹوں کے لئے اسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اس کے بعد نہایت باریک پسی ہوئی رال پانی پر آہستگی سے اسطرح چھڑک دو کہ پانی کی سطح پر اسکی ایک تہ جمگر ہونے لگے۔ پھر باریک پسا ہوا کوئلہ لیکر پیالہ کے مرکز سے محیط تک اسطرح چھڑکو کہ ایک خط مستقیم بنجائے اور اسی سلسلہ میں پیالہ کے کنارہ پر بھی ایک نمایاں خط کوئلہ کے سفوف سے بنادو۔ چند گھنٹے کے بعد تم دیکھو گے کہ پانی کی سطح پر جو لکیر کوئلہ کی تھی اس نے اپنی جگہ بدل دی ہے، یعنی اس سیاہ لکیر سے علٰحدہ ہوگئی ہے، جو پیالہ کے کنارہ پر اسی کے سلسلہ میں بنائی گئی تھی، اسکا سبب یہ ہوا کہ پیالہ کے اندر کا پانی تو اپنے حال پر قائم رہا اور پیالہ نے مغرب سے مشرق کی طرف زمین کے ساتھ پوری گردش کرلی اور اسطرح اسکے کنارہ کی لکیر پانی کی لکیر سے علٰحدہ ہوگئی۔

ہوائے منضغط Compressed air آجکل ترقی کا اصل راز یہ ہے کہ انسانی قوت کو بڑھایا جائے اور کم سے کم زمانہ میں ایک کام کو انجام دیکر وقت کو وسیع کیا جائے، یعنی اگر ایک انسان صرف اپنے اعضا سے کام لیکر کسی کام کو ایک دن میں کر سکتا ہے، تو اس کے لئے دیگر عارضی قوتیں ایسی فراہم کی جائیں کہ وہ دس آدمی کا کام تنہا کر سکیں اور بجائے ایک دن کے ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم وقت میں۔ اور یہی وہ مقصد ہے جس نے سائنس کی دنیا میں ہلچل مچا رکھی ہے اور ہر وقت یہی فکر پیش نظر ہے کہ وقت کی تنگی کو کیونکر وسیع اور انسانی قوت کو کیونکر عظیم بنایا جائے اور اسکے ساتھ زمین کی طنابوں کو کیونکر کھینچکر آن واحد میں تمام عالم امکان اور زمان و مکان کو ایک مٹھی میں کرلیا جائے۔

ریل، تار، جہاز، طیارے، لاسلکی اور خدا جانے کیا کیا سب اسی مدعا کو پورا کرنے کی غرض سے رات دن کام کر رہے ہیں اور انسان باوجود اس کے کہ اس نے تمام عناصر کو اپنے قبضہ میں کرلیا ہے، ابھی تک مطمئن نہیں ہے۔ ہوا سے جسقدر کام دنیائے حکمت میں لئے جاتے ہیں، وہ کثیر اور عجیب و غریب ہیں اور انہیں میں سے ایک وہ ہے جو ہوائے منضغط سے لیا جاتا ہے۔

ہوائے منضغط ترجمہ ہے (Compressed air) کا اس سے مقصود وہ ہوا ہے جو قوت سے کام لے کر کسی ظرف میں بھر دی جائے۔ فٹ بال، سائیکل اور موٹر کے ٹائر میں یہی دبی ہوئی ہوا ہوتی ہے اس ہوا کا ایک کام تو یہی ہے جو ابھی ظاہر کیا گیا کہ وہ ربر کی کھوکھلی بنی ہوئی چیزوں کو انکا لوچ قائم رکھتے ہوئے سخت کردیتی ہے (جیسے فٹ بال اور موٹر ٹائر وغیرہ) اور دوسرا کام یہ ہے کہ وہ ایک خادم کی طرح آپ کی چیزوں کو ادھر سے ادھر لے جاسکتی ہے، ہرکاروں کیطرح ڈاک کی تھیلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردیتی ہے، اور ایک خاکروب کی طرح آپ کے کمروں، میزوں اور کرسیوں کو بھی جھاڑ دیتی ہے، امریکہ کے تمام بڑے بڑے شہروں میں کوئی اہم کارخانہ، ہوٹل، دفتر اخبار، ذخیرہ، اور ڈاک خانہ ایسا نہیں ہے، جہاں ہوا ایک ادنی خادم کی طرح نہ دوڑ رہی ہو۔

اگر نیویارک کے کسی بڑے ہوٹل میں جاکر قیام کروگے، تو دیکھو گے کہ ہر کمرہ کے اندر دیوار کے گوشہ میں یا فرش پر تمہاری میز کے

قریب ایک سوراخ ہے جسپر ایک ڈھکنا ڈھکا ہوا ہے اور عین اسی وقت جبکہ تم اپنی میز پر بیٹھے ہوئے ڈاک کا انتظار کر رہے ہو گے، وہ ڈھکنا دفعتہً کھلجائے گا اور تمہاری ڈاک تمہارے سپرد کرکے پھر فوراً بند ہو جائے گا۔ تمکو بظاہر حیرت ہوگی، لیکن حیرت کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ سوراخ ایک نلکی کا ہے جس کے اندر سے ہو کر دبی ہوئی ہوا تمہاری ڈاک کو اڑا لاتی ہے۔

اگر تم نے کسی شہر میں ٹیلی فون کا دفتر ایکسچنج دیکھا ہے، تو تمکو معلوم ہوگا کہ کیونکر اسی ایک جگہ سے تمام شہر کے مقامات کا باہم تعلق ہوجاتا ہے، اور کس طرح مشرقی حصہ کا رہنے والا مغربی حصہ کے آدمی سے گفتگو کر لیتا ہے، بالکل اسی طرح ہر بڑے ہوٹل میں ایک مرکزی مقام ہوتا ہے جہاں سے یہ تمام نلکیاں پھیلائی جاتی ہیں اور وہیں سے ان کے اندر ہوا پر وزن ڈالا جاتا ہے تاکہ وہ دب کر اس چیز کو نلکی کے دوسرے سرے تک پہونچا دے، جو اس کے اندر ڈالی گئی ہے۔

پھر ان نلکیوں سے صرف ڈاک ہی نہیں پہونچائی جاتی، بلکہ ملاقاتی کارڈ، رسیدات، چھوٹے چھوٹے بنڈل، روپیہ پیسہ وغیرہ بھی پہونچائے جاتے ہیں۔

فرض کیجئے آپ سیر و تفریح کے بعد ہوٹل میں آئے اور وہاں ہوٹل ہی کی کسی دوکان میں آپ نے ایک نوٹ دیکر کسی چیز کا آرڈر دیا کہ فلاں کمرہ میں پہونچا دی جائے، تو آپ کے وہاں پہونچنے سے قبل آپ کے حکم کی تعمیل ہو چکی ہوگی، یعنی جسوقت آپ اپنی منزل میں پہونچیں گے، تو دیکھیں گے کہ آپکی خریدی ہوئی چیز معہ رسید اور باقی رقم کے ایک بنڈل میں لپٹی ہوئی پڑی ہے اور یہ سب کچھ اسی ہوا کے ذریعہ سے عمل میں آیا ہے، چونکہ وہاں کے بعض ہوٹل پندرہ منزل کے ہوتے ہیں، اس لئے اگر وہاں ان نلکیوں سے کام نہ لیا جائے تو ظاہر ہے کہ بہت سے آدمی ملازم رکھنے پڑیں گے اور پھر بھی کام اسقدر جلد نہ ہوگا

اسی طرح اخباروں کے دفاتر میں بھی تمام کمروں کے اندر اسی ہوا سے کام لیا جاتا ہے، جنرل منیجر جو اخبار کے تمام شعبوں کا نگراں ہے، اسی ہوا کے ذریعہ سے ہر شعبہ کے منتظم کے پاس ہدایات و کاغذات بھیجتا رہتا ہے، اگر وہ آدمیوں کے ذریعہ سے اطلاعات روانہ کرے تو بہت دیر ہو جائے اور اکثر صورتوں میں اہم ترین خبریں اور اشتہارات وقت پر شایع نہ ہو سکیں۔

بڑے بڑے شہروں میں جہاں سے متعدد اخبار شایع ہوتے ہیں ایک ایسوشی ایٹڈ پریس بھی قایم ہوتا ہے، جو تمام اہم خبریں سوسائٹی کے اخباروں کو بہم پہونچاتا ہے، پھر چونکہ اسکا کام نہایت اہم ہے اور بعض اوقات نہایت طویل حالات و واقعات تمام اخباروں کو ایک ہی وقت میں پہونچانے پڑتے ہیں، اس لئے وہاں بھی اسی ہوا سے کام لے کر آن واحد میں تمام کاغذات ہر جگہ پہونچائے جاتے ہیں۔

امریکہ کے بڑے بڑے شہروں میں ڈاکخانے بھی اسی ہوا سے کام لیتے ہیں۔ جسوقت مرکزی ڈاکخانہ، چھوٹے چھوٹے ماتحت ڈاک خانوں کو ان کی متعلقہ ڈاک خانوں کو انکی متعلقہ ڈاک تقسیم کرتا ہے تو اسی ہوا کے ذریعہ سے۔ پھر ان ہوا کی نالیوں سے صرف خطوط ہی نہیں روانہ کئے جاتے، بلکہ کئی کئی سیر کے وزنی بنڈل بھی بھیجے جاتے ہیں اور وہ اسی سرعت کے ساتھ پہونچتے ہیں، جس طرح اور معمولی خطوط۔

علاوہ اس کے ہَوا سے جھاڑو دینے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ ہوٹلوں کارخانوں بڑے بڑے مکانوں کی صفائی بالعموم اسی طرح ہوتی ہے، ہَوا کی نالی کا منھ کھول دیا جاتا ہے، جس سے نہایت تیز ہوا نکلکر فرش، قالین، میز، کرسی وغیرہ سبکو صاف کر دیتی ہے، یہانتک کہ خاک کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا۔

امریکہ میں جب ریل کسی سفر سے واپس آتی ہے، تو ایک خاص عمارت کے اندر کھڑی کی جاتی ہے اور وہاں گاڑیونکے تختے، گدّے وغیرہ سب اسی ہوائے منضغط کے ذریعہ سے صاف کئے جاتے ہیں۔

حالات زیر زمین معلوم کرنے کے طریقے وہ دن انسان کے لئے نہایت مبارک ہوگا جس روز کہ وہ آلات کے ذریعہ سے حالات تحت الارض معلوم کر سکے گا۔ زمین کے نیچے ہزار ہا چشمے اور کانیں ہیں لیکن ہمیں ان کی خبر نہیں ہے، جب وہ اس قابل ہو جائے گا کہ ان مدفونہ خزانوں کو معلوم کرکے نکال سکے تو اسکی دولت، ثروت، صنعت و حرفت کو جو کچھ ترقی ہوگی اس کا ہم اس وقت اندازہ نہیں کر سکتے۔

قدیم زمانے سے اس وقت تک ایک ایسی جماعت چلی آتی ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک خاص قسم کی لکڑی سے طبقات زمین کی حالت معلوم کر سکتی ہے۔ قدیم اور جدید کتابوں میں اس جماعت کا ذکر آیا ہے، لیکن ان کے دعویٰ کی صحت میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔

اس لکڑی کے ذریعہ سے زمین کی اندرونی حالت اس طرح معلوم کی جاتی ہے کہ لوگ لکڑی کو لے کر چلتے ہیں جس جگہ زمین کے نیچے کوئی کان ہوتی ہے یہ لکڑی ٹیڑھی ہو کر لپٹنے لگتی ہے اور اس سے معلوم کر لیا جاتا ہے کہ یہاں کوئی معدن ہے۔ امریکہ، فرانس، اور انگلستان میں ایک بڑی جماعت اس طریقہ کی صحت کی قائل ہے لیکن ایک بے حس چیز حرکت کیوں کرنے لگتی ہے اس میں ان کی توجیہات مختلف ہیں، گذشتہ صدی کے نصف میں انگلستان کی "جمیعت مباحثہ نفسیہ" نے اس مسئلہ کی طرف توجہ کی اور جمیعت مذکور کے ایک ممبر نے تحقیقات کا سلسلہ شروع کیا اور اس نے اس کے متعلق مختلف خیالات ظاہر کئے۔ پہلے وہ کہتا تھا کہ بعض لوگوں کو یہ ملکہ ہو جاتا ہے کہ زمین کی ظاہری حالت دیکھ کر اندرونی کیفیت معلوم کر لیتے ہیں اسکا مدار محض مٹی کے خواص اور پتھروں کی خصوصیات پر ہے لکڑی وغیرہ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ یہ محض اتفاقی امر ہے کبھی اتفاق سے انسان صحیح نتیجہ پر پہونچ جاتا ہے اسمیں لکڑی اور اس کے الہام کا کوئی اثر نہیں ہے۔ لیکن عام لوگ چونکہ کسی کاہن یا شعبدہ باز کی غلطیاں یاد نہیں رکھتے بلکہ محض وہ واقعات انکے ذہن میں رہ جاتے ہیں جو اتفاقاً کاہن کے بیان سے مطابقت رکھتے ہیں اس لئے وہ اس قسم کے غلط الہام کے قائل ہو جاتے ہیں، اس کے بعد ممبر مذکور نے یہ رائے بھی چھوڑ دی اور کہا کہ قدرت نے بعض لوگوں کو ایک ایسا ملکہ عطا کیا ہے جسکی وجہ سے وہ زمین کے نیچے کی حالت بتا دیتے ہیں۔ جب وہ کسی زمین پر کھڑے ہو کر اس کے کانوں یا چشموں کی خبر دیتے ہیں تو اس احساس کے ہوتے ہی ان کے دماغ میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جسکی وجہ سے نظام عصبی میں ایک نہایت ہی خفیف تشنج پیدا ہوتا ہے اور یہی تشنج لکڑی کے حرکت کرنے کا سبب ہے۔ لیکن عام طور سے اس الہام کے مدعی جھوٹے ہوتے ہیں جو اس طریقہ سے

لوگوں سے روپیہ حاصل کرتے ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ لوگوں کے اعضا میں ایک خاص قسم کی قوت ہوتی ہے اور وہ اس رطوبت سے متاثر ہوجاتی ہے جو معادن سے اٹھا کرتی ہے (کیونکہ معادن میں ہر وقت ایک خفیف سی انحلالی کیفیت جاری رہتی ہے اور اس کے دقایق ہوا میں پھیلتے رہتے ہیں) اور یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ بعض خاص مزاج والے خصوصاً وہ لوگ جو روماٹزم میں مبتلا ہوں رطوبت سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں، جو شخص چشمہ یا معدن کا پتہ بتا دیتا ہے وہ ان لوگوں کے نزدیک اسی ذیل میں داخل ہے، جب رطوبت سے اسکا جسم متاثر ہوتا ہے تو لکڑی میں (جو اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے) حرکت پیدا ہونے لگتی جسکا سبب تاثر داخلی ہے وجدانی کیفیت نہیں۔

ایک فریق کہتا ہے کہ انسان میں ایک مرئی قوت نفسی ہے جس سے آدمی ایسی چیزیں دیکھ سکتا ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتیں، کوئی جامد اور تاریک چیز اس کے عمل کو نہیں روک سکتی اس قوت کا اصطلاحی نام (Clairvoyance) ہے یہ ایک ایسی نفسی قوت ہے جسکی حقیقت مجہول ہے۔ جب انسان اپنے مطلوب کو دیکھتا ہے تو اس قوت کی بنا پر اس کے عضلات میں ایک خاص تموج پیدا ہوتا ہے اور وہی حرکت عصا کا سبب ہے بعض لوگ بغیر عصا کے بھی معادن اور چشموں کا پتہ بتا دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ایسے موقع پر ایک عجیب احساس ہوتا ہے جو طبیعت کی گھبراہٹ اور تکان سے زیادہ مشابہ ہے۔ ایسا بھی واقع ہوا ہے کہ زمین کے دفینوں اور گھر میں پوشیدہ رکھی ہوئی چیزوں کا بھی پتہ بعض لوگوں نے بتا دیا۔ چنانچہ ایک ناقابل اعتماد عالم نے خود اسکا تجربہ کیا، ایک شخص کی ذریعہ سے کوئی چیز کہیں پوشیدہ طریقہ پر رکھدی اور پھر اس شخص کو بھی علیحدہ کر دیا اور کاہن سے پوچھا پھر بھی اس نے صحیح جواب دیا۔ یہ امر زیادہ تعجب خیز ہے کیونکہ اگر چھپانے والا اس کے سامنے ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ شاید "انتقال افکار" کی بنا پر اس نے پتہ لگا لیا ہے۔

ایک جدید اختراع پچھلے زمانہ میں اس قسم کے اکتشافات غیبی کے لئے متعدد آلات ایجاد کئے گئے لیکن تجربہ نے ثابت کر دیا کہ یہ آلات صرف لوگوں کو دھوکا دینے کے بنائے گئے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں دو جرمنی مخترعین نے دو آلات ایجاد کئے ہیں اور ہر ایک کا خیال ہے کہ اس سے غرض پوری طرح حاصل ہوسکتی ہے۔ پہلی اختراع ایک جرمن انجینئر کی ہے جس کا نام چیروٹکا ہے آلہ میں ایک بڑا برتن ہوتا ہے جس میں الکحول کی قسم کا ایک مادّہ سائلہ بھرا رہتا ہے اور اسمیں ایک سوئی ڈوبی رہتی ہے جو نہایت درجہ حساس ہوتی ہے۔ زیر زمین جو معدنی مواد موجود ہیں ان کے ابخرہ سے یہ سوئی متاثر ہوتی رہتی ہے اور جس قدر اسکا تاثر زیادہ ہوتا ہے، اسی قدر مادہ زیادہ ہوتا ہے، سوئی کی حرکت بغور دیکھنے سے پوشیدہ معادن کا (اس کے خیال میں) پتہ لگ جاتا ہے۔

دوسری اختراع کا ذکر رسالہ "سائنٹفک امریکن" نے کیا ہے اگرچہ ہمیں اس آلہ کی صحت کا بھی پورا یقین نہیں ہے مگر چونکہ رسالہ مذکور ایک معتبر پرچہ ہے اس لئے ہم اس آلہ کا ذکر ذرا تفصیل سے کرتے ہیں۔

ایک سال کا عرصہ ہوا کہ مسٹر ہولنز نے جو نیویارک کا رہنے والا ہے یہ خبر شایع کی کہ ایک جرمنی مخترع نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جو "عصائے مجر" کے بالکل قایم مقام ہے اور تحت الارض کی چیزوں کا پتہ دیتا ہے مسٹر ہولنز ایک مشہور شخص ہے اور وہ ایک مخصوص کارخانہ کا

مالک ہے جس میں وہ دقیق آلات بنائے جاتے ہیں جن سے علمار اپنے نازک علمی تجربوں میں کام لیتے ہیں۔ مسٹر مذکور بذات خود جرمنی گیا اور مخترع سے ملاقات کرکے اس کے آلہ کا متعدد بار تجربہ کیا ایک دفعہ بھی غلطی واقع نہیں ہوئی اس آلہ کی بنیاد ان اصول پر ہے۔

ہر ایک معدنی شے سے خاص قسم کی شعاعیں اور ابخرے اٹھتے رہتے ہیں اور ان سے ہوا میں ایک غیر محسوس تموج پیدا ہوتا رہتا ہے، ہر ایک معدن کی نقل نوعی میں جو فرق ہوتا ہے اسی نسبت سے ان کی شعاعوں اور ابخروں میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اس اختلاف تموج کا مخترع نے نہایت نازک مطالعہ کیا ہے اور ان سب کو منضبط کر لیا ہے۔ یہ آلہ انہی تموجات سے متاثر ہوتا ہے، جن کے معلوم کرنیکی ضرورت ہو، اگر ہمیں معلوم کرنا ہے کہ اس زمین میں لوہا ہے یا نہیں تو لوہے کے تموجات ہو جاتے ہیں۔ آلہ انکے مطابق کر کے رکھدیا جاتا ہے اب اگر اس زمین میں لوہا ہے تو وہی خاص حدیدی تموجات پیدا ہونگے اور آلہ ان سے متاثر ہو کر پتہ بتا دیگا۔

تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ معدنی تموجات اور شعاعیں سخت ترین مواد میں بھی نفوذ کر کے سطح زمین تک پہونچ جاتی ہیں اس لئے یہ بالکل رانجن کی شعاعوں سے مشابہ ہیں جو ہر ایک سخت چیز میں نفوذ کرتی ہیں۔

مسٹر ہوائنر نے صرف اس آلہ کی خبر ہی نہیں شایع کی بلکہ اوس کے مخترع فیلیب شرو ملی کو امریکہ میں بلایا جہاں وہ مشہور مہندسین کے سامنے اپنے تجربات پیش کر رہا ہے اسوقت اس نے جس قدر تجربے کئے ہیں انمیں فی صدی پوری کامیابی ہوئی۔ یہ آلہ مختلف مقامات میں مختلف فاصلوں سے معادن کا پتہ بتا دیتا ہے، اگر اس آلہ کی صحت پر علمی دنیا نے اتفاق کر لیا تو بے شک یہ عجیب و غریب اختراع عالم اقتصاد اور عالم صنعت و حرفت میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دے گی۔

جسم بشری کی شعاعیں جس طرح کرۂ زمین کے گرد ایک ہوائی غلاف محیط ہے جس میں مختلف گیسیں پائی جاتی ہیں اسی طرح جسم انسانی کے گرد بھی ایک نورانی غلاف ہے جو خالی آنکھ سے نظر نہیں آتا، بلکہ خاص طریقہ سے محسوس ہوتا ہے۔

پروفیسر کلز نے ایک کتاب اسی موضوع پر لکھی ہے جسکا نام "فضائے بشری" رکھا ہے، کتاب میں اس نے متعدد فوٹو کی تصویریں دی ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ جسم انسانی سے ایک خاص قسم کی نورانی شعاعیں نکلتی ہیں جنکا رنگ نفشی سے ذرا گہرا ہوتا ہے لیکن یہ شعاعیں اسقدر ہلکی ہوتی ہیں کہ خالی آنکھ سے نظر نہیں آسکتیں۔ پروفیسر مذکور یہ بھی لکھتا ہے کہ بعض عورتیں اپنے ارادے سے اپنی نورانی فضا کا رنگ بدل سکتی ہیں، اور اسکا یہ خیال بھی ہے کہ فضائے انسانی کہربائی اور کیمیائی عمل سے بھی متاثر ہو جایا کرتی ہے۔

شعاع انسانی کو دیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کی شعاعیں دیکھنا ہوں اُسے سامنے کھڑا دیا جائے ایک رنگین مجوف شیشے سے اسے دیکھا جائے اس شیشے میں الکحل کی قسم کا ایک تیزاب ہوتا ہے جو مادہ Dicyanin سے حاصل کیا جاتا ہے، اور دیکھنے والے کو اپنے سر پر ایک سیاہ کپڑا ڈال لینا چاہئے جس طرح کہ فوٹوگرافر ڈالا کرتا ہے، تاکہ خارجی روشنی دیکھنے میں خلل انداز نہو۔

اسکا بھی تجربہ کیا گیا ہے کہ سب لوگ ان شعاعوں کو ایک نسبت سے نہیں دیکھ سکتے۔ بعض لوگوں کو ان کے دیکھنے کیلئے دیر تک نظر جمائے رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور بعض نصف دقیقہ سے پہلے دیکھ لیتے ہیں۔

صرف ایک عضو مثلاً ہاتھ کی شعاعوں کو بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر زیادہ واضح طریقہ پر یہ شعاعیں اسی وقت محسوس ہوتی

ہیں جبکہ پورے جسم کا مشاہدہ کیا جائے۔ کیونکہ اسوقت فضائے محیط کا طبقۂ داخلی و خارجی صاف نظر آتے ہیں اور کبھی جسم سے ملا ہوا ایک خالی طبقہ بھی نظر آتا ہے جسے خیال اثیری Etheric doubt کہتے ہیں۔

شعاع بشری میں بلحاظ عمر، اور صحت و مرض، کے بھی فرق ہوتا ہے۔ حالت صحت میں شعاعیں تیز اور مرض میں کمزور ہوتی ہیں، بعض علماء نے ان شعاعوں سے طبی تجربات میں کام لینا چاہا ہے لیکن ابھی اسمیں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔

ایک عجیب و غریب لغوی اتفاق عجیب و غریب اتفاق ہے کہ ریاست یا رئیس کے معنی میں جتنے الفاظ متمدن زبانوں میں مستعمل ہوتے ہیں، ان میں سے اکثر حرف ر، آر سے شروع ہوتے ہیں۔ لاطینی زبان میں رئیس یا بادشاہ کو رکس (Rex) کہتے ہیں فرانسیسی میں روئیس (Roi)، اطالوی میں زبان میں رے (Re) اور سنسکرت زبان میں راجا (Raja) انگریزی میں رین (Reign) حکومت کے معنے میں نہایت عام لفظ ہے عربی میں بھی، رأس، رب، اور رئیس اس معنی میں مستعمل ہیں لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مصر کی قدیم ہیروغلیفی (Heiroglyphy) میں بھی اسے لفظ ر یا آر سے ظاہر کرتے ہیں۔

جو سمار کی حیرتناک وسعت ماڈرن ریویو نے اسکربنر کے حوالہ سے علم ہیئت کے متعلق اک مضمون کا اقتباس شایع کیا ہے، جو سمار کی حیرتناک وسعت کائنات کی غیر متناہی فضا پر عجیب و غریب روشنی ڈالتا ہے۔

مقالہ نگار نے اجرام فلکی پر بحث کرتے کرتے ایک جگہ پر ظاہر کیا ہے کہ آسمان میں بعض ستارے ہیں جو حجم میں آفتاب کے برابر ہیں، لیکن اپنی روشنی زمین تک ۳۶ ہزار سال میں پہونچاتے ہیں۔ بعض ان سے بھی زیادہ دور ہیں جنکی روشنی ۲۰ لاکھ برس میں زمین تک پہونچتی ہے۔ پھر اسی کے ساتھ یہ بھی غور طلب ہے کہ روشنی ایک سکنڈ ۱۸۶۰۰۰ میل چلتی ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ وہ روشنی جو فی سکنڈ تقریباً دو لاکھ میل کا سفر کرتی ہے، ۳۶ ہزار یا ۲۰ لاکھ سال میں کتنی مسافت طے کرکے زمین تک پہونچتی ہوگی۔

ضروری اعلان

رسالہ "اولی الالباب" بجواب "خطاب" کی طلبی میں جو حضرات فارم سوسائٹی الہ آباد کو خطوط بھیج رہے ہیں انکو اطلاع دیجاتی ہے کہ پہلا اڈیشن اس رسالہ کا ختم ہوگیا، دوسرا اڈیشن معہ ضمیمہ کے عنقریب شایع ہونیوالا ہے اور جملہ حضرات کی خدمت میں بھیجدیا جائیگا چونکہ فرداً فرداً تمام حضرات کو جواب دینا ممکن نہ تھا، اسلئے نگار کے ذریعہ سے یہ اعلان شایع کر رہا ہوں۔

سید سعید الدین ایم۔ اے۔ ال۔ ال ڈی (سب جج الہ آباد)

ہندستان کا بہترین اور مارہرہ کا مخصوص تحفہ سرمائی

بادشاہ پسند چٹنی

جو لذت و لطافت، ذائقہ و نفاست کے لحاظ سے بے مثل تسلیم کیگئی ہے۔ ذیل کے پتہ سے خط و کتابت کیجئے۔

کارخانہ بادشاہ پسند چٹنی۔ بہترین کاخ

مارہرہ (ایٹہ)

نگار بک ایجنسی
نظیر آباد لکھنؤ

- ...اب ۱۲ر
- ...ہنی ۱۰ر

...لانا شرر مرحوم

- ...ید بغدادی عہ
- ...کینہ بنت حسین ۶ر
- ...زنوبیہ ۳ر
- ...رۃ العین ۳ر
- ...قدرات عہ
- ...ریائے حق للعہ
- ...بت جبین عہ
- ...اتح مفتوح عہ
- ...ک خرمی عہ
- ...النسو ۱۲ر
- ...م عرب ۶ر
- ...س دلہنی عہ
- ...عت دیجنہ عہ
- ...وال بغداد عہ
- ...یا بازار عہ
- ...قدس نازنین عہ
- ...رۃ الکبری عہ
- ...یانا عہ
- ...وقین ملکہ عہ
- ...نصور موہنا ۸ر
- ...س انجیلنا ۸ر
- ...ک العزیز ورجنا ۱۲ر
- ...دوکس برین ۸ر
- ...س کا ڈاکو عہ
- ...یار حرام پور ۱۰ر
- ...یب دان ونس عہ
- ...در النسا کی مصیبت عہ

- میوۂ تلخ ۸ر
- نیکی کا پھل عہ

شوق قدوائی مرحوم

- ترانۂ شوق عہ
- قاسم وزہرہ عہ
- نیرنگ جمال ۴ر

میر ولی اللہ بی اے

- بندگی عا
- کاس الکرام ے
- لسان الغیب جلد اول ے
- ″ دوم عا
- ″ سوم عا
- ″ چہارم عا
- نمکدان فصاحت عہ
- بادۂ ناب عہ

ظفر عمر بی اے

- چوروں کا کلب ۹ر
- نیلی چھتری عہ
- بہرام کی گرفتاری عہ

مولانا نیاز فتحپوری

- گہوارۂ تمدن عا
- نگارستان عا
- صحابیات عا
- گیتان جلی عا
- تاریخ الدولتین عہ

سید سجاد حیدر بی اے

- زہرا ۱۲ر
- حلال الدین خوارزم شاہ عہ
- خیالستان عہ
- ثالث بخیر ۸ر

- حکایات و احساسات عہ

دلچسپ تاریخی و جاسوسی ناول

- سراب فیشن ۸ر
- بالشوک شہزادی ۸ر
- شہید وفا ۸ر
- ممتاز بیگم ۸ر
- شعلۂ رنگین ۸ر
- محاصرۂ پیرس عہ
- شیخ چلی عہ
- بہادر ترک ۸ر
- بہرام کی واپسی ۴ر
- انقلاب فرانس عہ
- حسن بنارس ۸ر
- فطرتی جاسوس عہ
- ترکی حرم سرا ۸ر
- جنگ طرابلس ۸ر
- بہرام چور عہ
- زرپرست عہ
- کنجی کا راز عہ
- عبدالرحمن ناصر عا
- عروس مصر عا
- سیلاب خون عہ
- کرشمہ عہ
- وفادار دلہن عہ
- طواف زمین عہ

- سیاحت زمین عہ
- سیاحت عہ
- نازنین مراکش ۸ر
- سمندر کی سیر عا
- اسرار بالشوزم عہ
- روح لیلی ے
- امین بک عہ
- حجاج بن یوسف عہ
- یوسف پاشا عہ
- انقلاب عثمانی عہ
- نیلی چھتری عہ
- بہرام کی آزادی ۱۲ر
- بہرام کی گرفتاری عہ
- بہرام کی سرگزشت عہ
- پراسرار قتل عا

ادبی کتابیں

- مکمل شرح دیوان غالب ے
- بزم خیال عہ
- مشاطۂ سخن عہ
- انشار النسوان ۶ر
- مکاتیب محسن الملک عہ
- لیلی مجنوں ڈراما ۸ر

مراثی

- مراثی دبیر عا
- مراثی انیس للعہ
- مراثی ضمیر عہ

- مراثی مونس ے ۱۲ر
- مراثی دلگیر ۱۲ر

تذکرۃ الشعرا

- تذکرۂ حسینی ۱۱ر
- گلشن ۱۰ر
- سراپائے سخن عہ
- سوانح نظیر اکبر آبادی عہ

دواوین فارسی

- دیوان شمس تبریز عہ
- کلیات عراقی ۱۲ر
- دیوان حافظ عہ
- دیوان نعمت خان عالی عہ
- کلیات انوری عا
- دیوان بیدل ۱۰ر
- کلیات سعدی عہ
- دیوان عرفی ۱۲ر
- کلیات جامی عہ
- کلیات غالب عہ
- کلیات صائب عہ
- کلیات حزین عا
- دیوان عنصری ۱۴ر
- دیوان ظہیر فاریابی ۶ر
- دیوان غنی کشمیری ۶ر
- دیوان ناصر علی ۵ر
- دیوان ہلالی ۶ر
- کلیات جلال اسیر عہ

دواوین اردو

- دیوان حسن دہلوی ۶ر
- کلیات ظفر عا

- کلیات مومن عہ
- دیوان ناسخ عہ
- کلیات میر عہ
- کلیات سودا عہ
- کلیات انشا عہ
- کلیات نظیر اکبر آبادی عہ
- گلزار داغ عہ
- دیوان رند ۹ر
- دیوان ذوق ۱۲ر
- کلیات اسمعیل عا
- مراۃ الغیب عہ
- مثنوی نہ عشق عا
- فریاد داغ ۴ر
- دیوان قاتل ۸ر
- دیوان شہیدی ۴ر

عجائب و غرائب

- عجائب المخلوقات تصویر رنگین عہ
- ″ باتصویر سادہ للعہ
- مجمع الفنون ے
- طلسم فرنگ عا
- کارخانۂ عالم عہ

رنالڈ کے ناولوں کے ترجمے

- الہ دین ولیلی عہ
- فریب حسن عا
- سوزن عشق عہ
- روزالیمبرٹ للعہ
- ناول اسرار عا
- شام جوانی ے
- طلسمی فانوس عہ

تصانیف مولانا نیاز فتحپوری

صحابیات

جس میں عہد سعادت کے ۵۰ خواتین کے
مستند حالات درج ہیں۔ اس کا مقدمہ مولانا کی
خاص زبان و انشا میں ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے
قیمت فی جلد ۶/۸

نگارستان

مولانا نیاز کے معجزات ادب و انشا کا انتخاب
جس میں بعض وہ فسانے و مضامین بھی درج
ہیں جو لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں۔
قیمت فی جلد ۶/

شاعر کا انجام

مولانا نیاز کے عنوان شباب کا لکھا ہوا ایک فسانہ
جس کی ایک ایک لفظ قوت خیال اور زور قلم
کا بے مثل نمونہ ہے۔
قیمت فی جلد ۱۰/

شہاب کی سرگزشت

اردو میں پہلا فسانہ ہے جس میں نفسیاتی تحلیل
کے لحاظ سے سیرت نگاری کی گئی ہے۔ یہ امر
مسلم ہو چکا ہے کہ اردو میں اس سے بہتر تخییل
اور بلند انشا کا فسانہ کوئی شائع نہیں ہوا۔
قیمت فی جلد عہ/

جذبات بھاشا

ہندی شاعری میں جو لوچ اور کیفیت ہے اس کا
علم انھیں کو ہو سکتا ہے۔ جنھوں نے اس زبان
کی شاعری کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کتاب کو دیکھئے
اور جذبات و خیال کی پاکیزگی کی داد دیجئے۔
قیمت فی جلد ۱۲/

تاریخ الدولتین

جرجی زیدان مصری مشہور مورخ اسلام کی
تاریخ تمدن اسلامی کے ایک حصہ کا ترجمہ
جس میں عہد بنی امیہ و بنی عباس کی سیاسی
تاریخ پر بے مثل تبصرہ کیا گیا ہے۔
قیمت فی جلد عہ/

علم فراست الید

یعنی ہات کی لکیروں کو دیکھکر ایک شخص کی سیرت اور اس کے ماضی
و مستقبل کے حالات معلوم کرنے کا علم۔ اس فن پر ایک سلسلہ
مضامین نگار میں شایع ہوا تھا۔ اب اسے خوبصورت جیبی سائز میں
مرتب کیا جا رہا ہے اور آخر دسمبر ۱۹۲۶ء تک شایع ہو جائیگا۔ اس
کتاب میں اس فن کے تمام مشکلات اسقدر آسان زبان میں حل کئے
گئے ہیں کہ ہر شخص مطالعہ کرنے کے بعد نہایت معمولی مشق سے ہات دیکھکر
صحیح احکام صادر کر سکتا ہے قیمت فی جلد عہ/

ظریف شاعروں کا تذکرہ
یا
تذکرہ خندہ گل

اردو فارسی کے جتنے ظریف شاعر گزر چکے ہیں یا اب موجود ہیں ان سب کے حالات
مع ان کے لطائف و ظرائف اور نمونہ کلام کے یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب بھی
چھپ رہی ہے جو حضرات ابھی سے دو روپیہ بھیجکر اپنا نام درج کرا لیں گے ان سے کوئی
زاید قیمت نہ لی جائیگی۔ اشاعت کے بعد اسکی قیمت کا اندازہ
للعہ/ کیا گیا ہے۔

خاک پروانہ

مشہور فسانہ نگار منشی پریم چند کے افسانوں کا مجموعہ، جن کی شہرت و قبول کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چینی زبان میں بھی اسکے ترجمے ہوئے
قیمت علاوہ محصول عہ/

"منیجر" رسالہ "نگار" نظیر آباد لکھنؤ